حسب ارشاد گرامی و زیر سرپرستی و نگرانی،

حضرت الحاج خواجہ **میاں کریم بخش مہاروی** دامت برکاتہ

مہار شریف، تحصیل چشتیاں شریف، ضلع بہاول نگر

اردو ترجمہ

**پروفیسر محمد عبدالغفور غزنوی** ایم اے

ترتیب

**پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی**

**چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد پاکستان**

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ
کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ
صَلُّوْا عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ

# مکتوباتِ مہاروی

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمتہ اللہ علیہ

کے فارسی مکتوبات کا

اُردو ترجمہ

حسبِ ارشادِ گرامی و زیرِ سرپرستی و نگرانی،

حضرت الحاج خواجہ میاں کریم بخش مہاروی دامت برکاتہٗ

مہار شریف، تحصیل چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر

اُردو ترجمہ

پروفیسر محمد عبد الغفور غزنوی ایم اے

ترتیب

پروفیسر افتخار احمد چشتی سلیمانی

چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد پاکستان

# سلسلۂ مطبوعات چشتیہ نمبر ۱۴





کتاب ــــــ مکتوبات مہاروی

تصنیف ــــــ حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

سال تصنیف ــــــ تیرھویں صدی ہجری

زبان ــــــ فارسی

اردو ترجمہ ــــــ پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی ایم اے

صفحات ــــــ ۴۵۶

سال اشاعت ــــــ ۱۴۱۵ھ (۱۹۹۵ء)

ناشر ــــــ چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد

طابع ــــــ ہارون پرنٹنگ پریس، فیصل آباد

کاتب ــــــ محمد اکرم جاوید / احسن کتابت فیصل آباد

ہدیہ ــــــ /-

## ملنے کا پتہ

۱- حضرت الحاج خواجہ میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہم، مہار شریف تحصیل چشتیاں شریف، ضلع بہاولنگر

۲- چشتیہ اکیڈمی، فرحت منزل گلی نمبر ۶ وکیلاں والی، چنیوٹ بازار، فیصل آباد

# مندرجات:

# شناس نامہ کتاب

نام کتاب ــــــــــ مکتوبات

زبان ــــــــــ فارسی

مُصنف ــــــــــ حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمتہ اللہ علیہ

موضوع ــــــــــ مختلف فیہ مسائل کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں

زمانۂ تصنیف ــــــــــ تیرھویں صدی ہجری

نسخۂ موجود ــــــــــ مکتوبات۔ فارسی خطی نسخہ۔ ۲۱۸ صفحات ذاتی کُتب خانہ، مہار شریف ضلع بہاولنگر

سرپرست و نگرانِ اعلیٰ ــــــــــ الحاج میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ

ترجمہ ــــــــــ پروفیسر محمد عبد الغفور غوثوی

نظرِ ثانی ــــــــــ ١۔ پروفیسر اللہ یار فریدی
۲۔ پروفیسر منظور حسین سیالوی
۳۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ
۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی

ترتیب ــــــــــ پروفیسر افتخار احمد چشتی

# انتساب

آفتابِ ملکِ ولایت، خورشیدِ برجِ ہدایت، وارثِ ملکِ نبوت،

شاہنشاہِ اقلیمِ غوثیت، قطبِ مدارِ عالم، سندالواصلین، فخرالعارفین،

منبعِ انوار الصمد، مظہرِ اسرارِ احد، قبلۂ عالم،

## حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

## کے نام

نثار تم پہ ہیں پروانہ ساں ہزاروں دل
کہ شمعِ محفلِ صاحب دِلاں تمہیں تو ہو!

# دُعائیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بعد حمد و صلوٰۃ قارئین کرام کی خدمت میں واضح ہو کہ خواجہ امام بخش صاحب رحمۃ اللہ کی دو تصنیفات گلشنِ ابرار اور مخزنِ چشت کا ترجمہ قبل ازیں شائع ہو چکا ہے، جن سے متوسلین، مشائخ کرام اور اہلِ ذوق قارئین مستفید ہوئے ہیں اور ہو رہے ہیں۔

اب صاحبِ موصوف کی ایک تصنیف مکتوبات دُعاگو کے خاندانی کتب خانہ میں باقی رہ گئی تھی، جو اہلِ سنت کی رُشد و ہدایت کے لئے خصوصاً اور عامۃ المسلمین کے لئے عموماً موجبِ ہدایت و رہبری ہے۔ دُعاگو نے چاہا کہ اس کا ترجمہ بھی طباعت کے بعد شائع کیا جائے اور اسے قارئین کے استفادہ کے لئے منظرِ عام پر لایا جائے۔

چنانچہ پروفیسر عبدالغفور غزنوی صاحب نے ترجمہ کرنے کا بیڑا اٹھایا۔ بعدہٗ اس کی تصحیح و ترمیم پروفیسر اللہ دیار فریدی صاحب نے کی۔ پھر یہ مسودہ پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی کی خدمت میں کتابت، طباعت اور اشاعت کے لئے بھیج دیا گیا۔ بحمد اللہ انہوں نے خندہ پیشانی سے یہ ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی۔ اور ان کی ہمت اور محنت سے آج یہ مرقعہ آپ حضرات کے زیرِ نظر ہے۔

دُعاگو بارگاہِ ایزدی میں ملتمس ہے کہ وہ ذات لایزال قارئین کو اپنے اپنے علم و ذوق کے مطابق مستفید ہونے کا شرف عطا فرماوے۔ مترجم اور ناشرین کو اپنے فضلِ عام سے دُنیا و آخرت میں سُرخرو فرماوے۔ آمین ثم آمین۔

دعاگو کریم بخش

مہار شریف
۲۷ جمادی الآخرہ ۱۴۱۵ھ

(الحاج میاں کریم بخش مہاروی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ○

(۳ : ۱۶۴)

## ترجمہ :

اللہ تعالیٰ نے یقیناً مومنوں پر بڑا احسان فرمایا جب اس نے انہیں میں سے ان میں ایک رسول بھیجا جو ان پر اللہ کی آیتیں پڑھتا ہے۔ اور انہیں پاک کرتا ہے۔ اور انہیں قرآن و سنت کی تعلیم دیتا ہے۔ اگرچہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَلۡتَکُنۡ مِّنۡکُمۡ اُمَّۃٌ یَّدۡعُوۡنَ اِلَی الۡخَیۡرِ وَیَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَیَنۡہَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡکَرِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝

(۳ : ۱۰۴)

## ترجمہ

تُم میں ایک جماعت ضرور ہونی چاہئیے، جو نیکی کی طرف بُلایا کرے۔ اور بھلائی کا حُکم دیا کرے۔ اور بدی سے روکا کرے۔ اور یہی لوگ کامیاب وکامران ہیں۔

# حمد و نعت

از خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ (گلشن ابرار)

خدا را حمد قبل از ہر کلامے
کہ لطفش عام بر ہر خاص و عامے
مگر حمدش نہ امکانِ بیان است
کہ "لا احصیٰ" ثنا زو عیان است
اگرچہ واصفاں بس کرد ادراک
بگفت آخر زشرحش "ماعرفناک"

درودش را کنم وردِ زباں را
نسیم روح شاہ مرسلاں را
کہ اندر شانِ او "لولاک" آمد
بزیر پائے او افلاک آمد
کہ از نورش شدہ عالم ہویدا
بعشقش بوالبشر گردید شیدا
برو ہر لحظہ رحمت از خدا باد
بہ اصحابش، بہ ازواجش، بہ اولاد

# سلام

از حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اے شہِ ذوالعطا سلامٌ علیک
وی مہِ پُر ضیا سلامٌ علیک

بر فلک جملۂ ملک گویاں!
اے رسولِ خدا سلامٌ علیک

گفت پیغمبراں شبِ معراج
مرحبا سیدا سلامٌ علیک

بُلبُلانِ بہشت از سرِ شوق
ہمہ نغمہ سرا سلامٌ علیک

ہمہ خاصانِ دہر ہمچو نجوم!
"اَنتَ بدرُ الدجےٰ" سلامٌ علیک

ہر دو عالم ز نورِ تو ظاہر
"اَنتَ نورُ الھُدیٰ" سلامٌ علیک

سوئے عاجز ببیں بہ لطف و کرم
اے شہِ انبیاء سلامٌ علیک

(دیوانِ عاجز)

# نعت شریف

از خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

عالم منوّر است ز نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
ظاہر شدہ جہان ز نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

بیخود شود ز خویشتن و وز شعورِ خویش!
محرم ہر آنکہ شد ز شعورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

فارغ شود ز درد و الم ہائے دو جہاں
ہر کس کہ ذوق یافت سُرورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

مقبول مے شود بجنابِ خدا کسے
کو پس رواں شود بہ اُمورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم

عاجز ہمے فرستد صلوٰۃ صد ہزار!
از صدقِ جان و دل بحضورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم!

(دیوانِ عاجز)

# نعت شریف

از خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحٰی وصفِ نکو روئے رسُولِ عربی
شرحِ واللّیل زگیسوئے رسُولِ عربی

کرد ایزد چوں سرمۂ مَازاغ بچشم
مَست شد نرگسِ جادوئے رسُولِ عربی

نُقطۂ وحدت افراخت چوں قد گشت عیاں
الفِ قامتِ دلجوئے رسُولِ عربی

قمری باغ جناں از پئے امیدِ وصال
میکند نغمۂ کُو کُوئے رسُولِ عربی

قبلۂ جان و دلم نیست بجز مہرِ رُخش
سَاجدم درخم اَبروئے رسُولِ عربی

دل و جانم بہ تمنّائے وصالش حیراں
سرِ من خاکِ سرِ کُوئے رسُولِ عربی!

صبحدم بادِ صبا بوئے زیثرب آورد
مَست شد عاجز از بوئے رسُولِ عربی

(دیوانِ عاجزؔ)

# نذرانۂ عقیدت

بحضور حضرت مولانا محب النبی، فخر جہاں محمد فخر الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ

نذر گزار: میر نذر علی درد کاکوروی

یہ دل مدہوشِ جامِ فخرِ دیں ہے
یہ سر قربانِ نامِ فخرِ دیں ہے

بحمد اللہ نظامی مے کدے کا
ہر اک ساغر پیامِ فخرِ دیں ہے

ازل کی مستیوں کی سُن کے دعوت
جسے دیکھو بہ کامِ فخرِ دیں ہے

چلا آ سامنے، پھیلا دے دامن
کہ جاری فیضِ عامِ فخرِ دیں ہے

ہماری زندگی کی ساری تنظیم
بحمد اللہ، نظامِ فخرِ دیں ہے

ہے پائی درد کی نعمت جو دل نے
دُعائے صبح و شامِ فخرِ دیں ہے

نذر گزار:

حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ — چاچڑاں شریف

ساڈا دوست دلیں دا نور محمد خواجہؒ
ڈھولا یار جہیندا نور محمد خواجہؒ
ساڈی ساری شرم بھرم دا
تیڈے گل وِچ لا جا

عرب وی تیڈی عجم وی تیڈی
سندھ پنجاب دا راجا!
زمین زمن وِچ وجدا گجدا
فیض تیڈے دا واجا:

دلبر جانی یوسف ثانی:
موہن مُکھ ڈِکھلا جا
نوشہ شہر مہار دا بنڑا
سِکدی نوں گل لا جا

نیں فریدے درس پیا ہے
آجا ناں ترسا جا!

# تقدیم

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی
صدر شعبۂ عربی گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

اَمَّا بَعْد۔ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ

وَاِنَّہٗ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ o

انبیاء کرام علیہم السلام فرستادگانِ الٰہی ہیں، اُن کا وجود رب العالمین کی ربوبیت تامہ کا مظہر اور رحمتِ پروردگار کا قاسم ہوتا ہے۔ انسان کی تخلیق خلیفۃ اللہ کی حیثیت سے ہوئی اس لئے اس کو ہر اُس عظمت کا اہل بنایا گیا جو اس منصب بلند کے لئے ضروری تھی؛ "بَسْطَۃً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ" (البقرۃ: ۲۴۷) یعنی علم و جسم کی کشادگی اور وسعت اس نائب الٰہی کا شرف امتیاز بنی کہ اسے آفاق کی تسخیر اور ملکوت کے مشاہدہ کا اہل گردانا گیا تھا، جسم کی آفزونی اور نشوونما کے لئے مادی وسائل کا اک جہان آباد کیا گیا تاکہ وہ اس سرزمین پر رہتے ہوئے "مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ" (البقرہ: ۳۶) کے حوالے سے تنگ دامنی اور کوتاہ دستی کا شکوہ نہ کرسکے روح کی بالیدگی اور توانائی کے لئے حاملانِ رسالت کا ایک مقدس گروہ پیدا فرمایا گیا تاکہ نارسائی اور بے توفیقی کا بہانہ نہ بنایا جاسکے، "وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ" (فاطر: ۲۴) اور کوئی اُمت یا گروہ نہیں مگر یہ کہ اُس میں ڈرانے والا ہوا؛ یہ متنبہ کرنے والے وجود ہر دور، ہر قریہ اور ہر قوم کی طرف آئے تاکہ روح کی تابندگی قائم رہے۔ رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس قافلۂ ہدایت کے آخری رسُول ہیں کہ آپ پر یہ احتیاج کہ ہدایت حاصل ہو ابد تک کے لئے پُوری ہوگئی اس لئے اب یہ گلہ نہ کیا جائے گا الہامی راہنمائی کا کوئی در رُخ آشکار نہ ہوسکا، لوگ کہتے تھے کہ اتنی بڑی تعداد کے باوجود اُن تک ہدایت نہیں پہنچی "اَنْ تَقُوْلُوا

مَا جَاءَ نَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ " کہ تم کہنے لگو، ہمارے ہاں تو کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا" اس لئے یقین کر لو کہ "فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ (المائدہ : ۱۹)
بے شک تمہارے پاس بشارت دینے والا اور ڈرانے والا آگیا ہے۔" قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کو حتمی اتمامِ حجت قرار دیا کہ یہ ذہنی تحفظ ہی نہ باقی رہے، ماضی میں انبیاء کرام علیہم السّلام تشریف لاتے رہے، ہدایت ہر کہیں اور ہر صورت مہیا رہی، مگر رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد یہ حیلہ سازی خالق کائنات کا پیغام میسر نہ آیا، ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی کہ رسولِ کائنات اور نبی آفاق نے پیغامِ ربانی کو انفس و آفاق کی وسعتوں پر محیط کر دیا اس لئے کہ رحمت اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی حدود، ربّ اللعالمین کی ساری مخلوق تک ممتد ہے کہ خود خالق کائنات نے گواہی دی "وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا (سبا : ۲۸)
اور ہم نے تو آپ کو ساری انسانیت کے لئے بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر مبعوث فرمایا۔" اس لئے جہاں جہاں انسان بستا ہے اور جس دور اور عہد میں انسان پایا جائے گا۔ یہ رسالت وہیں تک بشارتوں اور تنبیہات کے ساتھ موجود ہوگی۔ سامنے آنے والوں کو اس زبانِ فیض رساں سے شرفِ سماعت حاصل رہے گا اور دور والوں کے لئے لفظوں کے تابدار گہر روانہ کئے جاتے رہیں گے، رسالت اب رفعت کے اس مقام پر ہے کہ قرب و بعد کا فرق مٹ گیا ہے، آفتابِ نبوت نے ہر تاریک دل کو منور کر دیا ہے، شپرہ چشمی کا روگ نہ ہو تو آفتاب ہر کہیں موجود ہے کہ بقول شاعر:

؎ کالبحر یقذف للقریب جواھرا
جودا و یبعث للبعید سحائبا

"وہ تو سمندر ہیں کہ جو ساحل کے قرب سے متمتع ہے اُس کے لئے کمالِ فیاضی سے جواہر اُچھال دیتے ہیں اور جو بُعد کے گداز میں وارفتہ ہے اُس کے لئے رحمتوں کے بادل روانہ کر دیتے ہیں۔" ہاں وہ تو آفتاب ہیں

؎ کالشمس فی کبد السماء وضوؤھا — یغشی البلاد مشارقا ومغاربا

"وہ آفتاب عالمتاب ہیں کہ بظاہر دُور فضاؤں کے درمیان مسکن ہے مگر اُس کی روشنی شرق و مغرب کے تمام بلاد کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ اور یہ گھیرا رحمت کا ہالہ ہے جبر کا حصار نہیں اس لئے پیغام کا ہر رُخ اس رحمت کا آئینہ دار ہے شاہ روم کو دعوت حق دی تو واشگاف الفاظ میں کہا" اَسْلِمْ تَسْلَمْ" اسلام قبول کر لو سایہ سلامتی میں آجاؤ گے، مکہ والوں کو" لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمْ" کہ تم پر کوئی بوجھ نہیں کا مژدہ سنایا تو طائف والوں کے لئے ہدایت کی طلب میں دستِ رحمت اُٹھا لئے، مقصود ایک ہی تھا کہ دربارِ رحمت سے سب کو سلامتی کا پیغام دیا جائے اور امان کی نوید سنائی جائے، مکاتیبِ رحمت ہوں یا مکتوباتِ شفقت، مطلوب ایک تھا بلکہ یہ باور کرانا تھا کہ رحمت بے پایاں زمان و مکان کی قید میں نہیں "مکتوباتِ نبوی" سے اک سلسلۂ ہدائیت جاری ہوا جس سے بُعد کے شکوے اور فاصلوں کی زنجیریں کٹ گئیں پھر کیا تھا نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا جاں نثارانِ ملت کا وظیفۂ حیات بنی، تاریخ کے سینے میں خلفاء راشدین کے مکتوبات کا اِک جہان آباد ہے، مخاطبت کے لہجے نے خط کو نصف باریابی کا مقام دیا کہ صحیفۂ خطاب سے روبرو ہونے کی لذت حاصل ہوئی، تابعین نے اسی طریقہ کو تبلیغ کا ذریعہ بنایا اور پھر علماء و صوفیاء نے قلمی راہنمائی کا حق ادا کر دیا۔ یہ سلسلہ اب تک جاری ہے کہ اس سے اپنائیت کی سرمستی حاصل ہوتی ہے۔ خواجہ امام بخش مہاروی علیہ الرحمۃ، مہار شریف کے دبستان کے گل سرسبد ہیں جن کو قیادت کا شرف اور نیابت کا منصب حاصل تھا۔ فضا میں دین سے بے رغبتی، عقائدِ حقہ سے بیزاری اور اعمالِ حسنہ سے عدم توجہی عام ہوئی تو لذتِ حضوری سے سرشار دل مضطرب ہو گیا بے خبری اس قدر بڑھی کہ سوال کرنے کا سلیقہ بھی نہ رہا، کہتے ہیں صوفیاء بے عملوں کیلئے قوتِ عمل، بے ہمتوں کے لئے مصدرِ توانائی اور بے خبروں کے لئے روشنی کا مینار ہوتے ہیں۔ آستانوں پر حاضر ہونے والوں کے لئے فراتِ رحمت اور شکستہ پا متوسلین کے لئے سحابِ برکات ہوتے ہیں، دامن پھیلانے والوں کے لئے جودِ عطا اور کوتاہ دامنوں کے لئے دوشالۂ کرم ہوتے ہیں، خواجہ صاحب بھی دریائے معرفت کے قاسم تھے کہ سب

کے کشکول بھرے جاتے تھے مگر جسے سلیقۂ سوال ہی حاصل نہ تھا اُس کے لئے خود سائل بھی تھے اور مسئول بھی۔ مکتوبات خواجہ پڑھتے ہُوئے احساس ہُوا کہ حضرت خواجہ نے آستانہ کا فیض عام کرنے کے لئے خود ہی فقیروں کا بھیس اپنالیا ہے، بظاہر عجیب محسوس ہُوا کہ "خود کوزہ و خود کوزہ گر و خود گلِ کوزہ" کا سماں ہے، سوال میں وُہی لجاجت جو مُریدِ باصفا کا امتیاز ہے، جواب میں وُہی شفقت جو پیرانِ کرام کی عادت ہے، یُوں لگا کہ صرف رُشد و ہدائیت کی مسند ہی نہیں بچھائی، سوال کرنے کا ادب بھی سکھایا ہے، وُہ "امام بخش" کوئی اور ہے جو استفسار کر رہا ہے اور خواجہ امام بخش کوئی اور جو معرفت و سلوک اور علم و حکمت کے موتی رول رہا ہے۔ سوال و جواب کا یہ انداز بعض دیگر کُتب میں بھی نظر آتا ہے، یقیناً دونوں جانب ایک ہی وجود ہوتا ہے مگر ان مکتوبات میں اک جُداگانہ روش نمایاں ہے اس سے نہ سوال تشنہ رہا ہے اور نہ جواب مبہم یا نا تمام۔

خواجہ امام بخش مہاروی علیہ الرحمتہ کے ہر مکتوب کا موضوع مختلف ہے اس طرح ہر خط ایک عنوان ہے۔ ان مسائل پر ابواب کی شکل میں بھی گفتگو ممکن تھی کہ انداز کتابی ہوتا۔ اب یہ محاکاتی ہے جس سے ہر لفظ بولتا ہُوا محسوس ہوتا ہے۔ حمد باری تعالیٰ اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم سے آغاز ہُوا، ان کو بھی مکتوب کہا گیا مگر قاری کی سہولت کے پیشِ نظر میں یہ مشورہ دینا ضروری سمجھتا ہُوں کہ مکتوبات کی ابتداء تیسرے مکتوب سے کی جائے کہ یہی پہلا استفسار ہے۔ مجھے ان مکتوبات کا جائزہ لینے کا موقعہ بھی ملا، ہم عصری کے تقاضوں کے زیرِ اثر زبان و بیان کا آہنگ آج کے قاری کے لئے بعض اُلجھنیں پیدا کر سکتا تھا جس سے وُہ نیک مقصد حاصل نہ ہوتا جو خواجہ صاحب کے پیشِ نظر تھا اس لئے بعض عبارتوں میں تخفیف اور بعض میں معمولی اضافہ ضروری خیال کیا گیا مگر اس کو متن کا حصہ نہ بنایا گیا تاکہ قاری کی سہولت کسی ذہنی تحفظ کو جنم نہ دے۔ القابات کی کثرت سے صرف نظر کر لیا گیا تاکہ ایصالِ مفہوم میں لغوی رکاوٹیں حائل نہ ہوں۔ حدیث قدسی اور قرآن کے بارے میں ایک مکتوب حذف کر دیا گیا کہ یہ خواص کے ذوق کا مظہر ہے عصر حاضر کے قاری کو اس کی ضرورت نہ تھی۔

اس طرح نمبر شمار کے حوالے سے کُل ۲۶ مکتوب شامل ہیں کہ پہلے دونوں مکتوبات کو حمد و نعت کے زیرِ عنوان درج کر دیا گیا ہے۔

خواجہ امام بخش مہاروی علیہ الرحمۃ کے یہ ارشادات قارئین کے لئے علمی ذوق اور عملی تحریک کا موجب بنیں گے کہ ان میں معلومات کی فراوانی، استدلال کی قوت اور بیان کی حلاوت موجود ہے۔ ہو سکتا ہے بعض احباب کہیں کہیں ذہنی مطابقت محسوس نہ کریں جیسے 'سماع' کے حوالے سے طویل بحث ان مکتوبات میں موجود ہے یا جیسے عصرِ حاضر میں ولی ہونے کے دعویداروں کا شدید محاسبہ یا بعض نظریاتی اور فقہی مسائل میں جذبوں کی شدت اور فراوانی، اختلاف کی گنجائش کا حق رکھنے کے باوجود یہ ضرور پیشِ نظر رہے کہ خواجہ صاحب ایک مسلک، ایک خاندانِ سلوک اور ایک مکتبۂ فکر سے تعلق رکھتے ہیں۔ چشتی ذوق، حنفی مسلک اور اہلِ سنت کا اندازِ فکر اُن میں نمایاں ہے مگر وجۂ اطمینان یہ بات ہے کہ اُن کے پاس اپنی روش اور اپنے رجحان کی صلابت کے مضبوط دلائل موجود ہیں۔ اُنھوں نے علم کی ہر شاخ پر دسترس حاصل کی ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ علم کو صرف حرف شناسی تک محدود نہیں رکھا اُسے اپنے وجود کی واردات بنا لیا ہے جس سے وُہ زاہدِ خشک ہونے سے بھی بچ گئے ہیں۔ اور اندھی ارادت سے بھی، اُن کا وجدان بالغ نظر ہے اور اُن کا تصوف راہ یاب ہے۔ بعض مسائل پر اُن کی گرفت نہایت مضبوط ہے اور اُن کی وُسعتِ علمی پر دلالت کرتی ہے۔ شعر و شاعری کے حوالے سے علمی بلکہ ادبی گفتگو نہایت اثر آفریں ہے۔ ایمان پر اقرار و تصدیق کے زیرِ عنوان خاص و عام کی بحث، تحقیقی کاوش کی کارفرمائی ہے تو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کے بارے میں ایمان کی بحث عقیدت و محبت کی رِدا میں لپٹی ہوئی تجزیہ نگاری ہے جبکہ حضرت آدم علیہ السلام سے سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تک پُوری نسل کی تاریخی سند کے ساتھ حکایت، ذوقِ استقراء کی عُمدہ مثال ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مکتوباتِ امام بخش مہاروی علیہ الرحمۃ ایک علمی دستاویز ہے

جس میں متلاشیانِ علم کے لئے ذہنی جلا کا بہت سامان ہے، ترجمہ نگار نے ایک مشکل کتاب کے ترجمہ میں بہت محنت کی ہے جو لائق ستائش ہے۔

جناب پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب کا عزمِ جواں اس نایاب مسودہ کو منظرِ عام پر لانے کا ذریعہ بنا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اور ہمت دے کہ اس پُرآشوب دور میں وہ علم و معرفت کی شمع جلائے ہوئے ہیں، میں دل کی گہرائیوں سے اس نیک کام میں شریک تمام حضرات کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ خدمتِ دین کی توفیق ارزانی فرمائے۔ آمین!

اللّٰھم صلّ علیٰ محمّدٍ وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین

# دیباچہ

از: پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ ایم اے پی ایچ ڈی
صدر شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الْعَلِیِّ الْاَعْلٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ الْمُجْتَبٰی وَعَلٰی سَآئِرِ عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

مکتوب نگاری کے تاریخی پس منظر پہ نگاہ ڈالی جائے تو قرآن حکیم میں اللہ کے پیغمبر حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک مکتوب کا ذکر ملتا ہے جو ملکہ سبا بلقیس کے نام ہے۔ قرآنی آیات:

"قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِیْنَ ۝ اِذْهَبْ بِّكِتٰبِیْ هٰذَا فَاَلْقِهْ اِلَیْهِمْ ثُمَّ تَوَلَّ عَنْهُمْ فَانْظُرْ مَاذَا یَرْجِعُوْنَ ۝ قَالَتْ یٰۤاَیُّهَا الْمَلَؤُا اِنِّیْۤ اُلْقِیَ اِلَیَّ كِتٰبٌ كَرِیْمٌ ۝ اِنَّهٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَ اِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝

(۲۷ : ۲۷ تا ۳۰)

ترجمہ: سلیمانؑ نے فرمایا اب ہم دیکھیں گے کہ تو نے سچ کہا یا تو جھوٹوں میں سے ہے۔ میرا یہ مکتوب لے جا کر اُن پر ڈال پھر ان سے الگ ہٹ کر دیکھ کہ وہ کیا جواب دیتے ہیں۔ وہ عورت بولی اے سردارو! بے شک میری طرف ایک عزت والا خط ڈالا گیا ہے بے شک وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور بے شک وہ اللہ کے نام سے ہے جو نہایت مہربان رحم والا ہے۔

یہ مکتوب دعوتِ حق کی ایک زندہ مثال ہے۔ اِس سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ حضرت سُلیمان علیہ السّلام نے ملکۂ سبا کے نام اپنے مکتوب کی ابتدأ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" سے کی ہے۔ حضرت سیّدالموجودات جناب رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وسلّم کی بعثت چونکہ پُوری کائناتِ انسانی کے لئے ہے، اسلئے حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم کی دعوت کا دائرہ رشد و ہدایت بھی سَاری دُنیا پر محیط ہے۔ جن مقامات پر حضُور صلّی اللہ علیہ وسلّم خود تشریف فرما نہیں ہوسکے، وہاں اپنے مبلّغ اور قاصد بھیج کر لوگوں کو اسلام کی دعوت دی۔ چنانچہ مکتوباتِ اقدس کی مختلف ممالک میں ترسیل بھی اس مُقدس سلسلے کی ایک کڑی ہے اُس دور کے ناگفتنی حالات و واقعات کے باوجود مدینہ منوّرہ کے بوریا نشین کالی کملی بردوش رسُول سیّدالکونین نبیّ الحرمین صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اپنے ہم عصر حکمرانوں بادشاہوں اور امرأ و سلاطین کے نام دعوتِ حق کے سلسلے میں جو مکتوباتِ اقدس ارسال فرمائے ان کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ اِس سے یہ امر روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتا ہے کہ دعوتِ توحید اور اظہارِ مقصود کیلئے ارسالِ مکتوبات ایک مُوثر ذریعۂ ابلاغ ہے۔ جسے حضُور علیہ الصّلوٰۃ والسلام نے اختیار فرمایا۔ یہاں یہ کہنا بے محل نہ ہوگا کہ خاتم الانبیاء والمرسلین صلّی اللہ علیہ وسلّم کی سُنّتِ ارسالِ مکتوبات کو اولیائے اُمّت اور مشائخ نامدار کی معتدبہ تعداد نے بہ طریقِ احسن جاری و ساری رکھا۔

فارسی کا صُوفیانہ اَدب بلاشُبہ مکتوباتِ خواجگاں اَور ملفوظاتِ مشائخ سے رونق اُفروز ہے۔ بعض عرفا اور بزرگوں نے بذریعہ مکتوبات تبلیغی فریضہ سرانجام دیا۔ ایران کے صُوفیائے متقدم و نامدار میں سے شیخ ابوسعید ابوالخیرؒ (م ۴۴۰ھ)، حضرت امام محمد غزالیؒ (م ۵۰۵ھ)، حضرت احمد غزالیؒ (م ۵۱۷ھ)، شیخ عین القضاۃ همدانیؒ (م ۵۲۵ھ) اور شیخ احمد جامؒ (م ۵۳۶ھ) کے مکاتیب، مقاماتِ تصوف کی توضیح و تشریح میں امتیازی مقام کے حامل ہیں، جن کی وساطت سے اہلِ سلوک پر فکر و نظر کی شاہراہیں کشادہ ہُوئیں۔ ذیل میں فہارس مخطوطات: عرفانی و تاریخی کُتب اور مطبوعہ و غیر مطبوعہ مکتوبات کے حوالے سے سلاسلِ چہارگانۂ طریقت کے صاحبانِ

مکاتیب پیشواؤں کا سرسری جائزہ پیش کیا جاتا ہے :

مشائخ چشت میں ملفوظات نگاری اور مجالس نویسی تو باقاعدگی کے ساتھ جاری رہی۔ البتہ مکتوب نگاری کا طریقہ بھی نظر آتا ہے۔ درج ذیل خواجگان چشت کے مکتوبات کے مخطوطات و نسخہ جات مطبوعہ اور غیر مطبوعہ صورت میں دستیاب ہیں بعض کے مکتوبات کا صرف تذکروں میں ذکر ملتا ہے :

۱۔ مکتوبات خواجۂ خواجگان حضرت معین الدین چشتی اجمیریؒ (م۔ ۶۳۳ھ)

۲۔ مکتوبات خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (م۔ ۶۳۳ھ)

۳۔ مکتوبات خواجہ حمید الدین صوفی سوالی ناگوریؒ (م۔ ۶۷۳ھ)

۴۔ مکتوبات بابا فرید الدین گنج شکر پاکپتنیؒ (م۔ ۶۶۴ھ)

۵۔ مکتوبات قلندری حضرت بوعلی قلندر پانی پتیؒ (م۔ ۷۲۴ھ)

۶۔ مکتوبات حضرت نظام الدین اولیاءؒ (م۔ ۷۲۵ھ)

۷۔ مکتوبات حضرت امیر خسرو دہلویؒ (م۔ ۷۲۵ھ)

۸۔ مکتوبات حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ (م۔ ۸۰۸ء)

۹۔ مکتوبات حضرت سید محمد گیسو درازؒ (م۔ ۸۲۵ھ)

۱۰۔ مکتوبات قدوسیہ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ (م۔ ۹۴۵ھ)

۱۱۔ مکتوبات شیخ محمد چشتی گجراتیؒ (م۔ ۱۰۴۰ھ)

۱۲۔ مکتوبات شیخ محب اللہ الٰہ آبادی صابریؒ (م۔ ۱۰۵۸ھ)

۱۳۔ مکتوبات شاہ پیر محمد سلونی چشتیؒ (م۔ گیارھویں صدی)

۱۴۔ مکتوبات کلیمی شاہ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ (م۔ ۱۱۴۲ھ)

۱۵۔ رقعات مرشدی، حضرت مولانا فخر الدین دہلویؒ (م۔ ۱۱۹۹ھ)

۱۶۔ مکتوبات حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ (م۔ ۱۳۰۰ھ)

یہ سارے مکتوبات شریعت اسلامیہ اور عرفان چشتیہ کا گرانقدر سرمایہ ہیں۔ سلسلہ سہروردیہ اور اس کی شاخوں کبرویہ، فردوسیہ اور نوربخشیہ کے جن مشائخ

کے مکتوبات کا ذکر ملتا ہے، ان کے اسماء حسبِ ذیل ہیں :

۱۔ مکتوباتِ حضرت شیخ مجد الدین بغدادیؒ (م. ۶۱۶ھ)

۲۔ مکتوباتِ شیخ جلال الدین تبریزیؒ (م. ۶۴۲ھ)

۳۔ مکتوباتِ قاضی حمید الدین محمد بن عطا ناگوریؒ (م. ۶۴۳ھ)

۴۔ مکتوباتِ شیخ سعد الدین حمویہؒ (م. ۶۵۰ھ)

۵۔ مکتوباتِ شیخ سیف الدین باخرزیؒ (م. ۶۵۸ھ)

۶۔ مکتوباتِ شیخ الاسلام بہاء الدین زکریا ملتانیؒ (م. ۶۶۶ھ)

۷۔ مکتوباتِ مولانا جلال الدین رومیؒ (م. ۶۷۲ھ)

۸۔ مکتوباتِ شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ (م. ۶۸۸ھ)

۹۔ مکتوباتِ سید امیر حسینی ہرویؒ (م. ۷۱۸ھ)

۱۰۔ مکتوباتِ شیخ عبد الرزاق کاشانیؒ (م. ۷۳۰ یا ۷۳۵ھ)

۱۱۔ مکتوباتِ شیخ علاء الدولہ سمنانیؒ (م. ۷۳۶ھ)

۱۲۔ مکتوباتِ حضرت مخدوم شرف الدین یحییٰ منیریؒ (م. ۷۸۲ھ)

۱۳۔ مکتوباتِ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیاں جہانگشت بخاریؒ (م. ۷۸۵ھ)

۱۴۔ مکتوباتِ حضرت سید علی ہمدانیؒ (م. ۷۸۶ھ)

۱۵۔ مکتوباتِ شیخ مظفر بلخیؒ (م. ۷۸۸ھ)

۱۶۔ مکتوباتِ حضرت حسین نوشہؒ (م. ۸۴۴ھ)

۱۷۔ مکتوباتِ حضرت سید محمد نور بخشؒ (م. ۸۶۹ھ)

ان مکاتیب میں مشائخ کرام نے سالکان وطالبانِ حق کے تصفیہ باطن اور تزکیہ نفس کے لئے عرفانی اور معنوی مسائل پر بحث کی ہے۔

سلسلۂ عالیہ قادریہ کے مؤسس ومورث اعلیٰ حضرت غوث الاعظم شیخ عبد القادر گیلانیؒ کے علاوہ قادری مشائخ میں سے شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ (م. ۱۰۵۲ھ)، سید محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ (م. ۱۰۶۴ھ)، حضرت ملا شاہ قادریؒ (م. ۱۰۷۲ھ)

اور حافظ نور اللہ نوشاہی (م۔ ۱۲۲۹ھ) کے مکاتیب بھی اہلِ محبت کے لئے باطنی سرمایۂ حیات ہیں اور دلدادگانِ تصوف کے لئے روحانی غذا کا کام دیتے ہیں۔

خواجگانِ سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے ہاں مکتوب نگاری بالالتزام اور اہتمام خاص کے ساتھ ابلاغ کا ذریعہ بنی۔ خواجہ باقی باللہؒ سے حضرت دوست محمد قندھاریؒ تک مرتبًا مکتوبات کے دفاتر دستیاب ہیں۔ چنانچہ اس ضمن میں درج ذیل صوفیائے نقشبند کے نام قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ مکتوبات خواجہ محمد پارسا بخاریؒ (م۔ ۸۲۲ھ)
۲۔ مکاتبات خواجہ عبید اللہ احرار سمرقندیؒ (م۔ ۸۹۵ھ)
۳۔ مکتوبات مولانا عبد الرحمٰن جامیؒ (م۔ ۸۹۸ھ)
۴۔ مکتوبات میر ابوالعلا نقشبندی اکبر آبادیؒ (م۔ ۱۰۰۱ھ)
۵۔ مکتوبات خواجہ باقی باللہؒ (م۔ ۱۰۱۲ھ)
۶۔ مکتوبات حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ (م۔ ۱۰۳۴ھ)
۷۔ مکتوبات حضرت آدم بنوریؒ (م۔ ۱۰۵۳ھ)
۸۔ مکتوباتِ سعیدیہ حضرت شیخ محمد سعید بن امام ربانی سرہندیؒ (م۔ ۱۰۷۰ھ)
۹۔ مکتوباتِ معصومیہ حضرت خواجہ محمد معصوم بن امام ربانی سرہندیؒ (م۔ ۱۰۷۹ھ)
۱۰۔ مکتوبات عبد النبی شامی نقشبندیؒ (م۔ ۱۱۴۶ھ)
۱۱۔ مکتوبات مرزا مظہر جانجاناںؒ (م۔ ۱۱۹۵ھ)
۱۲۔ مکتوبات حضرت فقیر اللہ علوی نقشبندی شکار پوریؒ (م۔ ۱۱۹۵ھ)
۱۳۔ مکتوبات حضرت شاہ عبد الرحیم دہلویؒ (م۔ ۱۱۳۱ھ)
۱۴۔ مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م۔ ۱۱۷۶ھ)
۱۵۔ مکتوبات شاہ عبد العزیز دہلویؒ (م۔ ۱۲۳۹ھ)
۱۶۔ مکتوبات شاہ غلام علی دہلویؒ (م۔ ۱۲۴۰ھ)
۱۷۔ مکتوبات حضرت غلام محی الدین قصوریؒ (م۔ ۱۲۷۰ھ)

۱۸- مکتوبات حضرت دوست محمد قندھاریؒ (م ۱۲۸۴ھ)

مکتوبات کے یہ مجموعے اسرارِ الٰہیہ اور انوارِ قدسیہ کے بیش بہا خزینے اور معارفِ نقشبندیہ کے لازوال گنجینے ہیں۔ جو اہلِ سلوک کی تربیت اور شریعتِ مطہرہ کے رسوخ و نفاذ میں اہم کردار کے حامل ہیں۔

بعض متفرق سلاسلِ طریقت سے نسبت رکھنے والے مشائخ کے مکاتیب بھی ملتے ہیں۔ معروف ایرانی فہرست نگار آقائے احمد منزوی کی تہران اور اسلام آباد سے مطبوعہ فہارسِ مخطوطات میں سے چند ایسے ہی مکتوب نگار صوفیاء کے نام درج کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثلاً محمد گلندامؒ (دیباچہ نگار دیوان حافظ شیرازیؒ)، شاہ نعمت اللہ کرمانیؒ (م ۸۳۴ھ)، شیخ صاین الدین ترکہ اصفہانیؒ (م ۸۳۵ھ)، پیر جمال الدین اردستانی، بابا افضل الدین کاشانی، شیخ محمد بن محمود دھدار، شیخ بہاء الدین عاملی (م ۱۰۳۰ھ)، شیخ عبدالواحد بلگرامی اور شیخ محمد راشد وغیرہ۔ آقائے منزوی نے اپنی فہرستوں میں خطوط کے لئے مکتوبات، مکاتیب، مکاتبات، منشآت، رقعات اور نامہ ہا کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔

عرفائے عالی مرتبت اور صوفیائے بزرگ ہمت کے جو دفاترِ مکتوبات اب تک اشاعت کے مراحل سے گزر چکے ہیں، اُن کے نام ملاحظہ ہوں:

۱- مکاتیبِ حضرت عین القضاۃ ہمدانیؒ
۲- مکاتباتِ حضرت امام محمد غزالیؒ
۳- مکتوبات خواجہ معین الدین چشتیؒ
۴- مکتوبات مولانا رومؒ
۵- مکاتیبِ حضرت فخر الدین عراقیؒ
۶- مرشد و مرید۔ مجموعہ مکاتیب مابین اسفرائنی و سمنانیؒ
۷- مکتوبات حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ
۸- مکاتیب حضرت سید علی ہمدانیؒ
۹- مکتوباتِ قدسیہ
۱۰- مکتوباتِ خواجہ باقی باللہؒ
۱۱- مکتوباتِ امامِ ربانیؒ
۱۲- مکتوبات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ
۱۳- مکتوباتِ سعیدیہ
۱۴- مکتوباتِ معصومیہ
۱۵- مکتوباتِ کلیمی
۱۶- مجموعۃ الاسرار مکتوبات شیخ عبدالنبی شامیؒ

۱۷- کلماتِ طیبات، مکتوبات شاہ ولی اللہ دہلویؒ ۱۸- مکتوبات حضرت فقیر اللہ علویؒ

۱۹- رقعاتِ مرشدی، مکتوبات مو[illegible]الدین دہلویؒ

اِن میں سے بعض کے اصل فارسی متون، بعض کے صرف اُردو تراجم اور بعض اصل اور ترجمہ دونوں صورتوں میں چھپ گئے ہیں۔ زیرِ تبصرہ مکتوباتِ خواجہ امام بخش مہارویؒ بھی اُردو لباس میں پیش کئے جا رہے ہیں۔

جملہ دفاترِ مکتوبات میں سے شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیریؒ اور حضرت امام ربانی مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات اپنے مطالب و مفاہیم کے لحاظ سے خصوصی اہمیت اور شہرت کے حامل ہیں۔ ان کو درجہ اوّل کے عارفانہ لٹریچر میں شمار کیا جاتا ہے۔ مشائخ چشت میں سے حضرت سید محمد گیسو درازؒ، خواجہ عبدالقدوس گنگوہیؒ اور خواجہ کلیم اللہ شاہجہاں آبادیؒ کے مکاتیب کی ارزش و اہمیت زیادہ ہے۔

حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ تفسیر، حدیث، فقہ اور علومِ تصوف میں سرآوردۂ روزگار تھے۔ صوفیائے متقدمین و متاخرین میں آپ کی عظمت مسلّم ہے۔ آپ کے مکتوبات عرفان و حکمتِ الٰہیہ سے لبریز تھے جو مکتوباتِ صدی، مکتوبات دو صدی اور مکتوباتِ بست و ہشت کے نام سے موسوم ہیں۔ اِن میں توحید، تقویٰ، طہارت، عبادت، تہذیب اخلاق، تزکیۂ باطن اور دیگر متصوفانہ مضامین وضاحت و صراحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ تمام سلاسلِ ولائت کے اکابر نے آپ کے ارشادات و تحریرات سے استفادہ کیا ہے۔ مکتوباتِ صدی مترجم اُردو کے آغاز میں "اظہارِ عقیدت" کے تحت مرقوم ہے:

"آپ کے ہم عصر حضرت مخدوم جہانیاں جہانگشت رحمۃ اللہ علیہ مکتوبات کے مضمون میں غوطہ زن ہونے کے لئے کبھی کبھی بعض مکتوبات کے لئے چلہ کشی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی چند اقتباسات کی تشریحات اپنے بعض مکتوبات میں فرمائی ہیں۔"

مناقب الاصفیاء تالیف حضرت شعیب فردوسیؒ کی روایت کے مطابق حضرت

مخدوم جہانیاں جہانگشت آخر عمر میں شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے مکتوبات اکثر مطالعہ میں رکھتے تھے اور ان پر خوب غور و خوض کرتے تھے۔ لکھا ہے:

"حضرت جلال بخاریؒ را پرسیدند کہ در آخرِ عمر در چہ مشغول اید۔ فرمود: در مطالعۂ مکتوبات شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری۔ باز پرسیدند: مکتوباتِ شیخ شرف الدین منیریؒ چگونہ است؟ فرمود: بعضی محل ہنوز فہم نشدہ است"

حضرت سید جلال الدین بخاریؒ سے پوچھا گیا کہ آخر عمر میں کیا شغل رہتا ہے۔ فرمایا کہ شیخ شرف الدین احمد یحییٰ منیری کے مکتوبات کے مطالعہ میں مشغول رہتا ہوں پھر پوچھا کہ شیخ شرف الدین منیریؒ کے مکتوبات کیسے ہیں؟ فرمایا کہ بعض مقامات ابھی تک ہماری سمجھ میں نہیں آئے ہیں۔

شیخ عبدالرحمن چشتیؒ نے تذکرہ مراۃ الاسرار کے حاشیہ پنجم میں مغل بادشاہ شاہجہاں کے مکتوبات شیخ شرف الدین منیریؒ کی تعلیم حاصل کرنے کے بارے میں یوں ضبطِ تحریر کیا ہے:

"و شیخ صوفیؒ را نیز فقیر بارہا دیدہ است از جملۂ اخیار بود رحمۃ اللہ علیہ بہر حال چند روز کہ فقیر در اکبر آباد بود۔ ہر روز می دید کہ شیخ صوفیؒ اولِ روز بہ خدمت شاہجہان رفتہ تاریخِ طبقاتِ ناصری تعلیم می کرد، و در آخر روز یک مکتوب حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ تعلیم می نمود۔"

اور شیخ صوفیؒ کو بھی فقیر (عبدالرحمن چشتیؒ) نے کئی بار دیکھا ہے۔ جملہ اخیار میں سے تھا رحمۃ اللہ علیہ۔ بہر حال چند روز کے لئے جب فقیر اکبر آباد میں مقیم تھا تو ہر روز دیکھا کہ شیخ صوفیؒ دن کے پہلے پہر شاہجہان کی خدمت میں جاکر تاریخ طبقاتِ ناصری کی تعلیم دیتا تھا۔ اور دن کے پچھلے پہر حضرت شیخ شرف الدین یحییٰ منیریؒ کے ایک مکتوب کی تعلیم و تدریس کرتا تھا۔

اِن روایات اور مثالوں سے ثابت ہوتا ہے کہ فقرا اور شاہزادے بھی حضرت شرف الدین منیریؒ کے مکتوبات سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ یہ مکتوبات آپ کی تعلیمات کا خلاصہ ہیں۔ ان میں مسئلہ توحید کو بڑی خوبی کے ساتھ سمجھایا گیا ہے۔ خالق و مخلوق کے باہمی رشتے اور اخلاق انسانی سے متعلق مضامین ان خطوط میں افراط سے

پائے جاتے ہیں۔

امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی نقشبندیؒ کے مکتوبات شریف کتب تصوف میں نہایت بلند درجہ رکھتے ہیں۔ انہوں نے ان کو مجددانہ شان اور مجتہدانہ انداز میں تحریر فرمایا ہے۔ یہ مکتوبات قدسیہ حضرت امام ربانیؒ کی زندگی ہی میں مرتب ہو گئے تھے اور تین دفاتر یا جلدوں پر مشتمل ہیں:

پہلا دفتر "درالمعرفت" (۱۰۲۵) کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔ اس میں ۳۱۳ مکتوبات پیغمبران مرسل اور اصحاب بدر کی تعداد کے مطابق شامل ہیں۔ جامع کا نام خواجہ یار محمد جدید بدخشی طالقانیؒ ہے۔ دفتر دوم کے دیباچے میں تحریر ہے:

"چون جلد اول مکتوبات بہ عدد سہ صد و سیزدہ (۳۱۳) مکتوب رسید حضرت ایشان سلمہ اللہ تعالیٰ فرمودند کہ برہمین عدد ختم کنند کہ موافق عدد پیغمبران مرسل است صلوات اللہ تعالیٰ علیٰ نبینا و علیہم و نیز موافق عدد اہل بدر است رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تبرکاً و تیمناً برآن عدد ختم نمودہ آمد۔"

دوسرا دفتر جس کا تاریخی نام "نور الخلائق" (۱۰۲۸) ہے۔ اس میں اسمائے حسنیٰ کے مطابق کل ۹۹ مکتوبات درج ہیں۔ اس دفتر کے جامع خواجہ عبدالحیٰ ابن خواجہ چاکر حصاریؒ ہیں ——— دفتر سوم کے دیباچے میں لکھا ہے:

"چوں آن جلد بہ نود و نہ (۹۹) مکتوب رسید کہ مطابق اسماء حسنیٰ است بر ہمان ختم شد در سالی کہ تاریخ آن از "نور الخلائق" (۱۰۲۸) ہویدا است۔"

تیسرا دفتر "معرفت الحقائق" کے نام سے موسوم ہے۔ اس کے جامع خواجہ محمد ہاشم کشمی برہان پوریؒ صاحب زبدۃ المقامات ہیں۔ اس میں مطابق عدد سور قرآنی ۱۱۴ مکتوبات ہیں۔ سال اتمام جلد ثالث لفظ "ثالث" (۱۰۳۱) سے برآمد ہوتا ہے۔ واقعتہً اس جلد میں کچھ اضافی مکتوبات بھی شامل کئے جا چکے ہیں ——— اس دفتر کے مکتوب ۱۱۵ کے حاشیہ میں حضرت مولانا نور احمد محشی مکتوبات نے لکھا ہے کہ:

"جملہ مکاتیب این جلد یک صد و چہاردہ (۱۱۴) اند مطابق عدد سور قرآنی، پس

این نہ مکاتیب اخیرۂ این جلد شاید بعد ازان بمعرض تسوید آمدہ باشد و ملحق شدہ فافہم واللہ اعلم"۔

حضرت صوفی حافظ محمد افضل فقیر مرحوم مکتوباتِ معصومیہ کے پیش لفظ میں اظہارِ خیال فرماتے ہیں :

"مکتوبات کی تاریخ میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے ہر سہ دفترِ مکتوبات جنہیں بقائے دوام نصیب ہوئی، معارفِ الٰہیہ کا ایک بحرِ ناپید اکنار ہیں۔ ان میں اسرارِ طریقت، مقاماتِ ولائت، اصطلاحاتِ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ کی توضیح، شیخ اکبرؒ کے بعض احوال و مواجید کی تصریحات، اوامرِ شرعیہ کے نفاذ کی ترغیب، احیائے سُنت اماتتِ بدعت شرح و بسط سے مندرج ہیں۔ سلوکِ مجددیہ میں ان مکتوبات کا مقام اس قدر بلند ہے کہ مشائخِ سلسلہ ان کے مندرجات سے خوشہ چینی کرتے رہے اور مستقبل میں طریقت کے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل، ان رشحاتِ پاکیزہ سے اپنا جیب و داماں بھرتے رہیں گے۔ ایسے حضرات کا وجود بہت کم ہے جنہیں ان مکتوبات کے مفاہیم و مطالب پر کماحقہ عبور حاصل ہوا ہے"

مکتوبات امام ربانیؒ میں زیادہ تعداد ایسے مکاتیب کی ہے جو مسائلِ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کی عقدہ کشائی پر مشتمل ہیں۔ ہر مکتوب کا لب لباب یہ ہے کہ اسلام کو زندگی کے ہر شعبہ میں مکمل طور پر نافذ کیا جائے اور شریعتِ محمدیہ کو طریقت پر مقدم رکھا جائے، غرض یہ مکتوبات ہر دور کے مسلمانوں کے لئے مشعلِ راہ اور چراغِ ہدایت ہیں۔

---

مکتوباتِ خواجہ امام بخش چشتی مہارویؒ اراد تمندوں کی اخلاقی، اعتقادی، عرفانی، ذہنی، قلبی، باطنی، روحانی اور معنوی تربیت کا بہترین ذریعہ ہیں۔ تبلیغی اور اصلاحی اعتبار سے ان کی اہمیت و افادیت بہت زیادہ ہے۔ بگمانِ غالب حضرت خواجہ امام بخشؒ کے مکتوبات کا یہ مخطوطہ منحصر بفرد معلوم ہوتا ہے جو آپ کی اولاد میں سے حضرت خواجہ حاجی کریم بخش مہاروی

صاحب کے ذاتی ذخیرۂ کتب اور تبرکات میں محفوظ پڑا ہے۔ اللہ کریم حضرت حاجی کریم بخش صاحب کو جزائے خیر عطا کرے کہ آپ نے اس نادر اور نایاب علمی سرمائے کو اہلِ ارادت وعرفان تک پہنچانے کے لئے اردو لباس میں پیش کرنے کی سعی فرمائی اور اس کارِ خیر کے لئے جناب پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی صاحب ـــــ جو جامع مسجد سردار بہادر علی خان علی پور میں خطیب اور گورنمنٹ کالج علی پور کے شعبہ اسلامیات میں تدریسی خدمات پر مأمور ہیں ـــــ کا انتخاب فرمایا۔ غوثوی صاحب نے بڑے ادب واحترام کے ساتھ اس فریضہ کو انجام دیا ہے۔ البتہ کہیں کہیں انہوں نے آیاتِ قرآن کی خاطر بطور حوالہ پارہ اور رکوع کا نمبر درج کیا ہے جبکہ جدید طرزِ تحقیق کے مطابق سورہ اور آیہ نمبر لکھنا چاہیئے۔ مزید برآں پروفیسر حافظ اللہ یار فریدی صاحب نے سارے اردو ترجمہ کے مسودہ پر ایک مرتبہ نظر ثانی کی ہے۔

یہ صرف چھبیس [۲۶] مکتوبات کا اردو ترجمہ ہے۔ ان میں سے بعض مکتوبات مختصر مضامین پر مشتمل ہے اور بعض بیحد طویل مباحث کا احاطہ کئے ہوئے ہیں۔ یہ طویل مکتوبات رسائل کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بیشتر مکتوبات سوالاً جواباً ہیں وہ اس طرح کہ کسی مرید نے کوئی خاص مسئلہ دریافت کرنے کی غرض سے کوئی خط لکھا تو آپ نے بطورِ مرشد اس کا شافی ووافی جواب بذریعہ مکتوب دیا۔ چنانچہ سوال، جواب، فائدہ، اعتراض کے عناوین بالعموم قلمبند کئے گئے ہیں۔ بعض مقامات پر گرامر اور لغوی واصلاحی مباحث کا اندراج بھی نظر آتا ہے۔ صاحبِ مکتوبات نے مسلکِ اہلِ سنّت وجماعت کے عقیدے کے مطابق مختلف مسائلِ شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت پر عالمانہ اور محققانہ انداز میں بحث کی ہے اور بعض علمائے سُو اور صوفیائے خام کی خوب خبر لی ہے اور ان کے ناپسندیدہ افعال اور عقائد پر برملا تنقید کی ہے۔

مضامین ومطالب اور محتویات کے لحاظ سے ان مکتوبات میں تلاوت کے آداب، ارکانِ اسلام، صوم وصلوٰۃ وحج وزکوٰۃ۔ توکل کے مدارج۔ وظائف ونوافل اور ذکر وفکر، مشائخ چشت، اہلِ بہشت، پیری مریدی کے ثبوت میں آیاتِ قرآنیہ، احادیثِ نبویہ اور اقوالِ قدسیہ، سماع، آدابِ سماع، حضرت شفیع معظم صلی اللہ علیہ وسلم کا شجرۂ نسب

آباء و اجدادِ رسولِ معظم ؐ کے اسمائے مبارکہ، صلوٰۃ و سلام، رسولوں نبیوں کی تعداد، انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا اور اُن کے نام کی نذر ماننا، قطب، قطب مدار، قطب عالم، قطب ارشاد، قطبِ ولائت، قطبِ اقلیم، ابدال، نجبا، نقبا، پیری مریدی کے آداب، ذکر کے آداب، چلہ کشی کے آداب و شرائط وغیرہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اکثر مضامین و مباحث اور مسائل و فضائل کتبِ تواریخ، تفاسیر، احادیث، فقہ، تصوف اور عرفان کے حوالے سے نقل کئے گئے ہیں۔ یہ امر صاحبِ مکتوبات کے وسیع مطالعہ اور مشاہدہ کی دلیل ہے۔ طوالت سے بچنے کے لئے کتب و تصانیفِ حوالہ کے نام یہاں درج کرنے سے اجتناب کیا جاتا ہے۔

مکتوباتِ مہارویؒ کے بعض مطالب آپ کی تالیف مخزنِ چشت کے ساتھ قابلِ مقابلہ ہیں مثلاً چودہ سلاسلِ طریقت کا ذکر اور مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ کے حوالے سے حمد کی تعریف ہر دو کتابوں میں تھوڑے بہت اختلاف سے بیان کی گئی ہے۔ البتہ مخزنِ چشت میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور مکتوبات میں قدرے تفصیل کو ملحوظِ خاطر رکھا گیا ہے۔

مکتوبات میں سے پُر از معلومات، دلچسپ اور مفید دو مختصر سے اقتباسات برکت کی خاطر درج کئے جاتے ہیں تاکہ قارئین کو خواجہ مہارویؒ کے طرزِ نگارش کا اندازہ ہو سکے:

مکتوب ۲۳ میں مرقوم ہے:

"امام احمد نے حضرت ابو امامہ سے اور حاکم نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپؐ نے ۳۱۳ بتائی۔ اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ اولوالعزم رسول چھ ہیں: آدمؑ، نوحؑ، ابراہیمؑ، موسیٰؑ، عیسیٰؑ اور سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ ان سب میں افضل ہمارے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ہیں جن کی فضیلت میں دلائل و براہین بکثرت موجود ہیں ..."

مکتوب ۲۴ میں لکھا ہے:

"جاننا چاہئے کہ سید محمد بن جعفر مکی حسینی خلیفہ خاص حضرت شیخ المشائخ نصیر الدین چراغ دہلویؒ اپنی کتاب بحر المعانی میں فرماتے ہیں: قطبِ عالم زمانے میں ایک ہوتا

ہے کہ اُس کے وجودِ مسعود کے طفیل ساری مخلوقات دُنیاوی اور اُخروی کا وجود قائم دائم رہتا ہے (قطب لغت میں چکّی کی کیل کو کہتے ہیں جس پر تمام چکّی کا مدار ہے)۔ چنانچہ اگر قطب دُنیا میں نہ ہوں تو انتظامِ عالم تباہ و برباد ہو جائے۔ ...“

یہ مجموعۂ مکتوبات چشمۂ فیوض و برکات اور مخزنِ رشد و ہدایات ہے۔ اس میں ایک طرف حقائق و معارفِ شرعیہ کے دریا بہہ رہے ہیں۔ اور دوسری طرف اسرارِ الٰہیہ و انوارِ قدسیہ کے بیش بہا خزینے دفن ہیں۔ مترجم نے ان خزینوں اور دفینوں کو برآمد کرنے کی مقدور بھر کوشش کی ہے۔ مکتوبات کی عام زبان سلیس فارسی ہے جو ہر قسم کی پیچیدگیوں سے پاک صاف ہے۔ خواجہ مہارویؒ نے اسے آیات و احادیث اور اقوال و اشعار سے خوب مزیّن کیا ہے۔

---

راقم الحروف احقر اختر چیمہ نے پیشتر ازیں خواجہ امام بخش مہارویؒ کے علمی مقام کی شناخت کے لئے درج ذیل کام انجام دیئے ہیں:

۱۔ تعارفِ مخزنِ چشت خواجہ امام بخشؒ کے نام سے ایک کتابچہ ترتیب دیا جسے چشتیہ اکادمی فیصل آباد نے ۱۹۸۸ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔

۲۔ مخزنِ چشت تالیف خواجہ امام بخش مہارویؒ کے مکمل اُردو ترجمہ پر دیباچہ لکھا جو چشتیہ اکادمی فیصل آباد کے توسل سے ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔

۳۔ ”نگاہی بہ کتابِ مخزنِ چشت کے عنوان سے فارسی مقالہ لکھ کر فصلنامہ دانش اسلام آباد شمارہ: ۱۳ میں بہار ۱۳۶۷ ش میں چھپوایا۔

۴۔ ”تذکرہ مخزنِ چشت کا جائزہ“ مضمون تحریر کر کے ماہنامہ ضیائے حرم لاہور جلد ۲۳ شمارہ: ۱۰ ماہ اکتوبر ۱۹۹۲ء میں طبع کرایا۔

۵۔ پاکستان میں فارسی ادب، از ڈاکٹر ظہور الدین احمد۔ ادارہ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب لاہور ۱۹۹۰ء — جلد پنجم انگریزی عہد ۱۸۴۹ء تا ۱۹۴۷ء کے شعراء و مصنفین میں خواجہ امام بخشؒ کو بھی شامل کرایا۔

۶۔ مخزنِ چشت کا مکمل اُردو ترجمہ چھپنے پر گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں شعبۂ فارسی کے توسط سے تقریبِ رُونمائی کا اہتمام کیا جس میں پاکستانی اور ایرانی سکالروں نے مقالے پڑھ کر کتاب، صاحبِ کتاب اور مترجم پروفیسر افتخار احمد چشتی صاحب کو خراجِ عقیدت پیش کیا۔

خواجہ امام بخش مہاروی رحؒ کی جُملہ تصانیف میں سے گلشنِ ابرار (اُردو ترجمہ موسوم بہ حدیقۃ الاخیار) اور مخزنِ چشت کے اُردو تراجم پہلے شائع ہو چکے ہیں۔ اور مکتوبات کے ترجمہ کی خاطر خواجہ کریم بخش مہاروی رحؒ صاحب کی کوششیں بار آور ثابت ہُوئی ہیں۔ اُنہوں نے اپنے مُرید پروفیسر غوثوی صاحب کی وساطت سے ان کا ترجمہ کروایا اور پروفیسر چشتی صاحب مدظلہ العالی کو اشاعت کی ذمہ داری سونپی جسے اُنہوں نے بڑی خُوش اسلوبی کے ساتھ سرانجام دیا اور ناچیز کو دیباچہ لکھنے کی سعادت عطا فرمائی۔

عرض کروں کہ بندہ کے دِل و دماغ میں مکتوباتِ مشائخ کے اہم اور وسیع موضوع پر تحقیقات کی بات ایک عرصہ سے جاگزین تھی کہ کسی محقق کو مضبوط اعصاب کے ساتھ اِس موضوع پر تحقیق کے لئے کمربستہ ہونا چاہیئے۔ چنانچہ راقم الحروف نے اپنی اِس تحریر میں مکتوب نگار مشائخِ کرام کے نام جمع کر کے ایک ہلکی سی جھلک دکھا دی ہے۔ اللہ کرے اَب کوئی مردِ مجاہد اُٹھے اور مُخلصانہ کاوش و جستجو کے ساتھ فارسی کے صُوفیانہ مکتوبات کے مخطوطات اور مطبوعہ نُسخہ جات کی مدد سے بہ اَحسن طریق اس کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔

آخر میں بندہ چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد کے سرپرست اور مُعاونین کی خدمت میں اس کارِ خیر کو انجام دینے اور ایک گمنام کتاب کو متعارف کروانے پر مُبارکباد پیش کرتا ہے اور دُعاگو ہے کہ خُداوند تعالیٰ انہیں توفیقِ مزید سے نوازے۔

آمین ثم آمین

# تعارف

از: پروفیسر منظور حسین سیالوی، ایم اے،
شعبۂ عربی، گورنمنٹ کالج، فیصل آباد

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مکتوبات و ملفوظات کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی خود دینِ اسلام کی۔ ہر دور میں مسندِ ارشاد پر فائز اربابِ شریعت و طریقت نے اسلام کی تبلیغ، تعبیر اور تشریح کے لئے دوسرے وسائل کے ساتھ ساتھ مکتوبات و ملفوظات سے استخدام کیا۔ لہٰذا ان کی دینی اور علمی اہمیت و افادیت مُسلّم ہے، جس میں اختلافِ رائے کی گنجائش نہیں۔

تصوف کے تمام سلاسل اور بالخصوص سلسلۂ عالیہ چشتیہ کا یہ امتیاز ہے کہ ہر خانقاہ کا صاحبِ سجادہ علومِ ظاہری و باطنی اور کردار و عمل میں اپنے پیش رو کا نعم البدل ثابت ہوا، جس سے اِس خانقاہ کے علمی اور روحانی فیوضات کا تسلسل قائم رہا۔

اِن مردانِ صدق و صفا نے اپنے سوزِ باطنی سے ایمان و ایقان کی ایسی شمعیں روشن کیں، جن سے تاریک دلوں میں نورِ حق کے فانوس روشن ہوئے۔ اِن روشن ضمیر بزرگوں کی خانقاہیں تہذیبِ اخلاق اور تزکیۂ نفس کی تربیت گاہوں کے علاوہ علومِ ظاہری کے مُفید ادارے تھے۔ اِس ضمن میں قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت خواجہ میاں نور جہانیاں محمودی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ تک کے سلسلۃ الذہب کی مثال ضرب المثل کا درجہ رکھتی ہے

زیرِ نظر مکتوبات شریفہ حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے علمی و رُوحانی فیوضات ہیں۔ مسودہ کی کتابت پر نظرِ ثانی کی غرض سے مجھے بالاستیعاب مطالعہ کا شرف حاصل ہوا ہے۔ یہ مکاتیب شریفہ جہاں مُصنف کے تبحرِ علمی اور تفوقِ رُوحانی کے آئینہ دار ہیں، وہاں عالمِ اسلام میں بالعموم اور برصغیر میں بالخصوص درپیش علمی اور اعتقادی مسائل کا خوب صورت تجزیہ اور حقیقت پسندانہ حل بھی ہیں۔

مُصنف موصوف نے اُمتِ مُسلمہ کی عملی کوتاہی اور اعتقادی کمزوری کی تشخیص فرما کر قرآنِ مجید، حدیث پاک، آثارِ صحابہ، اقوالِ اولیاء اللہ، لُغت اور تاریخ سے جو علاج تجویز فرمایا ہے، اس سے معتقدات میں پائی جانے والی تشکیک بھی ختم ہو سکتی ہے اور اسلام کے گلشنِ عمل میں بہار بھی لوٹ آئے گی۔ ملتِ اسلامیہ کو علمی مغالطوں کے گرداب سے نکالنے کے لئے ان مکتوبات کی اشاعت وقت کا اہم تقاضا ہے۔

مُصنف موصوف کی تحریر میں قرآن و حدیث سے استشہاد کے علاوہ اقوالِ صُوفیاء، عربی، فارسی اور اُردو کے اشعار کا برمحل استعمال آپ کے علمی اور ادبی ذوق پر شاہدِ عادل ہے۔ تفہیم مسائل کے لئے حکیمانہ اسلوبِ تحریر آپ کی مُبلغانہ بالغ نظری کا بیّن ثبوت ہے مسلکی اور اعتقادی اختلاف کے باوجود مخالفین کے لئے معتدل اور محتاط زبان کا استعمال آپ کی مذہبی رواداری اور خیر خواہی کا واضح ثبوت ہے مختصراً یہ نادر علمی دستاویز ہمارے دینی ادب میں ایک مفید اور ناگزیر اضافہ ہے۔ اللہ کریم اس "کیمیائے سعادت" کی اشاعت میں کسی طرح بھی تعاون کرنے والوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مَیں نہایت عاجزی سے بارگاہِ ذُوالجلال والاکرام میں بدست بدعا ہوں کہ مولا! آسمانِ علم و حکمت کے آفتاب و ماہتاب، ورثۃ الانبیاء، ہمارے اسلاف صالحین کی مسانید پر فائز بزرگوں کو توفیق عطا فرما کہ وہ اپنے آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چل کر اسلام کی نشاۃِ ثانیہ میں اپنا روائتی کردار ادا کریں کیونکہ تمام خوش عقیدہ عقیدت مندوں کی نگاہیں خانقاہوں پر اور شاہینوں کے نشیمن پر متصرف صاحبانِ سجادہ پر مرکوز ہیں ؎

ایں دُعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

# عرضِ مُرتّب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

تبلیغ اسلام اور نفاذِ شریعت کا اہم فریضہ جس مؤثر اور دلنشیں انداز میں مشائخ چشت نے انجام دیا۔ وہ تاریخ اسلام کا اہم ترین باب ہے۔ مشائخ چشت میں قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو اہم مقام حاصل ہے۔ صاحب مناقب المحبوبین نے لکھا ہے کہ "سب سے پہلی شخصیت جس نے حضرت بابا فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد اس ملک پر اپنا سکہ جمایا، حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ تھے۔ اس آفتابِ جہاں تاب کے فیض سے ہزاروں ذرّے آفتاب کی مانند نمایاں ہوئے۔ چاروں طرف آپ کے خلفاء پھیل گئے اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے سامنے دیگر سلاسل کی رونق اس طرح کم ہوگئی جیسے آفتاب کے سامنے ستاروں اور چراغوں کی روشنی ماند پڑ جاتی ہے۔"

حضرت قبلۂ عالمؒ کے وصال (۳ ذوالحجہ ۱۲۰۵ھ) کے بعد آپ کے سجادگانِ عالی مقام اور آپ کی اولادِ ذی وقار نے بھی دین و سلسلہ کی تبلیغ و اشاعت کا فریضہ کماحقہٗ انجام دیا۔ آپ کے خاندانِ ذی شان میں آپ کے پڑپوتے حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کو علم و فضل اور سلوک و معرفت میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ مخدومی حضرت میاں نور جہانیاں محمودیؒ مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مخزنِ چشت۔ اردو ترجمہ کے "دعائیہ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "خواجہ امام بخش مہارویؒ رشتہ کے اعتبار سے قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہارویؒ کے صاحبزادے خواجہ نور احمد مہارویؒ کے پوتے ہیں۔ اس نسلی و معنوی تعلق کے علاوہ لاریب و بلا مبالغہ آپ عالمِ بے مثال، فاضلِ جلیل اور صوفیٔ کامل ہیں۔"

حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ کی تصانیف خمسہ میں سے دو تصانیف گلشنِ ابرار

اور مخزنِ چشت کے اُردو تراجم حضرت میاں نورجہانیاں محمودیؒ مہارویؒ (سجادہ نشینِ ہشتم درگاہِ مُعلّی قبلۂ عالم خواجہ نورُ محمد مہارویؒ) کی زیرِ نگرانی و سرپرستی شائع ہو چکے ہیں۔

مکتوبات، حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ کی تیسری تصنیف ہے، جس کا اُردو ترجمہ مکتوباتِ مہاروی کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔

خواجہ امام بخش مہارویؒ کا وصال ۲۰ صفر ۱۳۰۰ھ کو ہوا۔ مکتوبات یقیناً ۱۲۰۰ھ میں تحریر کئے گئے۔ اس حساب سے تقریباً دو سو سال بعد ان کا اُردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ اس اُردو ترجمہ کا تمام اجر و ثواب حضرت میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاۃ کو جاتا ہے۔ کیونکہ آغازِ ترجمہ سے اختتامِ طباعت تک کے تمام مراحل آپ ہی کی ظاہری و باطنی نگرانی و سرپرستی میں انجام پذیر ہوئے ہیں۔

چند سال قبل آپ کا ارادہ ہوا کہ مکتوبات کا اُردو ترجمہ شائع کیا جائے۔ آپ نے اپنے ذاتی کُتب خانہ کے خطی نسخہ کو اُردو ترجمہ کے لئے، اپنے والدِ گرامی حضرت خواجہ محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ارادت مند، پروفیسر محمد عبدالغفور غوثوی صاحب کے سپرد کیا۔ انہوں نے نہایت عقیدت و محنت سے اُردو ترجمہ کیا۔ پروفیسر حافظ اللہ یار صاحب فریدی نے اس ترجمہ پر نظرِ ثانی کی۔ اس کے بعد جناب حاجی صاحب دامت برکاۃ نے یہ مسودہ اس خادم الفقراء کو کتابت، طباعت اور اشاعت کے لئے عطا فرمایا۔

خاکسار نے کتابت کروانے کے بعد یہ مسودہ آپ کی خدمت میں مہار شریف بھیج دیا تاکہ آپ خود اس کتابت شدہ مسودہ کو دیکھ لیں اور ترجمہ و کتابت کی غلطیاں لگا کر مناسب اصلاح فرما دیں۔ چنانچہ آپ نے مناسب ترمیم و اصلاح کے بعد مسودہ واپس ارسال فرمایا۔ آپ کی اجازت سے جناب پروفیسر منظور حسین صاحب سیالوی نے بھی نظرِ ثانی کی اور آخر میں جناب پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب نے اصلاح کے ساتھ ساتھ چند نہایت قیمتی مشورے بھی عطا کئے۔

ان تمام مراحل سے گزرنے کے بعد اس ترجمہ کو شائع کیا جا رہا ہے اور اہلِ علم و عرفان کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ اس حقیقت کا اعتراف ضروری ہے کہ اس

کارِ خیر کے آغاز سے لے کر آخر تک شیخِ کریم جناب حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاۃٗ نے بے حد کرم فرمایا۔ ہر مرحلہ پر بذریعہ خط و کتابت راہ نمائی فرمائی۔ صاحبِ مکتوبات کے احوال و مناقب ارسال فرمائے اور ان کی تصانیف کا مختصر تعارف بھی عطا کیا، جنہیں اِس کتاب کے حصہ سوم میں شامل کیا جا رہا ہے۔ دُعائیں تو بے حد و حساب دیں۔ یہ کتاب درحقیقت جناب حاجی صاحب دامت برکاۃٗ کی آرزو، توجہ، رہنمائی، فیضان، مُعاونت اور سرپرستی سے ہی مکمل ہوئی ہے۔

اِس اعتراف کے پیشِ نظر یہ خاکسار اِس کتاب "مکتوباتِ مہاروی" کو جناب حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاۃٗ کی خدمتِ عالیہ میں بصد عجز و نیاز پیش کرتا ہے:

گر قبول افتد زہے عزّ و شرف!

خادم الفقراء

اِفتخار احمد چشتی محمد علی سلیمانی عفی عنہ

کاشانۂ چشتیہ، فیصل آباد، پاکستان

حضرت عقبہ بن عامرؓ نے پوچھا
"جنّت کا ذریعہ کیا ہے؟

فرمایا

- اپنی زبان قابو میں رکھ۔
- بلا ضرورت گھر سے نہ نکل۔
- اپنے گناہوں پر آنسو بہا۔

(از مرتب)

خطی نسخہ کے اوراق
بطور تبرک

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

ستایش بی نهایت مر احدی را که از گوناگون مخلوقات و از
بوقلمون موجودات نوع انسان را بنوازش کامله خویش فی
احسن تقویم پیدا ساخته و از عنایت شامله از حد بیش بهدایت
صراط المستقیم نواخته و وجودش را بخلعت خلافت انی جاعل
فی الارض خلیفه و سرش را باکلیل کرامت و لقد کرمنا بنی آدم
افراخته و از کمال لطف و کرم به نعمت الانسان مرآة الرحمن
والانسان سری و انا سره پرداخته بیت چو انسان جامع اسما برآمد
گرامی گوهر از دریا برآمد. پس زبان بی زبان و کلک قاصر البیان رحمت
فراوان و مرحمت بی پایان آن ذی الامتنان را بکدام شرح و بیان
بحیز تحریر و حیطه تقریر آرد. فرد من شکر چنین کنم که همه نعمت توام

بنعت چگونه شکر کند بر زبان خویش بیت وصفت چگونه کند زبان عاجز
برتر شده ز وهم و ادراک درود نامحدود بر محمود حمید که باعث ایجاد
کائنات است و علت غائی جمیع ممکنات که لولاک لما خلقت الافلاک
ولولاک لما اظهرت الربوبیة شان اوست. فرد محمد گر نبودی کس نبودی
نبودی هر دو عالم را وجود. و صلی الله علی نور کز و شد نورها پیدا
زمین از حکم او ساکن فلک از عشق او شیدا. اگر نام محمد را نیاوردی شفیع
آدم. نه آدم یافتی توبه نه نوح از غرق نجینا. و مدح حضور پاک صاحب
لولاک کوه قاف را البرز سودن است و ریگ بیابان را بمکیال
پیمودن. سوی تو نقش زهی سیر تو مشرف بتاج لولاکی. طفیل تست مغز چه نوری و
چه خاکی. ظهور کرد چو نورت بکسوه آدم. شدند ساجد تو ساکنان افلاکی
عروج کرد چو نورت معارج افلاک. ملائکه همه کردند میل فتراکی. ز شرح
صدر تو آمد عیان الم نشرح. ز وصف حسن و جمال تو ما عرفناک. بیا ای کلبه
احزان من بلطف و کرم. که بی تو میگذرد روز و شب بغمناکی. ثنای حسن و
جمالت چه میکند عاجز. که برترست ثنایت ز حد ادراکی. و بر آل

تعارف
صاحبِ مکتوبات
و
نگرانِ مکتوبات

# خواجہ امام بخش مہاروی رحمتہ اللہ علیہ کی تصانیف

مکتوبِ گرامی جناب میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاۃ

"جناب نے خواجہ امام بخش صاحبؒ کی تصانیف کی تواریخِ تصنیف کے متعلق لکھا ہے۔ کتابوں پر درج تواریخ حسبِ ذیل ہیں:

## گلشنِ ابرار:

گلشنِ ابرار پر منظوم تاریخِ تصنیف نقل شدہ لفِ ہذا ہے:

کہ اینک نسخۂ محبوب و منقول
شدہ از دستِ ایں بیچارہ مکتوب
بہ احوالِ مشائخ با صفائے!
کہ ہر یک بود حق را راہنمائے
چوں نامش گلشنِ ابرار کردم
برائے شائقاں گلزار کردم
چو از تسویدِ رقمش باز گشتم
بتاریخش تفکر ساز گشتم
خرد چوں دید گلزارِ شگفتہ
درو گلہائے گوناگوں شگفتہ
بدیدارش شدہ پُر فرح و مسرور
بگفتا گلشنِ ابرارِ مبرور

(۱۲۸۳ھ / ۱۲۸۴ھ)

گلشنِ ابرار کا اردو ترجمہ بسعیِ مشکور برادرم خواجہ نور جہانیاں صاحب مرحوم

دو ہزار کی تعداد میں چھپا تھا۔ پھر نہیں چھپا۔ بعد میں کچھ حصہ گلشنِ ابرار کا،
برادرم صاحبِ موصوف مرحوم نے پھر چھپوایا تھا۔

## دیوانِ عاجز:

فارسی نسخہ کوئی بھی نہیں چھپا، سوائے دیوانِ عاجز کے۔ مگر دیوانِ مطبوعہ
اور قلمی دونوں پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے۔ مطبوعہ پر آخر میں یہ تحریر درج ہے:

"حسب الفرائش عالیجاہ قادر حسن خاں، مہتمم دفتر محکمہ چیف انجنیئر و
معتمد تعمیراتِ عامہ، سرکارِ آصفیہ، حیدر آباد دکن۔"

(مکتوبات (زیرِ ترتیب اُردو ترجمہ مکتوبات) کے شروع میں لکھنے کے لئے
چند اشعار دیوانِ عاجز سے نقل کئے گئے ہیں۔ اِن میں سے لکھوا دیں تو مناسب
رہے گا۔)

## مکتوبات:

مکتوباتِ شریف کا قلمی نسخہ دُعاگو کے پاس ہے۔ اس کی تاریخ کتابت
"بوقتِ ضحیٰ بروز جمعہ پانچ ذیقعد ۱۳۱۱ھ بقلم فخر الدین" تحریر ہے۔ مصنف کا دستی
تحریر کردہ نسخہ نہیں ہے۔

دُعاگو

**کریم بخش مہاروی**

(نومبر ۱۹۹۴ء)

(نوٹ: حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ کی دیگر دو تصانیف مخزنِ چشت اور
پنج گنج کے بارے میں آپ نے اس مکتوبِ گرامی میں تحریر نہیں فرمایا۔ مرتب)

## صاحبِ مکتوبات

# حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

از حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کا نسب نامہ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نُور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے لے کر آج تک حسبِ ذیل ہے۔

حاجی کریم بخش بن خواجہ محمد غوثؒ بن خواجہ محمد عارفؒ بن خواجہ کریم بخشؒ بن خواجہ امام بخشؒ بن خواجہ غُلام فریدؒ بن خواجہ نور احمدؒ بن حضرت قبلۂ عالم خواجہ نُور محمد مہارویؒ۔

خواجہ محمد عارفؒ کے تین فرزند حسبِ ترتیب یہ تھے۔ خواجہ محمد غوثؒ۔ حافظ غلام نُور محمدؒ اور حاجی غلام فریدؒ۔ خواجہ محمد غوثؒ کے فرزندان کریم بخش و غلام رسُولؒ ہیں۔ حافظ غلام نُور محمدؒ کے فرزند غلام دستگیر ہیں۔ اور حاجی غلام فریدؒ کے فرزند محمد ناصر ہیں۔

کریم بخش کے فرزندان محمد سعید، محمد مسعود، محمد اجمل اور محمد ظفر ہیں۔ غلام رسُول صاحب کے فرزند محمد فیض، محمد عارف اور محمد خالد ہیں۔ غلام دستگیر صاحب کے فرزندان محمد اکرم، امام بخش، احمد حسن اور خضر حسن ہیں۔ محمد ناصر صاحب کے فرزند غلام فرید ہیں۔

خواجہ امام بخش صاحبؒ کا علمی تبحر محتاجِ بیان نہیں۔ ان کی تصانیف ہی اس کے لئے کافی و وافی ہیں۔ آپ کی پانچ عدد تصانیف ہیں، جو کہ دُعا گو کے علم میں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ کوئی اور تصنیف بھی ہو، جس کا علم نہ ہو۔

۱۔ گلشنِ ابرار۔ جو کہ حضرت قبلۂ عالمؒ صاحب، اُن کی اولاد و خلفاء کی سوانح اور اُن کے ملفوظات پر مُشتمل ہے۔

۲۔ مخزنِ چشت۔ جو کہ سلسلۂ چشتیہ کے حضرات کے کوائف و درجات پر مُشتمل ہے

۳۔ مکتوبات۔ جس میں آج کل کے عُلماء کے مختلف فیہ مسائل کے جوابات قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھے گئے ہیں اور کہیں کہیں وحدۃ الوجود پر بھی روشنی ڈالی گئی

ہے۔ جس کا طریقۂ تحریر اس طرح ہے کہ شیخ کی خدمت میں سوال نامہ لکھا گیا ہے اور شیخ کی طرف سے اس کا جواب لکھا گیا ہے۔ جو کہ فارسی میں ہے۔

۴۔ دیوانِ عاجز۔ جو منظوم کلام کا مجموعہ ہے۔ آپ کا تخلص عاجز تھا۔ اور یہ حمد و ثناء کے علاوہ حبِّ اللہ و حبِّ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور وحدت الوجود پر مشتمل ہے۔ آخر میں سلسلۂ چشتیہ بھی منظوم ہے۔

۵۔ پنج گنج۔ جو حضرات سلسلۂ چشتیہ کے خمس الاوقات اوراد پر مشتمل ہے اور سالکین کی رہبری و سہولت کے لئے لکھی گئی ہے۔

راقم نے اپنے بزرگان سے سنا ہے کہ آپ کا طریقۂ تصنیف اس طرح ہوتا تھا کہ رات کو صلوٰۃ و طعام کے بعد آرام فرماتے تھے۔ کچھ دیر آرام کرنے کے بعد بیدار ہوتے اور اہلیہ سے فرماتے "کریم بخش کی والدہ دیا روشن کرو" وہ نیک بخت خاتون دیا روشن کر کے ہاتھ میں تھامے رہتی اور آپ تحریر فرماتے رہتے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر محوِ خواب ہو جاتے۔ کچھ وقت آرام کے بعد پھر دیا جلانے کی فرمائش ہوتی اور کتاب تحریر ہوتی اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری رہتا۔

دن کو وظائف اور ضروری کاروبار اور عوام الناس سے میل جول کا سلسلہ رہتا۔ حضرت والدم صاحب سے مذکور ہے کہ اسمِ ذات کا وِرد اس کثرت سے فرماتے تھے کہ کوئی وقت خالی نہ جاتا اور جب ضرورتِ بشری کے لئے تشریف لے جاتے تو زبانِ مبارک کو ہاتھ سے پکڑے رہتے تاکہ ناپاک جگہ پر اسمِ ذات کا ورد نہ ہو۔

خواجہ غلام فرید صاحبؒ آپ کے والد بھی تھے اور رہبر بھی کہ حضرت محبوب اللہؒ سے انہیں کے ذریعہ آپ کو نعمتِ باطنی ملی۔ مگر جب خواجہ غلام فرید صاحبؒ حلقۂ احباب میں جلوہ افروز ہوتے اور خواجہ امام بخش صاحبؒ احتراماً والد صاحب کی پشت کے پیچھے آکر تشریف رکھتے تو خواجہ غلام فرید صاحبؒ بوجہ ضعفِ پیری اور متورم پاؤں کے احباب سے فرماتے کہ "یارو میری پیٹھ پھیر دو۔ میاں صاحب کو میری پیٹھ ہو رہی ہے" باپ بیٹے کا اس قدر احترام فرماتے تھے لیکن یہ نہ فرماتے کہ بیٹا میری پیٹھ پیچھے کیوں

بیٹھے ہو۔ اِدھر آکر سامنے بیٹھو۔

والدؒ صاحب سے نقل ہے کہ آپ کے فرزند خواجہ کریم بخش صاحبؒ سخت بیمار ہو گئے۔ علاج وغیرہ غیر مؤثر ثابت ہُوا۔ ادھر حضرت محبوب اللہ صاحبؒ کے عُرس مُبارک کی تاریخ آن پہنچی۔ تو آپ نے بَیل گاڑی تیار کی اور اس پر گدّے وغیرہ ڈال کر بیمار بیٹے کو سوار کیا اور حاضریِ عُرس کے لئے عازمِ خیر پُور شریف ہُوئے۔ چند دِنوں میں سفر طے ہُوا۔ اَپنے پیرو مُرشد کی بارگاہ میں حاضری دی۔ علاقہ مظفر گڑھ کا رہنے والا حکیم اللہ بخش صاحب بھی ہمیشہ عُرس مُبارک پر حاضری دیتا تھا۔ وہ آکر قدم بوس ہُوا۔ تو آپ نے حکیم صاحب کو فرمایا کہ حکیم صاحب عزیزم کافی تکلیف میں ہے اس کا علاج کرو۔ حکیم صاحب نے عرض کیا کہ حضور اپنے شیخ سے اجازت لے دیں تو علاج کروں گا۔ وَرنہ مُعاملہ نازک ہے۔ مَیں مُعافی چاہتا ہُوں۔ آپ دوبارہ بارگاہِ شیخ میں حاضر ہُوئے اور واپس آکر فرمایا کہ حکیم صاحب اجازت مل گئی ہے۔ علاج شروع کرو۔

چنانچہ حکیم صاحب نے خواجہ کریم بخش صاحبؒ کے لئے مُسہل تجویز کیا۔ اس کے استعمال سے خاطر خواہ نتیجہ برآمد ہُوا۔ حکیم صاحب کا حوصلہ بندھ گیا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ صاحبزادہ صاحب اگر بھوک لگی ہے تو فرمائش کرو کیا کھانا چاہتے ہو۔ خواجہ کریم بخش صاحبؒ نے کہا کہ حکیم صاحب کیا فرمائش کروں، تم کون سا مُرغ پلاؤ کھلاؤ گے۔ حکیم صاحب نے مُرغ پلاؤ تیار کرایا۔ اور آپ کو کھلایا۔ اور دورانِ عُرس مُبارک علاج ہوتا رہا۔ عُرس شریف ختم ہُوا۔ رُخصت ہو کر گھر کو روانہ ہُوئے۔ خواجہ کریم بخش صاحبؒ واپس گھوڑے پر سوار ہو کر گھر تشریف لائے۔ جب باپ بیٹا اندرونِ خانہ تشریف لائے تو خواجہ امام بخش صاحبؒ نے اپنی اہلیہ کو فرمایا کہ مُبارک ہو تمہارا بیٹا شفایاب ہو گیا ہے۔ مَیں نے اپنی عُمر کے بیس۲۰ سال اسے دے دیئے ہیں اور ایسا ہی ہُوا۔ آپ کے وصال کے بیس۲۰ سال بعد ۲۲ ربیع الاوّل کو حضرت خواجہ کریم بخش صاحبؒ کا وصال ہُوا

آپ عُرس مُبارک کی تقریب سے فارغ ہو کر رُخصت ہونے سے قبل حسبِ معمول آستانہ عالیہ میں حاضر ہُوئے تو آبدیدہ ہو کر باہر تشریف لائے۔ اُس وقت آپ کے ہمراہ

اور لوگوں کے علاوہ مولوی عمر بخش صاحب بھی تھے، جو خیر آباد کے علاقہ کے رہنے والے تھے اور مہار شریف میں صاحبزادگان کی تعلیم و تربیت کے لئے قیام پذیر تھے۔ اُن سے آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے بھی اگلا مصرعہ نہ پڑھا۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ مجھے تو کچھ معلوم نہیں کہ ماجرا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ سابقہ اعراس پر جب بندہ رخصتی کے لئے حاضر ہوتا تھا تو حضور مخدومی و مرشدی یہ شعر فرمایا کرتے تھے:

بسفر رفتنت مبارک باد

بسلامت روی و باز آئی

اِس دفعہ آپ نے پہلا مصرعہ فرمایا ہے۔ دُوسرا نہیں فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری حاضری ہے۔

حضرت والدم صاحب سے نقل ہے کہ ایک دفعہ خواجہ امام بخش صاحب مظفر گڑھ اور ملتان کے علاقہ سے تبلیغی دَورہ فرما کر گھر تشریف لا رہے تھے۔ ابھی دو تین دن کی مسافت مہار شریف سے دُور تھے کہ رات کو خواب میں حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان کی زیارت ہُوئی۔ آپ نے فرمایا کہ صاحبزادہ صاحب میری طرف آؤ۔ علی الصبح آپ نے فیصلہ فرمایا کہ چونکہ گھر سے حضرت والدہ صاحبہ کی بیماری کی اطلاع آئی ہے۔ اِس لئے بقایا سفر جلد طے کر کے والدہ صاحبہ کی خدمت میں حاضری دی جاوے اور بعد ازاں عازم تونسہ شریف ہونا چاہیئے۔ اسلیئے آپ نے وہ دن بھی گھر کی طرف سفر میں گزارا۔ دوسری شب پھر حضرت پیر پٹھان کی زیارت ہُوئی اور ذرا ناراضگی کا اظہار فرماتے ہُوئے ارشاد ہُوا کہ صاحبزادہ مَیں آپ کو اپنی طرف بلاتا ہُوں اور آپ گھر کی طرف جاتے ہیں۔ چنانچہ علی الصبح خواجہ امام بخش صاحب نے گھر کا ارادہ بدل دیا۔ باقی ہمراہیوں کو گھر بھیج دیا اور خود ایک خادم کو ہمراہ لے کر راہئ تونسہ شریف ہُوئے۔

حضرت صاحب تونسوی کی خدمت میں حاضری دی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ حضرت کی خدمت میں عرض کیا کہ عاجز کے پاس اپنے شیخ کریم کی مُصنّفہ توفیقیہ شریف جو کہ وحدت الوجود میں ہے، ہمراہ ہے۔ حضور براہِ کرم عاجز کو سبقاً پڑھا دیں تو مہربانی ہوگی۔

آپ نے آمادگی ظاہر فرمائی اور درس شروع ہُوا۔ کچھ دِن کے بعد خواجہ امام بخش صاحبؒ بیمار ہو گئے۔ اور اس قدر بیمار ہُوئے کہ اُٹھنے بیٹھنے سے معذور ہو گئے اور نماز بھی اشاروں سے ادا فرماتے تھے۔ تنگر کا حکیم علاج کے لئے آتا رہا۔ مگر افاقہ نہ ہُوا۔ ایک رات آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا دربار لگا ہُوا ہے، حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان صاحب بھی موجود ہیں۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید پوشاک آپ کے سپرد فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ امانت امام بخش کے سپرد کر دینا۔ صبح آپ خواب پر غور فرما رہے تھے کہ حضرت تونسویؒ کی طرف سے خادمِ خاص جوڑا لے کر حاضر ہُوا اور عرض کیا کہ حضور کا حکم ہے کہ آپ غسل فرما کر یہ نیا جوڑا پہن لیں۔ آپ نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب غسل کیسے کروں گا بہت کمزوری ہے۔ خادم نے عرض کیا کہ غلام کو تاکیدی حکم ہے۔ چنانچہ جس طرح بھی ہُوا آپ نے غُسل فرمایا اور جوڑا پہنا۔

آپ فرماتے تھے کہ صُبح کی نماز مَیں نے اشارہ سے پڑھی اور ظہر کی نماز پر پُورے رکوع وسجود کئے اور اسی طرح دو تین دِن میں طبیعت بالکل سنبھل گئی۔ حضرتؒ سے واپسی کے لئے اجازت چاہی تو اجازت مِل گئی۔ جب رُخصتی کا وقت ہُوا تو خواجہ امام بخش صاحبؒ نے عرض کیا کہ غریب نواز آپ تو بوجہ ضعف پیری کے مہار شریف تشریف نہیں لا سکتے۔ مہار شریف میں کچھ مستورات اور بچے ہیں جو حضور کی بیعت کی خواہش رکھتے ہیں اور یہاں بھی حاضر نہیں ہو سکتے۔ ان کے لئے کیا حکم ہے۔ آپ نے اپنا ایک پیراہن منگوایا اور صندل کے پانی میں دستِ مبارک بھگو کر پیراہن مُبارک پر پنجہ ثبت فرمایا اور فرمایا کہ آپ اس کی آستین میں اپنا بازو ڈال کر جس کو بیعت فرماؤ گے، وُہ میری بیعت ہو گا۔ آپ رُخصت ہو کر گھر تشریف لائے اور والدہ کو بخیریت پایا اور اپنے خاندان کے افراد کو بیعت فرمایا، جن میں آپ کے چھوٹے بھائی خواجہ کمال الدین صاحب بھی شامل تھے۔ وُہ پیراہن آج تک موجود ہے۔ حضرت والدمؒ صاحب فرماتے تھے کہ جو نعمت انہیں اپنے شیخ سے ملی تھی، اس کی تکمیل حضرت پیر پٹھانؒ نے فرمائی۔

حضرت عمومیم حافظ غلام نُور محمد صاحب جو کہ فی الحال بقیدِ حیات ہیں سے مروی

ہے کہ خواجہ امام بخش صاحبؒ اکثر حضرت اجمیری غریب نوازؒ کے عُرس مُبارک پر حاضری دیتے رہتے تھے۔ آپ حاضریِ عُرس کے لئے معہ خدام اجمیر شریف کی جانب روانہ ہوئے۔ راستہ میں آپ کو خواب میں حضرت اجمیری غریب نوازؒ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے فرمایا کہ اِس دفعہ آپ سابقہ راستہ چھوڑ کر بچھیرہ کے راستے آئیں۔ آپ کو راستہ میں حضرت حمیدُالدینؒ ناگوری کی اَولاد ملے گی۔ وُہ آپ سے بیعت کی خواہش کریں گے، ان کی بیعت لے لینا۔ اُدھر حضرت ناگوری صاحبؒ کی اَولاد نے اجمیر شریف حاضر ہو کر حضرت خواجہ غریب نوازؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ غریب نواز ہم لوگ کافی تعداد میں بے مُرشد پھرتے ہیں۔ آپ ہماری رہبری فرمائیں کہ ہم کس سے بیعت کریں۔ ان کو بھی حضرت خواجہ غریب نوازؒ نے خواب میں فرمایا کہ پنجاب سے اس شکل کے صاحب میرے عُرس پر تشریف لا رہے ہیں۔ تم اُن کا انتظار کرو۔ جب ان کو پاؤ تو اُن سے بیعت کرو۔

جب خواجہ امام بخش صاحبؒ کسی مقام پر سابق راستہ چھوڑ کر نئے راستہ پر چل نکلے تو خادمِ خاص منشی شیر محمد نے عرض کیا کہ غریب نواز آپ راستہ بھول رہے ہیں راستہ اِدھر ہے۔ آپ چونکہ تسبیح پر کوئی وظیفہ پڑھ رہے تھے۔ درمیان میں کلام نہیں کرتا تھا۔ اِس لئے ہاتھ سے اشارہ کیا اور "ہوں ہوں" کی آواز نکالی۔ یعنی یہی ٹھیک ہے۔ اَور چلتے رہے۔ جب بچھیرہ کے قریب پہنچے، تو لوگ راہ دیکھ رہے تھے، سب گاؤں سے باہر نکل آئے اَور آپ کو مہمان ٹھہرایا۔ سب بیعت ہوئے۔ بعدہٗ آپ عُرس شریف میں جا کر شامل ہوئے۔ اس وقت تک اُس علاقہ کے لوگ آپ کی اَولاد کی بیعت میں چلے آ رہے ہیں۔

حضرت والدمؒ صاحب اَور عمومیم حافظ غلام نُور محمد صاحب سے روایت ہے کہ ایک سال حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب تونسویؒ مع چند حضراتِ نہاروی دہلی شریف لے گئے۔ دہلی کے شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو اُس نے آپ سے استدعا کی کہ کچھ دن لال قلعہ میں غلام کو سرفراز فرمادیں۔ مہاروی حضرات سے سفارش بھی کرائی چنانچہ آپ نے دعوت قبول فرمالی اَور قلعہ میں مع ہمراہیاں تشریف لے گئے۔ باتوں باتوں میں شاہ ظفر نے حضرتؒ سے دریافت کیا کہ مہاروی صاحب کی اَولاد میں اس وقت

بھی کوئی صاحبِ ذی علم و صاحبِ معرفت موجود ہیں کہ نہیں۔ تو حضرت خواجہ اللہ بخش صاحب نے خواجہ امام بخش صاحبؒ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ صاحب ذی علم ہیں، مُصنف بھی ہیں اور شاعر بھی ہیں۔ شاہ ظفر اشعار کا دِلدادہ تھا۔ اُس نے آپ سے کلام سُننے کی خواہش ظاہر کی۔ خواجہ امام بخش صاحب کے ہمراہ دو طالب علم تھے، جو کہ خوش الحان تھے۔ آپ نے اُنہیں حکم دیا کہ فلاں غزل سناؤ۔ جب اُنہوں نے غزل سنائی تو شاہ ظفر بہت محظوظ ہُوا اور کہنے لگا۔

بچۂ بط اگرچہ بیضہ بود

موج دریاش تابسینہ بود

نیز کہا کہ اَلحمدُ للہ مہاروی صاحب کی نسل میں ابھی روشنی باقی ہے۔

حضرت والدمؒ اور چچا نور محمد صاحب سے روایت ہے کہ جب ۲۰ صفر ۱۳۰۰ھ کو حضرت خواجہ امام بخش صاحبؒ کا وصال ہُوا اور آپ کو لحد میں رکھا گیا تو لحد میں رکھنے والے مولوی عُمر بخش صاحب تھے۔ اُنہوں نے آپ کا رُخ مُبارک قبلہ کی طرف متوجہ کیا۔ پھر دیکھا تو رُخ مُبارک مشرقی بجانب حضرت قبلۂ عالم صاحبؒ کے مزار شریف کی طرف پھرا ہُوا تھا۔ اُنہوں نے دوبارہ دُرست کیا۔ آپ پھر مزار شریف کی طرف متوجہ ہو گئے۔ تیسری دفعہ مولوی صاحب نے دُرست کرنے کی کوشش کی تو آپ نے سَر کی جُنبش دے کر منع فرمایا تو مولوی صاحب رُک گئے اور اسی طرح مزار بند کر دی گئی۔ رات کو خواب میں مولوی صاحب کو آپ نے فرمایا کہ مولوی صاحب آپ نے مجھے بہت تکلیف دی ہے۔ جس پر مولوی صاحب نادم ہُوئے۔

آپ کو اندرون درگاہ مُعلّٰی چشتیاں شریف حضرت قبلۂ عالمؒ کے روضہ شریف کے متصل مغربی جانب ان کے والدِ محترم حافظ غلام فریدؒ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔

## صاحبِ مکتوبات

# حضرت خواجہ امام بخش چشتی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

(۱۲۴۲ھ — ۱۳۰۰ھ)

از پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی
صدر شعبۂ فارسی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد

خواجہ امام بخش مہاروی رحؒ اپنے خاندان میں اعلیٰ پایۂ کے صاحبِ علم و فضل، جامع شریعت و طریقت، حاملِ کمالاتِ صوری و معنوی، ادیب و شاعر و سوانح نگار صُوفی مشرب بزرگ ہُوئے ہیں۔ آپ کی تالیفات میں "مخزنِ چشت" کے علاوہ گلشنِ ابرار، برج گنج، مکتوبات اور دیوانِ عاجز قابلِ ذکر ہیں۔ آپ نے "مخزنِ چشت" و "گلشنِ ابرار" کے آخری صفحات پر اپنے مُرشد خواجہ خدابخش مُلتانی خیرپوری کی ذیل میں قدرے اپنے شرح احوال بھی بیان کئے ہیں۔ اپنی پیدائش کا دلچسپ واقعہ اپنے والد ماجد کی زبانی یوں تحریر کیا ہے کہ اُن کی شادی کے کچھ عرصہ بعد حضرت محبُوب اللہ خواجہ خدابخشؒ، حضرت قبلۂ عالمؒ کے عرس کے ایام میں مہار شریف تشریف لائے۔ اور از راہِ شفقت و کمالِ رحمت بغیر مطالبہ کے ایک تعویذ لکھ کر انہیں عطا کیا اور فرمایا۔ اِسے سنبھال کر رکھو۔ انشاء اللہ آپکے ہاں فرزند پیدا ہوگا، اس کے گلے میں باندھ دینا۔ یہ اس کے لئے حرزِ جاں کا موجب ہوگا"۔ چنانچہ کاتب الحروف۔ امام بخش۔ ایامِ عاشورہ میں جُمعہ کے روز صُبح کے وقت ۱۲۴۲ھ کو "زھی بخت ور زاد" مادۂ تاریخی کے مطابق پیدا ہُوا۔ والدِ گرامی نے حسبِ ارشاد تعویذ میرے گلے میں باندھ دیا جس کی بدولت بفضلہ تعالیٰ میں جملہ آفات و حوادث سے مصئون و محفُوظ رہا۔

خواجہ امام بخشؒ نے حضرت خواجہ خدا بخشؒ کے دستِ حق پرست پر اپنے شرفِ بیعت ہونے کا واقعہ اس طرح نقل کیا ہے: "جب نیاز مند کی عمر پانچ سال ہُوئی۔

حضرت خواجہ خدا بخشؒ، حضرت قبلۂ عالمؒ کے عُرس مُبارک کی تقریبات میں شرکت کے لئے موضع تاج سرور تشریف لائے۔ میرے والد ماجد میری رسمِ بسم اللہ کے لئے اور حضرت خیر پوریؒ سے شرفِ بیعت حاصل کرنے کی خاطر مجھے اُٹھا کر اُن کی خدمت میں لے گئے۔ سوموار کا دن ۳ ماہ ذی الحج ۱۲۴۷ھ کہ عُرس مُبارک کی تاریخ اختتام کی تقریب سعید منعقد تھی۔ صدہا اہل اللہ اور ہزارہا عُلما وصلحا اس موقع پر موجود تھے میرے والدؒ نے بندہ کو حضرت قبلۂ عالمؒ کے حضورِ فیض گنجور میں سُلطانِ متوکلان خواجہ محمد سُلیمانؒ کے بالمشافہ حضرت محبُوب اللہ خواجہ خدا بخشؒ کی بیعت سے مشرف فرمایا اور رسمِ بسم اللہ کرائی۔ حضرت خیر پوریؒ نے اس وقت ایک بتاشہ دم کرکے اور اپنے مُنہ کے لعاب سے ترکرکے میرے مُنہ میں ڈالا۔ اور تمام حاضرینِ مجلس نے میری کامیابی اور حصُولِ مطالبِ دارین کے لئے دُعا کی۔ نیازمند کی سات سال کی عُمر میں پھر جب حضرت خیر پوریؒ حضور قبلۂ عالمؒ کے عُرس مُبارک کی رسومات میں شمولیت کے لئے آئے تو تجدیدِ بیعتِ ارادت سے شرفیاب فرمایا اور اپنی بچی ہوئی لسی بطور تبرک عنایت فرمائی۔ اس دن کی برکت ہے کہ میں سخنوری و نکتہ دانی میں ابنائے جنس سے ممتاز ہُوا اور یہ سب حضرت خیر پوریؒ ہی کی تربیتِ معنوی اور توجّہ باطنی کا نتیجہ ہے کہ نیازمند کو شہرت عام و بقائے دوام حاصل ہو گئی ہے وگرنہ "من آنم کہ من دانم"۔

شواہد سے پتہ چلتا ہے کہ خواجہ امام بخشؒ کی صرف آٹھ سال کی عُمر تک، اُن کے پیر روشن ضمیر بقیدِ حیات رہے۔ شگفت آور ہے کہ اُنہوں نے اتنی چھوٹی عُمر میں ہی اس قدر اکتسابِ فیض کرلیا کہ اعلیٰ وارفع روحانی مراتب و درجات پہ فائز ہو گئے۔ آپ اکثر خواب و بیداری میں اپنے مُرشدِ حقیقی خواجہ خدا بخشؒ کی زیارت سے شرفیاب ہوتے اور سلوک و تصوف کے مُعاملات میں اُن سے راہنمائی حاصل کیا کرتے تھے "مخزن ہیبت" و "گلشن ابرار" میں، اس نوع کے متعدد واقعات خود بقلم امام بخشؒ منقول ہیں۔

اس مختصر تذکرہ میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔ البتہ یہ امر، خالی از دلچسپی نہیں ہے کہ ۱۲۶۶ھ میں حافظ غلام فریدؒ نے فرزندِ ارجمند کو جناب قبلۂ عالمؒ کے مزار شریف پر

لے جا کر روضہ کے اندر صورتِ تلقین وارشاد و اجازت خود مرحمت فرمائی اور خرقۂ خلافت وخلعتِ معمولہ کے بارے میں کہا کہ وُہ آپ کو اپنے شیخ سے ملے گا۔ اِس غرض سے آپ کو حضرت خواجہ خدا بخش ؒ کے عُرس پر خیر پُور رَوانہ کر دیا۔ وہاں عبدُالخالق خاں افغان، جو حضرت خیر پُوری ؒ کا راسخ الاعتقاد وصاحبِ نسبت غلام تھا، کی وَساطت سے مزار پر حاضری و بوسہ زنی کے وقت زر کنار لنگی اور قیمتی انگرکھا بہ اشارۂ مُرشد آپ کو پہنایا گیا۔

خواجہ امام بخش ؒ نے خدماتِ عِلمی واَدبی و دینی وعرفانی کی ارزانی کے بعد ۱۳۰۰ھ میں وصال فرمایا اور تاج سَرور میں اندرونِ آستانۂ عالیہ حضرت قبلۂ عالم ؒ، روضۂ مُقدسہ کے متصل مغربی جانب اپنے والدِ ماجد ؒ کے پہلو میں مدفون ہُوئے۔

نگرانِ اعلیٰ ترتیب و ترجمہ مکتوبات شریف

# حضرت الحاج خواجہ میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہٗ

از پروفیسر افتخار احمد چشتی

## شجرۂ نسب:-

حضرت قبلہ حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہٗ کا شجرۂ نسب یوں ہے:

۱۔ قبلۂ عالم حضرت خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۲۔ حضرت خواجہ نور احمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت خواجہ غلام فرید مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۴۔ حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۵۔ حضرت خواجہ کریم بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۶۔ حضرت خواجہ محمد عارف مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۷۔ حضرت خواجہ حاجی محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

۸۔ حضرت خواجہ حاجی کریم بخش مہاروی دامت برکاتہٗ

**ولادت:-** آپ کے والد ماجد کا اسم گرامی حضرت خواجہ محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ علیہ ہے، جن کو اللہ تعالیٰ نے دو فرزند عطا فرمائے۔ بڑے حضرت خواجہ کریم بخش مہاروی دامت برکاتہٗ اور دوسرے میاں غلام رسول مہاروی رحمۃ اللہ علیہ۔ حاجی کریم بخش صاحب کی ولادت باسعادت ۲۸ ذوالحجہ ۱۳۴۵ھ کو ہوئی۔

**تعلیم:-** تعلیم کا آغاز عربی قاعدہ سے کیا۔ دس پاروں تک قرآن پاک کی تعلیم جناب حافظ محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ سے حاصل کی۔ اس کے بعد جناب سید فیض محمد شاہ صاحب

سے پڑھنا شروع کیا۔ قرآنِ پاک ختم کیا اور اردو کی کتابیں پڑھیں۔ اس کے بعد فارسی شروع کی۔ فارسی تعلیم زلیخا اور تحفتہ الاحرار تک حاصل کی۔ صاحب موصوفؒ ہی سے عربی تعلیم کا آغاز کیا۔ ابتدائی عربی تعلیم میں صرف و نحو کی تعلیم شرح ملّا جامیؒ تک حاصل کی۔ فقہ میں کنز الدقائق تک بھی جناب شاہ صاحبؒ سے ہی تعلیم حاصل کی۔

بعد ازاں حضرت مولانا حافظ الٰہی بخش صاحب (ساکن شہر فرید) سے نحو، فقہ، اصولِ فقہ، اصولِ حدیث، ادب اور معانی کی تعلیم تکمیل کی حد تک حاصل کی۔ تفسیر جلالین شریف اور مشکوٰۃ شریف بھی صاحبِ موصوف سے پڑھیں۔ بعدہٗ حضرت مولانا محمد امیر صاحب مدظلہ العالی (ساکن چیلا واہن) سے دورۂ حدیث کیا اور بقایا کتب کا استفادہ بھی کیا۔

## دستار بندی :۔

اِن علوم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے سالانہ عُرس کے مبارک موقع پر ۸ ذوالحجہ کو پہلی محفل میں ختم سماع سے قبل مولانا حافظ الٰہی بخش صاحب نے آپ کی دستار بندی کی۔ حضرت میاں نور جہانیاں محمودی مہاروی رحمۃ اللہ علیہ نے خطبۂ اعزازیہ پڑھا۔ حضرت میاں صاحبؒ اُس وقت ابھی سجادہ نشین نہیں بنے تھے۔ اُس وقت درگاہِ معلّٰی کے سجادہ نشین حضرت خواجہ محمود بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

## بیعت و خلافت :۔

آپ کی بیعت اِرادت آستانۂ عالیہ سلیمانیہ کے تیسرے سجادہ نشین حامیٔ چشتیاں حضرت خواجہ محمد حامد تونسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہے۔ آپ کے والدِ گرامیؒ نے آپ کو چار سال کی عمر میں ہی حضرت خواجہ محمد حامدؒ سے بیعت کرا دیا۔ علومِ باطن کی تحصیل اور روحانی تربیت اپنے والدِ گرامی حضرت خواجہ محمد غوث مہارویؒ سے حاصل کی اور اپنے مُرشدِ طریقت حضرت خواجہ محمد حامد تونسویؒ سے بھی مگر خلافت و اجازت کا شرف اپنے والدِ گرامیؒ سے حاصل کیا۔

## محاسن :-

حضراتِ مہاروی میں آپ کا ایک خاص مقام ہے۔ آپ عالم باعمل ہیں اور صاحبِ شریعت و طریقت بھی۔ اپنے مشائخ کرام اور آباؤ اجداد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تبلیغِ دین اور توسیعِ سلسلہ کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ مُریدین کی کثیر تعداد سلسلۂ عالیہ میں داخل ہو کر آپ سے روحانی تربیت حاصل کرتی ہے۔ آپ دُور دراز علاقوں میں تشریف لے جا کر تبلیغ وارشاد کا فریضہ سرانجام دیتے ہیں۔ لہٰذا دُور و نزدیک آپ کا فیض جاری ہے۔ حج وعُمرہ و زیارت کی سعادت بھی حاصل کر چکے ہیں۔ خیمۂ مشائخ چشت کی خانقاہوں کی زیارت اور عُرسِ مُبارک میں شرکت بھی آپ کا معمول ہے۔

## علمی ذوق :-

علمی ذوق ورثہ میں پایا ہے۔ حضرت خواجہ امام بخش مہارویؒ کے علمی ورثہ کے آپ ہی مالک ہیں۔ آپ نے مخزنِ چشت کے ترجمہ میں بہت دلچسپی لی تھی اور پورے ترجمہ پر نظرِ ثانی بھی فرمائی تھی۔ اب مکتوبات کے ترجمہ کی اشاعت بھی آپ ہی کی نگرانی و سرپرستی میں ہو رہی ہے۔ مشائخ کرام کی تعلیمات کو اہلِ سلسلہ و اہلِ علم تک پہنچانا آپ کا مشن ہے۔

## اولاد :-

آپ کو اللہ تعالیٰ نے چار فرزند عطا کئے ہیں۔ سب سے بڑے حافظ محمد سعید صاحب دوسرے ڈاکٹر محمد مسعود صاحب۔ تیسرے میاں محمد اجمل صاحب اور چوتھے میاں محمد ظفر صاحب حافظ محمد سعید صاحب اور میاں محمد اجمل صاحب زمین کے انتظام اور اہلِ سلسلہ کی تربیت و خدمت میں مصروف رہتے ہیں جبکہ ڈاکٹر محمد مسعود صاحب اور میاں محمد ظفر صاحب سرکاری ملازمت میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادگانِ عالی مقام کو اپنے بزرگوں کے مقامات

عطا فرمائے۔ آمین۔

## نکتۂ خاص:۔

اِس خاکسار نے آپ کی خدمتِ عالیہ میں ایک خط لکھا کہ براہِ کرم اپنی زندگی کے چند حالات اور کوائف عطا فرمائیں تاکہ مَیں کتاب میں شامل کر سکوں۔ آپ چونکہ مکتوبات کے اِس ترجمہ کے محرک، سَرپرست اور نگران ہیں، اس لئے آپ کا ذِکر ضروری ہے۔ آپ نے میرے اِس عریضہ کا جو جواب ارسال فرمایا، وُہ قابلِ غور ہے۔

آپ نے تحریر فرمایا:

"دُعاگو کے بارے میں کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ بس قبلۂ عالمؒ کا ادنیٰ خادم ہُوں اور خواجہ امام بخشؒ سے پانچویں پُشت میں ہُوں۔ بس اِتنا ذکر ہی کافی ہے۔"

اَللہ اَللہ کیا مقامِ عجز و انکسار ہے۔ اور کیسا مقامِ فقر ہے۔ زہے نصیب دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کا مُبارک سایہ تادیر اہلِ سلسلہ و اہلِ خاندان کے سروں پر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین۔

مکتوباتِ مہاروی
اُردو ترجمہ
(۲۶ مکتوبات)

نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم٥
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

بعد حمد اس خداوند لاشریک کے لئے جس نے قسم قسم مخلوقات اور رنگ برنگ موجودات میں سے حضرتِ انسان کو اپنی کامل نوازش سے اَحسنِ تقویم یعنی اچھی صورت میں پیدا کیا۔ اور اسے بیش بہا شامل عنایت سے صراطِ مستقیم کی ہدایت بخشی اور اس کے وجود کو " اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً " (یعنی میں زمین میں نائب بنانے والا ہوں۔) جیسی خلعت خلافت عطا کردی اور " وَلَقَدۡ کَرَّمۡنَا بَنِیۡۤ اٰدَمَ " (یعنی ہم نے اولادِ آدم کو کرامت و بزرگی عطا کی۔) کا تاج کرامت پہنا کر اس کے سر کو بلند کر دیا۔ فضل و کرم کا کمال ہے کہ انعام فرمایا تو اَلۡاِنۡسَانُ مِرۡاٰۃُ الرَّحۡمٰنِ کا یعنی انسان رب کا آئینہ ہے اور اَلۡاِنۡسَانُ سِرِّیۡ وَاَنَا سِرُّہٗ کہ انسان میرا راز ہے اور میں اس کا راز ہوں ؎

چوں انسان جامع اسما برآمد
گرامی گوہر از دریا برآمد

جب انسان تمام اسمائے الٰہی کا جامع بن کر نمودار ہوا تو دریائے معرفت کا قیمتی موتی بن کر باہر آیا۔

پس نقصان سے پُر زبان اور بیان سے قاصر قلم اُس منت والے اَرۡحَمُ الرَّاحِمِیۡن ربِ کریم کی فراواں اور بے پایاں کرامت کی کس طرح ایسی شرح اور وضاحت کرے جو تقریر و تحریر کے احاطہ میں آسکے؟

(سُبۡحٰنَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ (پارہ اول سورۃ البقرہ رکوع ۴)
پاک ہے تجھے ہمیں کچھ علم نہیں مگر جتنا تُو نے ہمیں سکھایا بیشک تُو ہی علم و حکمت والا ہے۔ (مترجم)

من چوں شکر کنم کہ ہمہ نعمتِ توأم!
نعمت چگونہ شکر کند بر زبان خویش
وصفت چہ کند زبانِ عاجز
برتر شدۂ ز وہم و ادراکے!!

میں کس طرح اور کیسے شکر بجالاؤں جبکہ میں ہمہ تن تیری نعمت ہوں اور نعمت اپنی زبان سے شکر ادا نہیں کرسکتی۔ یا اللہ کریم! عاجز کی زبان تیری صفت کس طرح بیان کرسکتی ہے تو تو وہم وادراک سے بھی بلند و بالا ہے۔

لامحدود درود وسلام اس محبوبِ محمود کے لئے جس کے باعث کائنات وجود میں آئی اور جو جمیع ممکنات کیلئے علت نمائی ہیں کہ "لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ" اگر آپ نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا" لَوْلَاکَ لَمَا اَظْھَرْتُ الرُّبُوْبِیَّۃَ" اگر آپ تشریف نہ لاتے تو میں اپنی شان ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔

اس کی شان میں فرمایا:

محمدؐ گر نبودے کس نبودے!
نبودے ہر دو عالم را وجودے!

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو انسان نہ ہوتے بلکہ دونوں جہان نہ ہوتے۔

وصلے اللہ علی نورٍ کزو شد نورہا پیدا
زمیں از حُبِ او ساکن فلک در عشقِ او شیدا
اگر نامِ محمدؐ را نیاوردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجّینا!

اس مقدس نورِ مبین پہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو جس سے دوسرے نور پیدا کئے گئے اور زمین کو اس کے حکم سے سکون ملا اور آسمان اس کے عشق میں سرگرداں پھر رہا ہے۔ اگر حضرت آدم علیہ السلام، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نامی شفاعت میں نہ لاتے تو نہ آدمؑ کو توبہ کی توفیق ملتی نہ نوحؑ کی کشتی غرق ہونے سے نجات پاتی۔

اَللہ اللہ! حضورِ پاک صاحبِ لولاکؐ کی مدح ونعت، (کماحقہٗ اداکرنا) کوہ قاف کو سوئی سے گزارنے اور جنگل کی ریت کو پیمانے سے بھر تول کرناپنے کے مترادف ہے ؎

| | |
|---|---|
| نہے سرش شرف بتاج لولاکی | طفیل تست معزز چہ نوری وخاکی |
| ظہور کرد چو نورت بجسوۃ آدم! | شدند ساجدِ تو ساکنان افلاکی |
| عروج کرد چوں نورت معاج افلاک | ملائکہ ہمہ کردند میل فتراکی! |
| زشرح صدر تو آمد عیان اَلم نشرح | زوصف حُسن وجمال تو ماعرفنا کی |
| بیابکلبۂ احزانِ من بلطف وکرم | کہ بے تو میگذرد روز وشب بغمناکی |
| ثنائے حُسن وجمالت چہ میکند عاجز | کہ برتر است ثنایت زحد ادراکی |

کیاخوب آپ کا سر مبارک! جس پر لولاک کا تاج زیب شرف رکھتا ہے نوری اور خاکی کل مخلوق تیرے طفیل عزت یاب ہے. جب تیرا مقدس نور، حضرت آدم علیہ السلام کے وجودِ اطہر میں جلوہ گر ہوا تو آسمان میں رہنے والی مخلوق، سجدہ میں گر گئی. جب نورِ مبارک آسمان کی سیڑھیاں بڑھ گیا تو تمام فرشتے تیری سواری کے لگام تھامنے لگے. سورۃ الم نشرح، تیرا شرح صدر اور ماعرفناک حق معرفتک تیرے حُسن وجمال کا وصف ہے.

اے اللہ کے حبیب! میرے بیتِ حزن میں براہِ لطف وکرم تشریف لائیے کہ آپکے بغیر میرے دن بڑی بے چینی سے گزر رہے ہیں. عاجز بندہ تیرے حُسن وجمال کی کیا تعریف کرے. اللہ تیری تعریف میری حدِ ادراک سے بہت پرے ہے.

اللہ تعالیٰ آپ پر درود وسلام فرمائے اور آپ کے فضل وکرم والے تمام آل اور ازواجِ مطہرات پر اور جملہ اصحاب کرام پر بھی جنہیں ہدایت کے ستارے ہونے کا شرف حاصل ہے.

حدیث شریف میں ہے:

اَصْحَابِیْ کَالنُّجُوْمِ بِاَ یِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ (مشکوٰۃ شریف)

(میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں اُن میں سے جس کسی کو مقتدا ورہنما بنالو گے یقیناً ہدایت پاؤ گے)

اور تمام امت محمدیہ تابعین وتبع تابعین، پیروکار مجتہدین، خلفائے عظام مشائخ کرام

ان سب پر اللہ تعالیٰ کی خوشنودیاں ہوں جب تک کہ دن اور رات رواں دواں رہیں۔

اما بعد! ربّ العزت فعّالٌ لِمَا یُرِیْدُ کے لُطف وکرم پر نازاں، فقیر بے سروسامان امام بخش بن حضرت حافظ غلام فرید عفا اللہ عنہما، عرض گزار ہے کہ جناب قبلۂ عالم وعالمیان برگزیدۂ جہان وجہانیان وصف وبیان سے مستغنی سیدنا وہادینا حضرت خواجہ نور محمد مہاروی نور اللہ مرقدہ کے عالیشان خاندان میں سے کچھ لوگوں نے اس غلام بیدام سے التماس کی کہ کچھ ایسے پُرتاثیر مقالات جس کی اس وقت ضرورت ہے، لکھ دیئے جائیں تاکہ خاص وعام، ان سے بہرہ ور ہوں۔ چونکہ رنگین عبارت اور مضامین عجوبہ سے پُرباتیں اشارے میں "مقالہ" قلمبند کرنا میری استطاعت میں کہاں؟ ناچار لیت ولعل کرتا رہا۔ مگر وفادار اور صاف دل دوستوں نے بھی خاندانِ عالیہ کا ساتھ دیا اور اس فقیر کی معذرت کو درخورِ اعتنا نہ سمجھے۔

تو کسی شاعر کے قول کے مطابق:

کنونت کہ امکان گفتار ہست!

بگو اے برادر بلطف و خوشی!

کہ فردا چون پیک اجل در رسد

بحکم ضرورت زباں در کشی!!

کہ اے بھائی جب تک تجھے بولنے کی طاقت ہے خوشی سے بولتا رہ کل کو جب موت کا پیغام پہنچا تو زباں خود بخود بند ہوجائے گی۔

بندہ نے سب دوستوں خصوصاً خاندانِ عالیہ کی دلآزاری سے بچتے ہوئے مقالات و مسوّدات کی قلمبندی پر کمر ہمت باندھ لی جبکہ اس دور میں تصنیف وتالیف راہ صواب کے خلاف اور اولوالالباب کی رائے کے برعکس بھی ہے۔

وجہ یہ ہے کہ سخن کی پرکھ رکھنے والے سخن دان اور حوصلہ افزا تحسین گو، لوگ اس وقت دنیائے فانی سے کوچ کرکے اگلے جہان کو سدھار گئے ہیں اور ان کے نشیمن اس طرح کے لوگ ان کی مسند پر بیٹھے ممتاز وسرفراز سمجھے جانے لگے ہیں جو بوجہ کم علمی اور بوجہ نافہمی زبانِ طعن دراز کرتے ہیں اور حق وباطل میں امتیاز نہیں کرپاتے جس کے نتیجہ میں اس مسکین کا غمگین دل ڈر اور خوف

محسوس کرتا ہے۔ مثل مشہور ہے، مَنْ صَنَّفَ قَدِ اسْتُهْدِفَ (جس نے کچھ لکھا وہ نشانہ بنایا گیا) لیکن وقت وحالت کا ضروری تقاضا ہے کہ ضروریاتِ دین واسلام کو تحریر کی شکل میں لایا جائے۔ اس لئے میں نے ذہنِ نارسا اور دلِ ناتمام میں آئے ہوئے مضامین کو سوال وجواب اور مکتوب ومراسلہ کی صورت میں لکھنا شروع کیا ہے۔ محض اس اُمید پر کہ میری نیت، صرف ثواب کا حصول اور اللہ ورسولؐ کی خوشنودی ہے۔ لہٰذا طعنہ بازوں کا عتاب وسرزنش بجا صواب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عنایت اور بے اِنتہا رحمت سے سچی اور پکی اُمید ہے کہ میری اس کاوش کا مطالعہ کرنے والے جب اس میں معاشرت کا حُسن اور آدابِ محاورت پائیں گے۔ لفظی اور سماعی مقصد ومُراد جیسے پھول اور ظاہری باطنی مقصودِ حقیقی جیسے پھل، چُن لیں گے تو یقیناً ان کے دِل دماغ ان پھلوں اور پھولوں کی لذت وخوشبو سے آشنا ہو کر مجھ بے چارہ نابکار کو دُعائے خیر سے یاد وشاد فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ جَلَّ شَانُہٗ میرے اسلاف واخلاف کو دونوں جہان کے مقاصد ومطالب سے بھرپور نواز دے اور زمانے کے مکر وفریب سے محفوظ رکھے۔ ازلی لم یزلی سعادت اور عافیت نصیب فرمائے آمین ؎

از خدا جز عافیت چیزے مخواہ!
یک دعا ہست و ہزاراں مدعا!

اللہ تعالیٰ سے عافیت مانگ اور بس بظاہر یہ ایک دُعا ہے مگر اس میں ہزاروں مدعا مضمر ہیں۔

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيمِ وَهُوَ الْهَادِي إِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيمِ ؎

يَلُوحُ الْخَطُّ فِي الْقِرْطَاسِ دَهْرًا!
وَكَاتِبُهُ رَمِيمٌ فِي التُّرَابِ!!

کاغذ پر سیاہ حروف مدتوں رہ جاتے ہیں مگر لکھنے والے مٹی میں مل جاتے ہیں۔

نوشتہ بماند سیاہ بر سفید!
نویسندہ را نیست فردا امید

غرض نقشیت کز ما یاد ماند !!
کہ ہستی را نمے بینم بقائے
مگر صاحبدلے روزے برحمت
کند در حالِ ایں عاجز دُعائے !

نقش ونگار کا مقصد ہے کہ ہماری یاد رہے کیونکہ چراغِ سحری کا کیا بھروسہ؟ ممکن ہے کسی دِن کوئی ایک صاحبِ دل ترس کھاتے ہُوئے اِس عاجز کو دُعائے خیر دینے آجائے ——— زہے نصیب !

---

قادر بے چون بے شبہ اور بے نموں کی بارگاہ بلا اشتباہ کی مدحت و منقبت کے وسیع و عریض میداں میں بلاغت بھری حمد و ثناء کرنے والوں کے گھوڑے لنگڑا گئے۔ بے نام و نشاں ذات کیلئے مدح کرنے والوں کی فصاحت بھری زبانیں گنگ ہوگئیں اور کہہ دیا ماعرفناکَ حقَّ معرفتِکَ کہ ہم تجھے نہیں پہچان پائے جسطرح تجھے پہچاننے کا حق ہے ؎

توان در بلاغت بسحباں رسید!
نہ در کنہ بیچون سبحان رسید!

بلاغت میں ترقی کر کے انسان سحبان بن وائل کا مقابلہ کر سکتا ہے مگر اس بے مثل بے مثال ذات پاک کی حقیقت تک رسائی نہیں پا سکتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اشرف المخلوقات برگزیدہ کائنات ہو کر اللہ پاک عز سبحانہ کی بارگاہ میں عرض کیا کرتے الٰہی لا احصی ثناءً علیکَ انتَ کما اثنیتَ علیٰ نفسِکَ۔ یا اللہ! ہم تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتے جیسی کہ تو نے اپنی ثنا فرمائی۔ کسی کے پاس قدرت کہاں کہ اپنی خوش الحان تقریر اور شرح و بیان سے بھری ہوئی تحریر کے باوجود وہاں دم مار سکے؟

| | |
|---|---|
| اے غنی از تہمت انکار و از اقرار ما | دور از عقل و قیاس و حیطۂ افکار ما |
| کے بتیرد در ہوائے اوج تو شہباز فکر | زانکہ آنجا بے پر ست این طائر طیار ما |
| پر تو حسن و جمالت در عیانست و عیان | لیک نبود قابل دیدار تو ابصار ما |
| گر با ہفتاد و دو ملت مے زنی جام وصال | مرتفع گردد ز عالم این ہمہ تکرار ما |
| اعتبارات و اضافاتی کہ صادر مے شوند | ہست پیدا در جہان از شامت پندار ما |
| گر نقاب زلف از رخسار خود دور افگنی! | رخت بندد دین و کفر و سبحہ و زنار ما |

بُود اسرارم نہاں چوں گنج اندر کنج غیب　　　　در مثالِ عاجزہ آمد مخزنِ اسرارِ ما

اے اللہ تُو ہمارے اقرار اور انکار سے غنی ہے۔ ہماری عقل وقیاس اور ہماری فکر وگماں کے احاطہ سے دُور ہے۔ ہمارا شاہبازِ فکر تیری بلندی تک کیونکر پرواز کر سکتا ہے جہاں تُو ہے وہاں ہمارا اُڑنے والا پرندہ بے پَر ہو کر رہ جاتا ہے۔ تیرے حُسن وجمال کا عکس عیاں دَر عیاں ہے مگر ہماری آنکھیں تیرے دیدار کی قابلیّت نہیں رکھتیں۔ یا اللہ اگر تُو ہہتّر فرقوں کو اپنے وصل وصال کا جام پلا دے تو اس عالم میں سب جھگڑے ختم ہو جائیں گے یہ اضافاتی اور تعلقاتی اعتبارات ہمارے پندار کی شامت سے، دُنیا جہاں میں اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ ورنہ اگر تُو اپنے رخسار سے زلف کا نقاب اُلٹ دے تو دین وکفر اور تسبیح وزنار رخت سفر باندھنے پر مجبور ہو جائیں۔ غیب کے ایک کونہ میں، خزانہ کیطرح میرے اسرار چھپا ہُوا راز تھے اور اب بشکل عاجزہ مخزن اسرار بن کر ظاہر ہو گئے ہیں زبان کی جسارت جو کہ سراسر نقصاں ہے بہتر ہے کہ اس سے خاموش رہا جائے۔

عاجزہ بادب باش زبان را بدہاں بند
کیں شمہ ز مخزنِ اسرار نہاں است

اے عاجزہ اپنی زبان کو مُنہ میں بند رکھو کہ یہ اسرار مخفی رازوں والے خزانہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے چپ رہنا ہی بہتر ہے۔

اے اللہ کریم! تُو نے محض اپنے فضل وکرم سے ہزارہا گمراہ در گمراہ لوگوں کو سیدھی راہ پر لگا دیا اور ان پر رحمت وبرکت کے دروازے کھول دیئے ان کے خلوت خانۂ دل کو نُورِ ایماں کی تجلی سے روشن کر دیا اپنی بے حد شفقت وعنایت کے طفیل سادہ دل لوگوں کو وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰہِ صِبْغَۃً" کے رنگ میں رنگ دے کر منقش کر دیا اور ان پر احسان وعرفان کی نوازش کر دی جو کہ عبارت ہے۔" اَلْاِحْسَانُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاہُ فَاِنَّہٗ یَرَاکَ" سے (مشکوٰۃ المصابیح باب الایمان) (احسان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کی عبادت اسطرح کرے کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تُو اسے دیکھ نہیں سکتا تو سمجھ لے کہ وُہ تجھے دیکھ رہا ہے۔)

اَے اللہ کریم! اُپنے بے پناہ لطف وکرم کا صدقہ، اِس خاکسار ذرّہ بیمقدار عاجز کو بھی اپنی ذات تک پہنچانے والی راہ پر لگا دے دُنیاوی حرص اور ہوا وہوس سے نجات دے کر بلند مراتب اور عظیم مقصد تک پہنچا دے ۔

یارب بر ہانیم زحرماں چہ شود

راہے دہیم بسوئے عرفاں چہ شود

بس گبر کہ از لُطف مسلماں کردی

یک گبر دگر کنی مسلماں چہ شود

اَے پروردگار اگر مجھے (مشاہدہ ومکاشفہ کی) محرومی سے بچالے تو تیرا کیا جائے گا؟ معرفت کی راہ پر لگا دے تیرے کرم سے بعید نہیں۔ تُو نے اپنے لُطف وکرم سے بہت سے کافروں کو مُسلمان بنا دیا۔ ایک اور کافر کو بھی حقیقی مُسلمان بنا دے تو تیرا کیا جائے؟

عاجزا طول زباں در مذہب ایں عاشقاں

نیست جائز ہوش کن واللہ اعلم بالصواب

اَے عاجز ہوش میں رہو عاشقوں کے مذہب ومکتب میں زبان درازی اچھی نہیں (خاموشی سے کر دو) واللہ اعلم بالصواب۔

# نعت

بجناب رسالت مآب سرورِ کائنات مفخرِ موجودات سالارِ مرسلان رحمتِ عالمیان صفوت آدمیان تتمہ دور زمان شفیع عاصیان قرۃ عین العباسیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اَوّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ (مدارج النبوت جلد ۲ صفحہ ۲) اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا کُنْتُ نَبِیًّا وَآدَمُ بَیْنَ الْمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں تب بھی نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی میں تھا۔) آپ کی شان ہے دَنٰی فَتَدَلّٰی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (النجم رکوع ۱) دراصل آپ کا مکان ہے۔ اور آنکھوں کیلئے سُرمہ ہے مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی سات آسمانوں کی سیڑھیاں اور عرشِ اعظم آپ کیلئے فرشِ راہ ہیں، جمیع انبیاء اور مُرسلین، روح الامین سبھی کائنات، آپ کے آفتابِ وجود سے فیضانِ وجود حاصل کر رہے ہیں

موسیٰ بجوہِ طور شہا رفعتت شنید

عیسیٰ مبشراً بک یا سید الوریٰ!

اے سیّد دوعالم! حضرت موسیٰ کلیم نے تیری رفعت شان کوہِ طور پر سُنی اور حضرت عیسیٰ (تمام عمر) تیری آمد آمد کی بشارت دیتے رہے

والضحیٰ وصف نکو روئے رسولِ عربی ❊ شرح واللیل زگیسوئے رسولِ عربی

کرد از ایزو چوں سرمہ مازاغ بچشم ❊ مست شد نرگس جادوئے رسولِ عربی

نقطہ وحدت افراخت چوں قد گشت عیاں ❊ الف قامت دلجوئے رسولِ عربی!

قمریِ باغ جناں از پئے امید وصال ❊ میکند نغمہ کو کوئی رسولِ عربی!

دل و جانم بہ تمنائے جمالش حیران ❊ سرمن خاک سرکوئے رسولِ عربی

صبحدم باد صبا بوئے زیثرب آورد ❊ مست شد عاجز از بوئے رسولِ عربی

اَے رسُولِ عربی! صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وَالضُّحیٰ میں تیرے حسین چہرے کی صفت اور وَاللَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی آپ کے خمدار زُلفوں کی تشریح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب تیری آنکھوں میں مَازَاغَ الْبَصَرُ کا سُرمہ لگایا تو تیرے حُسن کے جادُو سے نرگس مست ہوگئی۔ الف کی شکل والا دِل بہلانے والا آپ کا قد، جب منظرِ عالم میں ظاہر ہُوا تو وحدت کا نقطہ عیاں ہوگیا۔ باغ جنت کی قمری، وصل وصال کی اُمید لگائے سیدِ عرب کی محبت میں کوکوکے نغمے الاپنے لگی ہے۔

مری جان و دِل آپکے حُسن وجمال کے آرزو مند ہیں اور آپ کے کوچہ کی گرد پر برابر قُربان ہونے کو چاہتا ہے۔

صُبح کے وقت، مدینہ طیبہ کی خوشبُودار بادِ صبا جب چلتی ہے تو اس پیاری اور بھینی بھینی خوشبو سے عاجز پر مستی طاری ہونے لگتی ہے۔

| | |
|---|---|
| عالم منور است زنورِ محمدی | ظاہر شدہ جہاں زظہورِ محمدی |
| بیخود شود ز خویشتن واز شعورِ خویش | محرم ہر آنکہ شد ز شعورِ محمدی |
| فارغ شود ز درد والمہائے دوجہان | ہر کس کہ یافت ذوق سرورِ محمدی |
| مقبول مے شود بجناب خدا کسے | کو پس رواں شود بامورِ محمدی |
| عاجز ہمے فریسد صلوٰت صد ہزار | از صدق جان و دِل بحضورِ محمدی |

نُورِ محمدی سے تمام عالم روشن اور ظاہر ہُوا اور ظہورِ محمدی سے جہان عیاں ہُوا۔ جو شخص شعورِ محمدی سے واقف ہُوا اُسے اپنی خبر رہی نہ اسے اپنے شعور کا علم ہو سکا۔ سرورِ رسُول سے ذوق یاب ہونے پر دونو جہانوں کے درد و غم بھُول جاتے ہیں۔ رسُول پاک کی اتباع واطاعت کے صدقے، خداوند کریم کی بارگاہ میں انسان شرفِ قبولیت پالیتا ہے۔ بارگاہِ رسالت مآب میں یہ بندہ عاجز سچے دِل اور صدق وجان سے ہزاروں درود وسلام کا ہدیہ پیش کرتا ہے۔ خُدا کرے قبُول ہوں۔ آمین ثم آمین۔

| | |
|---|---|
| کے توانم شرحِ وصفش کرد اندر قید کلک | زانکہ موئے درنیاید گر کنم زاں صد کتاب |
| گرچہ در میدان مدحش واصفاں بشتافتند | آخر از درماندگی افتادہ اند در اضطراب |

جناب رسالت مآب کی مدح وثنا قلم کے احاطہ میں نہیں آسکتی سینکڑوں کتابیں لکھ

ڈالوں تب بھی آپ کے ایک بال مبارک کی تعریف و توصیف مکمل نہ ہو سکے۔ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصف بیان کرنے میں بہت سے لوگوں نے حصہ لیا آخر تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

جناب باری عزاسمہ نے وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ کا خطاب فرمایا تو گروہ در گروہ مخلوق کو نورِ ایمان سے شرف ملا، اِن کے جہالت و ضلالت آلودہ دِلوں کو اُپنے لطف و کرم سے صیقل کر کے آئینہ کی طرح روشن، صاف۔ اور پاک کیا اور انہیں بے انتہا تجلّیات کا مرکز بنادیا۔ اگر اس خاکسار سگِ دربار عاجز پر بھی کرم کی بارش ہو جائے تو الطاف بے نمایات سے بعید نہیں۔

یک نظر فرما و مستغنی شوم زا بنائے جنس
سگ چوں شد منظور نجم الدیں سگانرا سرور است

مجھ پر نظرِ کرم ہو کہ دُنیا و مافیہا سے بے نیاز ہو جاؤں یہ سگِ دربار نجم الدین منظور نظر ہوتے ہی تمام کتوں کا سردار بن کر رہے گا۔

توجہ تام اور نوازش عام فرمایئے کہ وصل وصال کے خالص پانی سے لوحِ دِل عجز منزل، دُھل کر غیر اللہ کی تمام آلودگیوں سے صاف ہو جائے اور عنایات بے غایات کا ورود مسعود ہونے لگے آمین آمین ــــ تو الطاف کریمانہ سے دُور نہیں۔

چہ کم گردد اے صدرِ فرخندہ پے | ز قدرِ رفیعت بدرگاہِ حیے ! !
کہ عاجز نشستے گدایان خیل | در آید بدار السلامت طفیل

اے بابرکت قدموں والے بادشاہ اِس حیٌّ و قیوم کی درگاہِ عالیہ میں تیرے بلند منصب میں کیا کمی آئے گی؟ اگر مردانِ کامل کے طفیل اِس عاجز مسکین کو دار السلام میں داخلہ دلوا دیا جائے۔

یا شفیع المذنبیں بارِ گناہ آوردہ ام | بر درت ایں بار بالپشتِ دوتا آوردہ ام
چشمِ رحمت برکشا و سوئے ایں عاجز نگر | گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام

اے گنہگاروں کے سفارشی آقا! گناہوں کا بوجھ تیرے حضور لایا ہوں جس نے مجھے کوزہ پشت

بنا دیا ہے۔ اِس عاجز پر نظرِ کرم فرمایئے شرمندہ ہونے کے ناطے، روئے سیاہ لے کر آیا ہُوں

## مولود شریف

اَے شہِ ذوالعطا سلام علیک — وے مہِ پُرضیا سلام علیک

بر جملہ فلک ملک گویان! — اَے رسُولِ خُدا سلام علیک

گفت پیغمبران شب معراج — مرحبا سیدا سلام علیک

بلبلان بہشت از سر شوق! — ہمہ نغمہ سرا سلام علیک

ہمہ خاصان دہر ایچو نجوم! — انت بدرُ الدجیٰ سلام علیک

ہر دو عالم ز نُور تو ظاہر — انت نُورُ الہدیٰ سلام علیک

سوئے عاجز ببیں بلطف و کرم — اَے شہِ انبیا سلام علیک

اَے جود و سخا والے بادشاہ تم پر سلام ہو۔ اَے روشن ترین چاند تم پر سلام ہو۔ تمام آسمانوں پر فرشتے کہتے رہتے ہیں کہ اَے اللہ کے رسُول تم پر سلام ہو۔ معراج کی رات انبیاء علیہم السّلام نے آپ پر سلام پیش کئے۔ شوق میں آکر بہشت کی بُلبلیں "سلام علیک" کا گیت گایا کرتی ہیں۔ زمانے میں کائنات کی مخصوص مخلوق (انبیاء علیہم السلام) ستارے ہیں اور تم چودھویں کا چاند ہو۔ اَے ہدایت کے نُور، دو جہان تیرے نُور سے ظاہر ہُوئے ہیں۔ آپ پر درود و سلام اَے شہِ انبیاء! اس عاجز پر لطف و کرم کی نظر فرمایئے۔ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

اللہ تعالیٰ کی بے انتہا رحمت اور نامی گرامی درود و سلام ہوں جگر گوشۂ رسُول پر، اولاد امجاد پر اور ازواج مطہرات رضوان اللہ علیہن پر، جو مومنین کی مائیں ہیں اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر جو عالی مرتبت، ہدایت والے آسمان کے ستارے ہیں اور جمیع پیرو کاران اور دینِ متین کی حمایت کرنے والے تابعین اور تبع تابعین اور ساری اُمتِ محمدیہ اجمعین پر، اللہ تعالیٰ ان سب پر رحمت خاص اور سلامتی نازل فرمائے آمین آمین۔

# مکتوب ١

بحضور فیض گنجور، پیرِ روشن ضمیر، واقفِ مواقفِ شریعت، سالکِ مسالکِ طریقت، عارفِ معارفِ حقیقت و معرفت قبلۂ عالم و عالمیاں، مخدومی و مرشدی حضرت صاحب دامت برکاتہ،

بندہ خاکسار ذرہ بیمقدار بدکردار گنہگار، از کردہ خویش شرمسار، عاجز شرمسار عاجزانہ آداب نیازمندانہ اور کورنشات مستمندانہ بجا لاکر عرض رساں ہے۔

غریب نواز! جس دن سے بندہ بشامت کم نصیبی و طالع دون و بخت نگوں و ایام بوقلمون آنحضور پُرنور سے دُور و مہجور ہر لحظہ و ہر آن حیران و سرگرداں ہوں۔ مور و مگس کی طرح افسوس سے ہاتھ مل رہا ہوں کہ ہائے کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ اب تو بندہ بے قرار ہے اور اُجڑا ہوا ہے۔ گرداب کے چکر میں بے آب ماہی کی طرح تڑپ تڑپ کر رہ گیا ہے۔

ہر دم دُعاہا مے کنم بر خاک مے مالم جبین!

جمع کن با حضرتم یا جامع المتفرقین!

ہر لحظہ مٹی پہ ماتھا رگڑ رگڑ کر دُعا کیا کرتا ہوں کہ اے بچھڑے ہوؤں کو جمع کرنیوالے مجھے بھی اپنے مُرشد سے ملا دے۔

تادرین کالبدم روح رواں خواہد بود ! مرغ جانم بسوئے پیر پیراں خواہد بود

حلقہ بندگیش گشت بگوشم نازل! ہمچناں تاابد حلقہ آن خواہد بود!

ہر سحر شام بامیدِ وصالِ گل رُخ | ہمچو بلبل دل من نوحہ زنان خواہد بود!
گر مددگار شود گردشِ ایام بمن | دست در دامنِ آں جان جہان خواہد بود
آخر اے مہرِ وفا پردہ ز رویت بکشا | تا بکے چشم براہت نگران خواہد بود
عاجز از جورِ صنم نالہ و فریاد مکن | کہ دلدار گہے میل کنان خواہد بود

جب تک میرے بدن میں روح ہو تب تک میری جان پرندہ بن کر اپنے پیرو مُرشد کی طرف اُڑ اڑ کر جاتی رہے گی۔ اَزل سے ان کی غلامی کا حلقہ گلے میں ڈالا ہے انشاءاللہ تعالیٰ اَبد تک حلقہ بگوش رہونگا۔ محبُوب کے مِل جانے کی اُمید میں ہر صُبح و شام، میرا دِل بُلبل کی طرح زار و قطار روتا رہے گا۔ اگر گردشِ ایّام میری مدد کر پائی تو میرا ہاتھ اپنے محبُوب کا دامن تھام لے گا۔

اَے میرے وفادار محبُوب! اَپنے رُخ سے پَردہ اُٹھا دِیجئے۔ کب تک میری بیقرار آنکھیں چشم براہ رہیں گی؟۔

اَے عاجز محبُوب کی جور و جفا کا شکوہ زبان پر نہ لا۔ شاید کبھی وُہ محبوب مائل بکرم ہوں! چونکہ بندہ آپ کے زیرِ سایہ بیٹھنے والوں سے دُور مسرّت و خوشی سے مہجور ہے اِس لئے آنجناب سے مُبارک دُعاؤں کی توقع کے سَاتھ ذیل نیاز مندانہ تحریر کے ذریعہ عرض بحضور ہے۔ چونکہ میری تمام دینی و دُنیاوی حاجات کی تکمیل و تتمیم انوارالشان کی توجہ قلبی پر موقوف ہے اس لئے اگر آپ کی توجہ اِس عاجز کے شامل حال ہو جائے تو دینی و دنیاوی اور ظاہری و باطنی ہر قسم کی معروضات آپ کے حضُور لکھ بھیجا کروں اور آپ کی طرف سے جواب باصواب کی آمد آمد میرے لئے مفید ہو گی اور سَاتھ ہی آپ کی تحریر آسمان سے نازل شُدہ وحی سمجھ کر حفاظت میں رکھونگا۔

سایہ ات کم مبادا از سرما!
بسط اللہ ظلکم ابدًا!!

اللہ کرے آپ کا سایہ ہما پایہ، ہمارے سروں پر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے برقرار رہے آمین ثم آمین۔

---

# جواب ①

اے فرزندِ ارجمند سعادت مند بخت بلند اطال اللہ عمرک۔

بعد از سلام سنت خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم واضح رائے عالی ہو کہ آپ کا فرحت بخش خط اِس فقیر کی نظر سے گذرا بہت خوشی ہوئی اور درج شدہ کوائف پر کماحقہٗ آگاہی ملی۔

برخوردار! بے رُودریا فقیروں کا طریق ہمیشہ دُعائیں دیتے رہنا ہے چنانچہ ہر لحظہ اور ہر وقت صُبح و شام دُعائیں دیتا ہُوں کہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اپنی درگاہ بلا اشتباہ میں سب کے مقاصد دارین اور مطالبِ کونین پورے فرماوے اور ایزد سبحانہٗ تعالیٰ آپ سب کو اس فساوی دور کے مکروہات سے محفوظ اور اپنی نصرت وحمایت میں مبسوط و مضبوط رکھے ——— آمین۔

آپ نے مفارقت وجُدائی کے باعث اپنی پریشان حالی کا ذکر کیا ہے۔ جبکہ بزرگوں کا کہنا ہے کہ دُور رہنے والے کامل حضرات باخبر ہوں تو ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہوتے ہیں اور نزدیک رہنے والے دِل کے اندھے ہوں تو وُہ (نزدیک رہتے ہُوئے بھی) دُور ہیں ؎

در راہ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بنیمت عیاں و دُعائے فریستمت

عشق کی راہ میں دُوری و نزدیکی کے مرحلے آتے نہیں۔ مَیں تجھے بر ملا دیکھتا اور دُعائیں دیا کرتا ہوں۔

قربِ روحی بتو دارم و بُعدِ بدنی!
ہمچوں در دورِ نبیؐ خواجہ اویس قرنی

میرا جسم اگرچہ آپ سے دور ہے مگر مجھے روحانی قرب نصیب ہے۔ جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے مبارک زمانہ میں خواجہ اویس قرنی رضی اللہ عنہ تھے۔

ہمارے خاندان میں ظاہری علم کا حصول شرطِ اوّل ہے۔ اگرچہ باطنی علم ظاہری علم پر فضیلت رکھتا ہے مگر نوآموز طالب علم کے لئے ظاہری علم، سیدھی راہ ہے بشرطیکہ عملِ صالح ساتھ ہو۔ اور یہ بھی ضروری ہے کہ علم حاصل کرنے کا مقصد کسبِ معاش یا فخر و مباہات نہ ہو، بلکہ دینیات ہو اور آیات و احادیث پر پورا عبور حاصل ہو جائے۔

لہٰذا تحریرِ خدمت ہے کہ کسی باعمل اہلِ سنّت اُستادِ محترم کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہہ کیا جائے۔ فرمانِ رسولؐ ہے۔ طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ (جامع صغیر ج ۲ ص ۵۴)
ہر مسلمان مرد اور عورت پر علم تلاش کرنا فرض ہے۔

بنی آدم از علم یابد کمال　　نہ از حشمت و جاہ و مال و منال
ترا علم در دین و دنیا تمام　　کہ کارِ تو از علم گیرد نظام
طلب کردن علم شد بر تو فرض　　دگر واجب است از پیش قطعِ ارض

حضرت انسان، علم سے کمال کو پہنچتا ہے۔ حشمت جاہ و جلال اور مال و اسباب سے نہیں۔ کیونکہ دین و دنیا کے کاموں کا انتظام علم سے وابستہ ہے۔ اس لئے فرض ہے کہ علم حاصل کیا جائے اور ضروری ہے کہ اس کے حصول کیلئے سفر کی مشقت بھی برداشت کی جائے۔

" اُطْلُبُوا الْعِلْمَ وَلَوْ بِالصِّیْنِ " (جامع صغیر ص ۴۲) علم حاصل کرو خواہ چین جانا پڑے۔
جب عقیدہ اہلِ سنّت و جماعت رکھنے والا اُستاد باعمل کسی ایک شہر و قصبہ میں کہیں میسر آ جائے تو زہے سعادت، سفر ضروری نہیں اور حسبِ ضرورت، جو چیز مجھ سے حل طلب ہو بلا دریغ واضح لکھ دیا کیجئے، جواب باصواب آپکو مل جایا کرے گا جبکہ یہ بات ملے ہے کہ خط و کتابت نصف ملاقات ہے۔ اُدعا ہے کہ خیریت دارین آپ کے نصیب ہو بالصاد والنون۔ آمین آمین۔

---

# مکتوب (۲)

بجناب فیض مآب حضرت غریب نواز مدظلہ العالی

نیاز بے انداز جو کہ برابر عزت و عظمت ہے، بندہ کو مجھ کا [illegible] کرتا ہے کہ آں ذات گرامی کا صحیفۂ گرامی نوازش نامہ نامی سامی جس مبارک گھڑی میں شرف صدور لایا۔ اس عاجز خاکسار کا سر فخر و مباہات سے آسمان کی بلندی کو چھو لیا اور ایسے محسوس ہوا کہ تن ناتواں میں جان آگئی اور "وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ" کا راز مل گیا بندہ نے مبارک نامہ کو سر آنکھوں پر رکھا، چوما اور عرض کیا ؎

من کہ باشم کہ بر آں خاطر عالی گذرم!
لطفہا مے کنی اے خاک درت تاج سرم

میں کون ہوں کہ آپ کے بلند شان دل میں میرا خیال آئے یہ آپ کی عنایات ہیں
اے غریب نواز تیرے آستانے کی مٹی میرے سر کا تاج ہے۔

غریب نواز! حسب فرمان واجب الاطاعت، علوم عقلی و نقلی حاصل کرنے کیلئے صاحب الفضائل و کمالات مرتبت، فصاحت و بلاغت منزلت، جامع المنقول والمعقول حاوی الفروع والاصول سراپا فیض و کرم علامہ محمد اعظم عظمہ اللہ تعالیٰ فی الدارین کی خدمات حاصل کرلی ہیں۔ جمیع تعلقات و تعینات سے فارغ ہو کر، علم حاصل کرنے کے لئے، مضبوط جدوجہد کر رکھی ہے۔ اَلسَّعْیُ مِنِّیْ وَالْاِتْمَامُ مِنَ اللّٰہِ۔

نیز! نیاز مند کا ذہن قاصر اور طبیعت میں فتور پائے جانے کے باعث حضرت علامہ صاحب موصوف کی تقریر نہ طبع گیر ہوتی ہے اور نہ ذہن پذیر۔ حافظہ میں نقص ہے اس لئے مسائل ذہن میں ضبط نہیں رہتے۔ از راہ نوازش کریمانہ، ملکہ اور قوتِ عقل کی

کشائش و افزائش کیلئے کوئی وظیفہ عنایت فرمادیں تاکہ بندہ فیض یاب ہو اور میرے کلاہ عزت کی نوک سورج کی بلندی تک پہنچے۔

یا اللہ جل جلالہٗ میرے مرشد کریم کے آفتاب جہاں تاب کی شعاعیں قیام قیامت تک، ہم افادہ طلب لوگوں پر تاباں و درخشاں رہیں۔ آمین

# جواب (۲)

برخوردار کامگار سعادت اطوار زاد اللہ سعادتہ

بعد از سلام سنت خیر الانام۔ آپکے مراسلہ نے بہت کچھ مسرت و فرحت بخشی اور درج شدہ حقائق واضح ہوئے۔ میرے عزیز! پیران عظام کا ارشاد ہے۔ بعد از نماز فجر سورۃ الم نشرح سات دفعہ پڑھ کر دائیں ہاتھ کی ہتھیلی پر دم کر کے بائیں پستان کے نیچے دل پہ وہی ہاتھ خوب مل لے۔ مگر فائدہ یاب ہونے کیلئے دوام شرط ہے (ذہن و حافظہ میں تیزی آجائے گی)

راحت المریدین تصنیف شیخ محمد قدس سرہ العزیز "تیسرے راحت میں" ہے کہ طلوع آفتاب سے پہلے سورہ فاتحہ شریف ایک دفعہ، معوذتین ایک ایک دفعہ پڑھ کر اپنے دل پر دم کرے۔ اس کے بعد تین دفعہ یہ دعا پڑھے۔ اَللّٰھُمَّ نَوِّرْ بِکِتَابِکَ قَلْبِیْ وَاشْرَحْ بِہٖ صَدْرِیْ وَانْطِقْ بِہٖ لِسَانِیْ بِجُوْدِکَ وَقُوَّتِکَ فَاِنَّہٗ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ ہ اور اول و آخر درود شریف پڑھ کر اپنے اوپر دم کرلے اور دعا یوں کرے "یارب مرا در طلب علم طلب بدہ" اے میرے پروردگار! مجھے طلب علم کی طلب عطا فرما۔ علم کی فضیلت میں ارشاد ربانی ہے "اَلَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ" (پارہ ۲۸ رکوع ۲) علم والوں کے بڑے درجات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ "اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا" (پارہ ۲۲ رکوع ۱) اللہ کے بندوں میں سے جو صاحب علم ہیں وہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَالرَّاسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا (پارہ ۳ رکوع ۹) اور پختہ علم لوگ ہی کہتے ہیں کہ ہم اس پہ ایمان لائے کہ ہر چیز ہمارے پروردگار سے ہے۔

اہل علم کیلئے مناسب ہے کہ وہ اپنے ہاتھ میں دو عدد عصا رکھیں ایک اَلْحُبُّ لِلّٰہِ کا یعنی دوستی ہو تو صرف اللہ کیلئے اور دوسرا اَلْبُغْضُ لِلّٰہِ کا یعنی دشمنی ہو تو بھی صرف اللہ کی خاطر، اور ان دونو پر تکیہ رکھنا چاہیئے۔ آپ اس پہ عمل کریں۔

فقط والسلام علیکم وعلیٰ من لدیکم

# مکتوب (۳)

بجناب عالی حضرت پیرو مرشد دامت برکاتہ

بندہ خاکسار عاجز زار عرض کرتا ہے کہ یہ نیاز مند آنوالاشان کے ارشاد بمطابق علوم کی تحصیل میں ہمہ تن مصروف ہے۔

اس کے علاوہ اگر حضور چاہیں اور ارشاد ہو تو قرآن مجید کی منزل تلاوت روزانہ کر لیا کروں۔ چونکہ پیرو مرشد کی اجازت وعنایت کے بغیر کوئی کام چنداں نفع بخش نہیں۔

لہٰذا گذارش ہے کہ تلاوتِ قرآن مجید کی مقدار اور اس سے متعلق طور طریقے لکھ کر مجھے بھجوا دیجئے تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔

# جواب ③

برخوردار از بعد مسنونہ سلام واضح باد کہ تلاوت قرآنِ مجید ضروری ہے۔ سات دن میں ختمِ قرآن ہو تو زہے نصیب وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ (پارہ ۱۴ رکوع ۶) اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اور اگر طاقت واستطاعت نہ ہو تو حسبِ توفیق جسقدر چاہیں تلاوت کر لیا کریں جیسا کہ قرآنِ مجید خود ارشاد فرماتا ہے۔ فَاقْرَءُوْا مَا تَیَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ (پارہ ۲۹ رکوع ۱۴) جس قدر بآسانی ہو پڑھو۔

## تلاوت کے آداب:۔

① غور و توجہ۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (پارہ ۹ رکوع ۱۴) جب قرآن پڑھا جائے اُسے غور سے سُنو اور خاموش رہو تاکہ فلاح پاؤ ـــــ آیتِ پاک سے معلوم ہوتا ہے کہ سُننے والا پڑھنے والے کا حکم رکھتا ہے۔ دونو کو غور و توجہ لازمی ہے۔ سُننے والا خواہ اپنے آپ سے سُن رہا ہو یا کسی اور سے سُن رہا ہو۔

② محفلِ قرآن میں غمگین ہو کر بیٹھنا چاہیئے۔ ارشادِ خداوندی ہے۔ وَاِذَا سَمِعُوْا مَا اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ۔ (پارہ ۷ ابتدا) اور جب سُنتے ہیں وہ جو رسول کی طرف اُترا تو اُن کی آنکھیں دیکھو کہ آنسوؤں سے اُبل رہی ہیں اِس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔

③ قرآنِ مجید ایک عمیق سمندر ہے اور ہزاروں لوگ اس میں ڈوب کر مر گئے لہٰذا خوف رکھا رہتا ہے اور مشکل مقام ہے۔ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا (پارہ ۱ رکوع ۳) اللہ تعالیٰ بہتیروں کو اس سے گمراہ کرتا ہے اور بہتیروں کو ہدایت دیتا

ہے۔

④ کچھ لوگ قرآنِ مجید سے شفا پاتے ہیں۔ وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ۔ (پارہ ۱۵ رکوع ۹) اور ہم اُتارتے ہیں قرآنِ مجید میں سے وُہ جو شفا ہے۔

⑤ کچھ لوگ خراب ہوجاتے ہیں اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ (پارہ اوّل رکوع ۱) بیشک جن لوگوں نے کفر کیا برابر ہے۔ آپ اُنہیں ڈرائیں یا نہ وُہ ایمان نہیں لائیں گے۔

⑥ کبھی کبھار قرآنِ مجید پڑھنے سُننے سے مرض بڑھ جاتا ہے۔ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا

⑦ قرآنِ مجید میں ارشاد ہے لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْآنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ (پارہ ۲۸ رکوع ۶) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو تم ضرور اُسے دیکھتے جُھکا ہوا پاش پاش ہوتا ہوا اللہ کے خوف سے اور یہ مثالیں لوگوں کے لئے ہم بیان کرتے ہیں تاکہ سوچیں۔

قرآنِ مجید ہمہ تن گوش بن کر سُننا اور پڑھنا چاہیئے تاکہ اصحاب جناب رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم جیسا فائدہ پہنچے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۷) بیشک اِس میں اسی کیلئے نصیحت ہے جو دِل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔

ابوجہل اور ابی لہب کی طرح استماع نہ ہو کہ قرآنِ مجید عربی ادب ہے اور وُہ بھی صرف قصّے کہانیاں۔ اسیطرح گمراہی میں پڑ سکتا ہے۔ هٰذَا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یہ قرآن پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ ایک اور جگہ ہے وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْآنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا وَّجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَّفْقَهُوْهُ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا (پارہ ۱۵ رکوع ۵) اے محبوب تم نے قرآنِ مجید پڑھا ہم نے تم میں اور ان میں جو آخرت میں ایمان نہیں لاتے، ایک چھپا ہوا پردہ کر دیا اور ہم نے ان کے دلوں پر غفلت کے پردے ڈال دیئے کہ اسے سمجھیں اور کانوں میں بوجھ۔

(۸) تلاوت نہ اُونچی آواز سے اور نہ نہایت دِھیمی آواز میں ہو، میانہ روی افضل ہے۔ روایت میں آیا ہے کہ جناب ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نہایت دِھیمی آواز میں قرآنِ مجید پڑھا کرتے اور فرماتے مَیں جس سے مناجات کر رہا ہُوں وُہ سُن رہا ہے اور حضرت امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ بلند آواز میں تلاوت فرماتے وجہ یہ بیان کرتے کہ مَیں سوئے ہُوئے غافل لوگوں کو بیدار کرنا چاہتا ہُوں اور شیطان کو بھگانا چاہتا ہُوں۔ اندریں حالات قرآنِ مجید نازل ہوتا ہے۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (پارہ ۱۵ رکوع ۱۲) اپنی نماز نہ بہت اُونچی آواز سے پڑھو اور نہ بالکل آہستہ اور ان دونوں کے بیچ میں راستہ نکالو۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ صدیق تم اپنی آواز اُونچی کر لو اور عمر کچھ آہستہ پڑھا کرو۔

آدابِ تلاوت درج مذکورکے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہیں۔ تلاوتِ قرآن، آدابِ تلاوت کو ملحوظ رکھ کر ہو تو نفع دیتی ہے۔ جبکہ تلاوتِ قرآن افضل ترین عبادت شمار کی جاتی ہے اور مشائخ عظام کی کتب سے یہی استفادہ ہوتا ہے۔ الٰہی عاقبت محمود گرداں۔ (یا اللہ انجام بخیر فرما)

# مکتوب ④

جنابِ عالی گذارش یہ ہے کہ حسب الارشاد آں ذات شرف آیات، بندہ نے علوم ظاہری میں کمال حاصل کر لیا ہے، مگر اوراد و وظائف سے محروم رہا ہوں اور اپنے ہم عصر پیر بھائیوں کے کمالات اور تسبیح و مصلیٰ کے شغل دیکھ کر شرم سار ہوں۔ از راہِ نوازش و کرم بخشی، بکچھ وظائف، نوافل، ذکر و فکر اور مراقبہ وغیرہ کے طور طریقے اور اُن کی اجازت مرحمت فرمائیں۔ زہے سعادت، تاکہ الطافِ کریمانہ سے دُوری نہ رہے۔

# جواب ④

برخوردار واضح ولائح باد کہ زندگی کا ثمر علم باطن کا حصول ہے جو کہ عبارت ہے تصفیہ قلب سے اور وہ بجز ریاضت وعبادت اور ادائے صوم وصلوٰۃ اور حج وزکوٰۃ اور بغیر امدادِ شیخِ کامل کے حاصل نہیں ہوتا۔

؎ رستن از یں پردہ کہ بر جان تست
بے مدد پیر نہ امکان تست!

دل اور جان پر جو غفلت کا پردہ ہے اس سے نجات پانا شیخ کامل کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے۔

اگرچہ مشائخ عظام کی کتابیں رشد وارشاد کا کام دیتی ہیں لیکن باطن کے دروازوں کے کھولنے اور تمام مشکلوں کے حل کرنے کیلئے چابی، پیروں اور مرشدوں کی جانب سچی توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ کتبِ مشائخ کا مطالعہ کر کے مقصدِ حقیقی کا حصول ناممکن نہیں مشکل ضرور ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ عبادت و ریاضت کی محبت دل میں رکھنا اور سچی ارادت کا بیج دل کی زمین میں کاشت کرنا راہِ صواب ہے۔ اولوالالباب کا یہی مشورہ ہے اور قرآن حدیث کے مطابق بھی یہی ہے۔

قرآنِ مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ یٰاَیُّھَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّکُمْ اے لوگو! تم اپنے رب کی عبادت کرو اور ارشاد کا فرمان ہے۔ وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ (پارہ ۲۷ رکوع ۲) اور میں نے جن اور آدمی صرف اس لئے پیدا کئے کہ میری عبادت کریں بعض مفسرین نے لِیَعْبُدُوْنِ کا معنی یا "لِیَعْرِفُوْنِ" یعنی میری پہچان رکھیں۔

لیکن مبتدیوں کیلئے علم ظاہری کا حاصل کرنا ضروریاتِ دین میں سے ہے۔ لازم ہے کہ پہلے پہل کمر استقامت باندھ کر تمام تعلقات دُنیاوی سے فراغت کر کے تھوڑے دنوں میں ضروری علمِ دین حاصل کرلیں اور گرانمایہ عمر ضائع نہ کریں۔ مثل مشہور ہے کہ گزرا ہوا پانی اور نکلا ہوا تیر واپس نہیں لایا جا سکتا۔ سیدنا سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے اَعْظَمُ الْمَصَائِبِ فَوْتُ الْوَقْتِ بِلَا فَائِدَۃٍ، بلا فائدہ وقت گزارنا اور اسے ضائع کرنا سب سے بڑی مصیبت ہے۔ لہٰذا علم حاصل کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرنی چاہیئے۔

جیسا کہ بزرگوں نے فرمایا ہے۔ ؎

علم را ہرگز نیابی تا نباشد شش خصال　　　حرص وافر، فہم کامل، جمع خاطر کل حال!

ہمت استاد مشفق سبق ہم باشد مدام　　　لفظ را تحقیق گردان تا شوی مرد کمال

علم حاصل کرنیوالے طالب علم میں چھ صفات پایا جانا ضروری ہیں۔ شوق مکمل سوچ سمجھ اور ہر طرح سے سکون واطمینان، مھربان استاد کی توجہ قلبی، بلاناغہ سبق اور الفاظ کی تحقیق ہو تاکہ علم میں کمال حاصل ہو جائے۔

میرے عزیز! جب بفضل الٰہی مرحمت نامتناہی، علم ظاہری سے دینی مسائل اور اسلامی فضائل حاصل ہوں۔ حق و باطل کا امتیاز کرنے میں مہارت مل پائے تو پھر جس کام کیلئے لیاقت ہو اسی کام کو شروع کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے مطلب و مقصد میں بندہ کی طرف سے قطعاً بخل سے کام نہ لیا جائے گا مقسوم ازلی اور سعادت لم یزلی سے آپ کا جو نصیب ہے ضرور مل کر رہے گا۔

ہرچہ نصیب است تو مے رسد
ورنہ ستانی بستم مے رسد

جو کچھ نصیب ہوتا ہے ضرور مل پاتا ہے اگر کوئی اسے نہ لینا چاہے تو بالجبر والاکراہ دیا جاتا ہے۔

وظائف و نوافل فکر و ذکر مشائخ چشت اہلِ بہشت ترتیب وار ذکر ہیں لیکن فی الحال

ا۔ پانچوں وقت ہر نماز کے بعد سُبْحَانَ اللّٰہ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، ۳۳-۳۳ بار

اور اَللّٰہُ اَکْبَرُ ۳۴ بار خمس الاوقات پڑھے جائیں۔

۲۔ ہر نماز کے بعد پڑھا جائے آیت الکرسی ایک بار۔ آیتِ کریمہ وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا وَّیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ قَدْ جَعَلَ اللّٰہُ لِکُلِّ شَیْءٍ قَدْرًا (پارہ ۲۸ رکوع ۱۷) سُورۃ فاتحہ شریف ایک بار سُورۃ اخلاص تین بار اور آخر میں درُود شریف تین بار ــــ آسمان کی طرف مُنہ کر کے دَم کر دیا جائے۔

فوائد یہ ہیں حق تعالیٰ رُوح اس کی خُود آپ قبض فرمائیں گے ملک الموت کا واسطہ نہ رہے گا۔ سکرات الموت سے آسانی ہوگی۔ قبر میں راحت اور رُوح قبض ہوتے ہی سیدھی جنّت ملے گی۔ بالخصوص دُنیا میں روزی فراخ ہوگی۔

۳۔ مغرب کی نماز باجماعت ادا کرنے کے بعد اوابین کی چھ رکعت، تین سلام سے پڑھی جائیں طریقہ یہ ہے ہر رکعت میں سُورۃ فاتحہ کے بعد تین تین دفعہ سُورہ اخلاص پڑھی جائے۔ اس کے بعد ایک دوگانہ حفظ الایمان پڑھیں طریقہ یہ ہے کہ رکعت اوّل میں فاتحہ کے بعد سُورہ اخلاص سات بار اور سُورۂ فلق ایک بار دوسری رکعت میں فاتحہ کے بعد سُورۂ اخلاص سات بار اور سُورہ النّاس ایک بار پڑھی جاوے بعد سلام سجدہ میں سر رکھ کر تین بار یہ دُعا مانگیں (یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ ثَبِّتْنِیْ عَلَی الْاِیْمَانِ)۔ یہ کافی ہے اگرچہ زیارت بہتر ہے۔

# مکتوب ⑤

جنابِ عالی گذارش خاکسار داعی فی العشق والابکار عاجز زار یہ ہے کہ نیاز مند تعلیم حاصل کرنے میں رات دِن مصروف ہے مہربان اُستادِ محترم کی شفقت کے طفیل، مطالعہ سبق اور اس کی مضبوطی میسّر ہے زہے نصیب! مگر وجہ معاش خاطر خواہ حاصل نہ ہونے کے سبب، اس مسکین کا دِل غمگین رہا کرتا ہے۔ سکون نہ ہے بلکہ پریشانی لاحق ہے اور پشیمانی بھی۔ دِل ہی دل میں کہا کرتا ہوں زبان شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ وعلیٰ من لدیہ

کساں شہد نوشند و مرغ و برہ — مرا روئے نان مے نہ بیند ترہ
خُداوند روزی بحق مشتغل — پراگندہ روزی پراگندہ دِل

لوگ شہد پیتے ہیں اور بھُونا مُرغ کھاتے ہیں اور میرے نصیب میں روٹی کیلئے سبزی تک میسّر نہ ہے۔ دولت مند ہر وقت اللہ کی یاد میں مشغول ہوتا ہے۔ مگر ایک مسکین جس کا رزق پُورا سورا ہو وُہ پریشان حالت میں وقت پاس کئے جاتا ہے۔

غریب نواز مدد فرمایئے تاکہ بندہ کا رزق وسیع ہو اور فتوح الغیب کے دروازے اس بندہ مسکین پر کھُل جائیں۔ اور ساتھ ہی کم ازکم اتنی ضرور ہو کر فقر و فاقہ کی فکر دِل میں نہ رہے زیادہ حد آداب۔

# جواب ۵

برخوردار بعد از سلام خیریت انجام معلوم ہو اور ہوش کے کان سے سنو یقین کی آنکھوں سے دیکھو کہ عبادت و ریاضت کی بنیاد، توکل ہے جو کہ قربِ الٰہی کے دروازہ کی کنجی اذعان و عرفان تک پہنچانیوالی بے انتہا ولایت کے لئے کسوٹی ہے۔ توکل جب تک موجود نہ ہو کاملِ ایمان کا وجود ناممکن ہے۔ قرآن مجید میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے فَتَوَکَّلُوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ پس (اللہ پر) توکل کرو اگر تم ایمان دار ہو۔ توکل کا معنی ہے نفس کی تدبیروں سے کنارہ کشی کر لینا یعنی جمیع اسباب سے منہ پھیر لینا اور احکامِ خداوندی کے آگے سرِ تسلیم خم کر لینا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَقَالَ مُوْسٰی یٰقَوْمِ اِنْ کُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰہِ فَعَلَیْہِ تَوَکَّلُوْا اِنْ کُنْتُمْ مُّسْلِمِیْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۴) موسیٰ کلیم علیہ السلام نے کہا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اس پر بھروسہ رکھو اگر تم مسلمان ہو۔

اے عزیز! توکل حصول ایمان کیلئے مشروط ہے اور دعا کی قبولیت کا دار و مدار توکل پر ہے۔ تفسیر بیضاوی شریف میں ہے فَقَالُوْا عَلَی اللّٰہِ تَوَکَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَۃً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۴) بولے ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ رکھا۔ الٰہی ہم کو ظالم لوگوں کیلئے آزمائش نہ بنا۔ فِیْہِ تَنْبِیْہٌ عَلٰی اَنَّہٗ عَلَی الدَّاعِیْ اَنْ یُّقَدِّمَ التَّوَکُّلَ لِیَکُوْنَ مُجَابًا۔ دعا کرنے والے پر لازم ہے کہ توکل کو دعا سے اوّلین مقام دے تاکہ دعا قبول ہو۔ (اللہ پر بھروسہ کرنا کمال ایمان کا مقتضا ہے)

مشائخِ عظام توکل کو حاصل کرنے کیلئے بے حد کوشاں نظر آتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کا مقصد بعثت بھی توکل کا حصول ہے تاکہ مکر غرور اور ریا سمعہ و شہرت جیسے مذموم عادات جڑ سے اکھیڑ دیئے جائیں۔ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ

الفقراء اللہ غنی ہے اور تم محتاج ہو (پارہ ۲۶ رکوع ۸) لازم ہے کہ اپنی مرادیں اللہ کے سپرد ہوں اور صرف اسی سے احتیاج رکھیں (دستور ہے) محتاج وفقیر، غنی کی طرف جاتا ہے اسی سے کچھ مل سکتا ہے، فقیر کی طرف توجہ کرنے میں کیا ملے گا اور یہ بھی طے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کون غنی ہے۔ لہٰذا انسان اپنی تمام حاجات اسی کے سپرد کر دے تاکہ سب مرادیں بر آویں۔ یہ سچ ہے۔ مَنْ لَّہُ الْمَوْلٰی فَلَہُ الْکُلُّ اللہ جس کا معاون ہو سب کچھ اسی کا ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ توکل کے تین مدارج ہیں ادنیٰ ۔ اوسط اور اعلیٰ ادنیٰ درجہ یہ ہے جیسا کہ شیر خوار بچہ صرف اور صرف اپنی ماں سے مطلب رکھتا ہے۔ اور بس طالب سلوک کو چاہیئے کہ وہ تمام حاجات و مرادات سوائے اپنے رب کے اور کسی سے طلب نہ کرے۔

اوسط درجہ کی مثال غسل دینے والے کے ہاتھ میں میت کی سی ہے۔ جب تک غسل دینے والا نہ چاہے میت میں کوئی حرکت نہیں ہوتی طالب صادق اللہ تعالیٰ سے بھی کوئی مطالبہ نہ کرے اس سے جو ملے بسر وچشم قبول کرلے جیسا کہ سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا حَسْبِیْ سَوَالِیْ عِلْمُہٗ بِحَالِیْ میرے حال سے اس کا باخبر رہنا میرے سوال کیلئے کافی ہے۔

ارباب حاجتیم زبان سوال نیست — درحضرت کریم تمنا چہ حاجت است

ضرورت مند ہیں مگر خاموش ہیں اس کریم کے حضور آرزو کرنا ضروری نہیں (وہ بے مانگے دیتا ہے۔)

پہلے مرتبہ میں ثابت قدم رہنا لازم اور ضروری ہے دوسرے مرتبہ میں دوام ضروری نہیں ہے۔

اعلیٰ درجہ کا توکل یہ ہے کہ فنا و بقا کا مقام حاصل ہو یعنی جمیع ذرائع و وسائل کو چھوڑ کر صرف اللہ رب العالمین کا ہو رہنا توکل ہے۔ انبیاء علیہم السلام کو توکل سے خاص لگاؤ تھا ہمیں بھی چاہیئے کہ اس صفت کو حسب استطاعت حاصل کیا جائے۔

زہے سعادت ۔ سعدی رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔

برتوکل گر بود فیروزیت! حق دہد مانند مرغان روزیت
مرترا انکس کہ فردا جاں دہد غم مخور آخر کہ آب و نان دہد
تا بکے چون مور باشی دانہ کش گر تو مروی فاقہ را مردانہ کش
از خدا شاکر بود مرد فقیر! گر دہد قوتش لب نانِ فطیر!

اگر تیرا اوڑھنا بچھونا، توکل بن جائے تو اللہ تعالیٰ تجھے پرندوں کی مانند روزی بہم پہنچائے گا۔ کل تک جس پاک ذات نے تجھے زندہ رکھنا ہے۔ فکر نہ کیجئے روٹی پانی دینا بھی اُسی کی ذمہ داری ہے۔ کیڑے مکوڑوں کی طرح کیسے کب تک آب و دانہ میں سرگردانی ہوگی۔ جوان مرد ہو تو فقر و فاقہ سے ایکا کر لو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر کرتا رہتا ہے فقیر مرد خواہ اسے نان جویں تک میسر آئے یا نہ آئے۔ والسلام علی من اتبع الہدیٰ۔

البتہ کشائش رزق کیلئے عمل لکھا جاتا ہے مداومت شرط ہے۔ فائدہ ہوگا۔ صبح کی نماز کے بعد یَا مُفَتِّحُ فَتِّحْ۔ یَا مُفَرِّجُ فَرِّجْ۔ یَا مُسَبِّبُ سَبِّبْ یَا مُسَهِّلُ سَهِّلْ یَا مُتَمِّمُ تَمِّمْ بالخیر برحمتک یا ارحم الراحمین ۲۱ بار پڑھیں اور فجر کی سنت و فرض کے درمیان سورہ فاتحہ شریف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی میم کو ملا کر ۴۱ بار پڑھیں۔ الٰہی عاقبت بالخیر والمسرت گردان۔

آمین ثم آمین

بجناب عالی مدظلہ العالی بندہ گنہگار احقر العباد عاجز عرض رساں ہے کہ بعض طلبہ بوجہ جہل وعناد فتنہ انگیز اور شر خیز واقع ہوئے ہیں اور لگاتار ان کا کہنا ہے کہ "بیعت" بدعت ہے۔ پہلے زمانے میں اصحاب کرام جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف ایک مقصد پر بیعت ہوتے تھے کہ کافروں سے جہاد کیا جائے اور بس۔ اب جبکہ اندریں وقت "جہاد" نہیں رہا بیعت ختم شد۔

میرے محترم پیر و مرشد اس غلام بے دام کی بات لغو واہی اور غیر معتبر صحیح، مگر زیادہ مناسب ہے۔ کہ از راہِ نوازش، اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث تحریر میں لائی جائے تاکہ آپ کے دامن سے وابستہ غلام محکم اور مستحکم ہوں اور دوسرے لوگ ان بدعقیدہ لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرکے صراطِ مستقیم پر آجائیں۔

# جواب ⑥

برخوردار بعد از سلام سُنّت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم معلوم ہو کہ شیخ کامل کی بیعت کرنا (جو کہ شیخ کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور ان سے عہد و پیمان باندھنے کا نام ہے) ایک ایسی سعادتِ عظمیٰ اور نعمتِ قصویٰ ہے جو اللہ پاک کے حضور پہنچ پانے کا بہترین وسیلہ اور خوبصورت ذریعہ ہے۔

اے برادرِ عزیز! یاد رکھنا چاہیئے کہ وسیلہ کاملہ کے بغیر کوئی کام انجام کو نہیں پہنچ سکتا۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے: یَاۤ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پارہ ۶ رکوع ۱۰) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ مثال کے طور پر ایک چھوٹی سی چیونٹی اگر خانہ کعبہ کا طواف کرنا چاہے تو جس قدر بھی کوشش کرے اس کے لئے وہاں پہنچنا ممکن نہیں ہوگا اور اگر کسی بلند پرواز شہباز کے قدم پکڑ لے تو ضرور اُسے خانہ کعبہ کی حاضری نصیب ہوگی۔ بہر کیف شیخ کامل کا دامن فیض میامن پکڑ لینا ضروری ہے۔ جس کی گفتگو، سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو جیسی ہو اور جس کے افعال واحوال جنابِ رسولِ پاک کے افعال واحوال کے مطابق ہوں تاکہ اخروی سعادت اور اُس جہان کی نجات اور ترقیٔ درجات کا وسیلہ بن جائے مَنْ لَیْسَ لَهٗ شَیْخٌ فَشَیْخُهُ الشَّیْطَانُ یعنی جس کا مُرشد نہ ہو اس کا شیخ شیطان بن جاتا ہے۔

خواجگی بے پیر بودن کارِ ناداناں بود!
ہر کرا پیرے نباشد پیرِ او شیطاں بود

پیر و مُرشد قبول کئے بغیر خواجہ بن جانا نادانی ہے جس کا پیر و مُرشد نہ ہو اُس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

اگر ان اوصاف سے متصف پیرِ کامل میسّر نہ ہو تو اس کی تلاش و جستجو میں بے حد جدوجہد کرے اور اس کے انتظار میں عمر گزارے۔ نماز کی انتظار میں بیٹھنے والے، نمازی کا حکم رکھتے ہیں۔

بہرحال شیخِ کامل کے بغیر دین و دنیا کے کام نہیں بن پاتے خصوصاً جو سب سے اعلیٰ و اولیٰ مقصد و مطلب ہے کہ "خود اور خودی سے نجات پائے" یہ مقام اور مقصد اعلیٰ پیرِ کامل کی مدد کے بغیر قطعاً میسّر نہیں آسکتا۔ مثنوی ؎

رستن ازیں پردہ کہ بر جان تست
بے مدد پیر نہ امکان تست!
پیر کہ باشد شہہ کون و مکان
خواجۂ داد و ستد و کن فکان!

جان و دل پر پڑے ہوتے غفلت والے پردے سے نجات پانا، شیخِ کامل کی مدد کے بغیر ناممکن ہے۔ پیر کون ہے؟ کون و مکان کا بادشاہ اور کن فکاں، کی داد و دہش یعنی (عطا) کا حاکم ہوتا ہے۔

کتاب "ارشاد العاشقین" وغیرہ کتب میں امیرالمؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، سے مروی ہے کہ جس وقت جبریل علیہ السلام آیتِ کریمہ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (پارہ ۶ رکوع ۵)

(آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو بطورِ دین پسند کیا۔) کو بارگاہِ ربّ العزت سے لے کر رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو تمام اصحابِ کرام اس کو سن کر بہت زیادہ خوش اور مسرور ہوئے (کہ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے ہمارے دین کو مکمل کر دیا اور اپنی معرفت اور توحید کو پورا کر دیا اور ہمارے دین پر کہ اسلام ہے راضی ہوا۔) سب خوش تھے اور شکر ادا کر رہے تھے مگر حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ،

غمگین ہوکر زار و قطار رونے لگے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا اے ابوبکرؓ!
آج تو خوشی اور شادی کا دن ہے کہ ہمارا دین کمال کو پہنچا اور اللہ تعالیٰ اسلام کے باعث
ہم پر خوش ہو گیا۔ ایسے دن غمگین اور محزون ہونے کی کیا ضرورت؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ
مزید زار و قطار روئے اور فرمایا کہ مجھے اس آیت قرآنی سے فراق یار کی بُو آتی ہے اس
لئے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہمارے دین کو کامل اور
نعمت کو تمام کرنے کی خاطر بھیجا تھا۔ جب ہمارے دین کو کامل کر دیا گیا۔ اور معرفت و
توحید کی نعمتیں ہمیں عطا فرما دی گئیں تو اب اللہ تعالیٰ انہیں ہم میں صورت حیات دنیویہ
کے ساتھ نہ رکھے۔ اس لئے کہ ہر کمال کو زوال اور تمام کو نقصان آنا لازم ہے۔ چنانچہ جب
درخت کا میوہ پکنے کو آتا ہے تو خوشہ چین اسے زمین پر لا رکھتا ہے اور پہلی کے چاند
سے چودھویں کا بدر منیر بن جاتا ہے تو ہر روز نقصان کی طرف بڑھتا ہے اور آخر کار محاق
میں پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح جب دین متین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم اپنے کمال کو پہنچ گیا تو غالب گمان یہ ہے کہ قریبی ایام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
ملک قدم کی طرف رخت سفر باندھ لیں گے۔ حیراں ہوں کہ ان کے بعد ہمارا کیا حال ہوگا۔

آیت کے نزول کے بعد جناب احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ
اجمعین صرف اسّی [۸۰] دن یا اکیاسی [۸۱] دن اس دنیا میں بقید حیات رہے۔ سید العالمین صلی اللہ
علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وفات مبارکہ سے پہلے حضرت جبرائیل علیہ السلام، حضور پاک کی
خدمت میں آیت مبارکہ، مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ وَمُقَصِّرِيْنَ لَا تَخَافُوْنَ فَعَلِمَ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا
فَجَعَلَ مِنْ دُوْنِ ذٰلِكَ فَتْحًا قَرِيْبًا (پارہ ۲۶ رکوع ۱۱)

(تم اپنے سروں کے بال منڈواتے اور ترشواتے ہوتے بے خوف ہو تو اس نے
جان لیا جو تمہیں معلوم نہیں تو اس سے پہلے، ایک نزدیک آنیوالی فتح رکھی۔) اور چار ٹوپیاں
بہشت سے لے کر حاضر ہو گئے۔

ایک گوشہ۔ دو گوشہ۔ تین گوشہ اور چار گوشہ والی

یک ترکی۔ دو ترکی۔ سہ ترکی اور چار ترکی اور عرض کیا کہ یہ چاروں ٹوپیاں سر مبارک پر

رکھیں پھر جسے چاہیں عطا کر دیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخلوق ہونے کا واقعہ مشہور ہے۔ چنانچہ شیخ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "قوۃ العارفین" میں فرماتے ہیں کہ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے بال تراش لئے اور وہ چاروں ٹوپیاں (باری باری) سر اقدس پر رکھیں اور اس کے بعد کلاہ یک ترکی حضرت ابوبکرؓ کو عنایت فرمائی اور تکبیر بلند فرمائی اور کلاہ دو ترکی حضرت عمرؓ کا سر مونڈ کر ان کے سر پر رکھ دی، تکبیر بلند کی، کلاہ سہ ترکی حضرت عثمان غنیؓ اور کلاہ چار ترکی حضرت علی المرتضیٰؓ کے سر مونڈ کر اُن کے سر پر رکھ دی اور تکبیر بلند کی

بعد ازاں ان تمام اصحاب کو آنجناب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ہاتھ مبارک پر بیعت فرمایا۔ چونکہ چار پیر اور چار تکبیر کی کہاوت ہے اسلئے واضح ہو کہ چاروں اصحاب کرام میں سے ایک ایک فرد، صاحب کلاہ خلیفہ کامل اور ولی مکمل تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ارشاد فرمایا چاروں بِاَیِّہِم اِقْتَدَیْتُم اِھْتَدَیْتُم کا مرتبہ رکھتے تھے رضوان اللہ علیہم اصحاب کرام میں سے جس جس کی پیروی کرو گے ہدایت پالو گے۔

(نوٹ درج بالا واقعہ (بیعت و کلاہ پوشی) ارشاد السالکین مصنفہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ اور ملفوظات خواجہ شیخ نظام الدین اولیاء میں پایا جاتا ہے مترجم)

منقول ہے کہ جب نبی پاک صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کفار کی جنگ میں مغلوب ہو کر کسی ایک مقام میں فروکش ہوئے تو حضرت امیہ رضی اللہ عنہ چار ہزار سواروں سمیت لشکر کفار سے علیحدہ ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آداب بجا لایا اور ہاتھ باندھے عرض کی مجھے حلقہ اسلام میں داخل فرمایا جائے۔ رحمۃ اللعالمین نے اسے گلے لگالیا اور اپنے قریب بٹھا دیا مگر اصحاب کرام نے باہم صلاح و مشورہ کر کے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ امیہ کے ایمان و اسلام پر اعتماد نہ کیا جائے شاید کہ دھوکہ دے جائے دغا باز ہے۔ اسے لشکر اسلام سے علیحدہ کر دیا جائے۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا امیہ صحیح اسلام لایا ہے۔ صحابہ نے از روئے مصلحت یہ بات قبول نہ کی آخر اپنے یاروں کی پاس خاطر مطلوب تھی اسی مصلحت کی بناء پر حضور نے امیہ کو آبدیدہ

حالت کے باوجود علیحدہ کر دیا اور حکم دیا کہ امیہ ہمارے لشکر سے علیحدہ رہے امیہ علیحدگی کا حکم سن کر اپنے آپ میں نہ رہا روتے ہوئے عرض کی صبح سویرے کل کے دن میرا سچ جھوٹ ظاہر ہو جائے گا۔ جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ میں سچا دل لے کر آپ کے حضور آیا تھا میرے دل میں کچھ بگاڑ نہیں ہے۔ اثنائے گفتگو میں سیدنا جبرائیل علیہ السلام آیت مبارکہ لے کر حاضر ہو گئے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُبَايِعُوْنَ اللّٰهَ يَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَيْدِيْهِمْ فَمَنْ نَّكَثَ فَاِنَّمَا يَنْكُثُ عَلٰى نَفْسِهٖ وَمَنْ اَوْفٰى بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهُ اللّٰهَ فَسَيُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا (پارہ ۲۶ رکوع ۹) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔ ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے تو جس نے عہد توڑا اس نے اپنے برے عہد کو توڑا اور جس نے پورا کیا وہ عہد جو اس نے اللہ تعالیٰ سے کیا تو بہت جلد اللہ اسے بڑا ثواب دے گا۔

اور جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ کے رسول امیہ سچا ہے جھوٹا نہیں تب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے امیہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بیعت فرمایا اور ٹوپی عطا کر دی۔ تمام ساتھ بیٹھے اصحاب نے عرض کی کہ ہمیں بھی بیعت فرمایئے۔ آپ نے فرمایا مدت ہوئی کہ تم تو حلقہ بیعت میں داخل ہو چکے ہو۔ اصحاب نے عرض کیا کہ پہلے وقت میں صرف "مصافحہ" کی صورت میں بیعت کا حکم آیا تھا اسوقت کہ دست بیعت کا حکم آیا ہے۔ نوازش فرمایئے اور ہمیں بھی از سر نو دست بیعت فرمایئے۔ پاک نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے از سر نو سب اصحاب کو نئی بیعت سے عزت یاب کیا اور حکم دیا کہ تم اپنے بعد آنیوالوں کو بیعت کیا کرو تاکہ یہ سلسلہ قائم دائم رہے۔

بہت سی احادیث جو اس بارے میں وارد ہیں ان میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے جسے ذخیرۃ المشائخ میں بروایت ابی ہریرہؓ اور عائشہ صدیقہؓ روایت کیا گیا ہے کہ جب سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے دار باقی کو تشریف لے گئے۔ خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم، لوگوں کو دعوت اسلام دیتے رہے اور جب نبوت و خلافت کے دونوں بہترین دور اختتام کو پہنچے اور خلفائے راشدین بھی شربت فنا نوش جان کر کے

دارالبقا کو سدھار گئے تو بعدہ اصحاب کرام رضی اللہ عنہم نے لوگوں کو کفر سے نکال کر اسلام میں داخل کرنے اور اسلام کی دعوت دینے کا یہ سلسلہ جاری رکھا جب دو قرن اسی طرح گزر گئے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے شربتِ فنا چکھ لیا اور بہشت میں جا پہنچے تو چونکہ تمام صحابہ کرام براہِ راست نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سندِ ہدایت رکھتے تھے اور اُنہوں نے دعوتِ اسلام کا رشتہ ہاتھ سے جانے نہیں دیا تھا اس لئے جب اِن حضرات نے اپنی حیاتِ ظاہری پر موت کا حجاب ڈال لیا تو پھر علمائے تابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین باصدق وصفا اتفاق کر کے لفظاً ومعنیً یہ بات تسلیم کر گئے کہ بموجب "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" (یعنی میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں تم جس کی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے۔) اصحاب کرام رضی اللہ عنہم تو بظاہر نظروں سے گئے کہ ہم ان کی پیروی کریں دست بیعت ہوں جیسا کہ بعد رسول کریم ابوبکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ عثمان رضی اللہ عنہ وعلی رضی اللہ عنہ ترتیب وار خلافت پر بیٹھے کیونکہ یہی چاروں ہی اس کا حق رکھتے تھے کہ رسولِ خدا کی مسند خلافت پر یکے بعد دیگرے بیٹھے۔ چونکہ مولیٰ علی رضی اللہ عنہ پر خلافت ختم ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایسے قائم مقام سجادہ نشین کی جستجو اور تلاش جاری رکھی جو کہ خلقِ خدا کی رہنمائی کر پائے تو حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو جناب امیر المومنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا خلیفہ موزوں پایا علمائے تابعین اور ہادیانِ دینِ متین میں سے ہر ایک نے حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہ کو مرجع بنا لیا۔ اور ان کے دستِ حق پرست پر بیعت ہونے لگے۔ بہر کیف پیری مریدی اور بیعت یعنی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور عہد باندھنے کا سلسلہ، اس روز سے ظاہر ہوا۔

ورنہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کے مبارک دور میں پیری مریدی کی صرف یہی ایک صورت تھی کہ باہم مل بیٹھنا اور ایک دوسرے سے محبت رکھنا اور استفادہ کرنا (چونکہ اصحاب صحبتِ نبوی کی وجہ سے نورانی دل رکھتے تھے اور آپ کے حضور میں متادب بن چکے تھے۔ لہٰذا بیعت مروجہ کی ضرورت نہ تھی) اسی وجہ سے پیری و مریدی کے تمام چودہ سلسلے حضرت خواجہ حسن البصری رضی اللہ عنہ سے پیدا ہوئے ھٰکذا فی کتب المشائخ

**فائدہ**:۔ پیری و مریدی کے ثبوت میں (زمانہ نبوت وخلافت اور تبع تابعین وغیرھم) میں آیاتِ قرآنیہ احادیثِ نبویہ اور اقوال قدسیہ ایک ایسی مستحکم اور قطعی اصل و بنیاد ہیں جسے

مضبوط اور سیسہ پلائی دیوار کہا جاتا ہے اس میں کسی منکر کو انکار کی گنجائش نہیں۔ آیات و احادیث اور اقوال قدسیہ درج ذیل ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَةَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ (پارہ ۶ رکوع ۱۰) اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پر کہ فلاح پاؤ۔

آیتِ مقدسہ میں "الوسیلہ" سے مراد مرشد کامل سے بیعت ہونا ہے۔ ؎

مور مسکین ہوس داشت کہ در کعبہ رود
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید!

مسکین چیونٹی کو "حاجی صاحب" بننے کا شوق چرایا کبوتر کے پاؤں پکڑ لئے اور اچانک خانہ کعبہ جا حاضر ہوئی۔ آیتِ قرآن ہے۔ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ فَمَنْ تَوَلّٰی فَمَآ اَرْسَلْنٰکَ عَلَیْھِمْ حَفِیْظًا (پارہ ۵ رکوع ۸) جس نے رسول کی اطاعت کی بیشک اس نے اللہ کا حکم مانا اور جس نے منہ پھیرا تو ہم نے تمہیں ان کے بچانے کو نہیں بھیجا۔

بحر الحقائق میں ہے کہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم وصف فنافی اللہ وبقا باللہ سے موصوف تھے پس جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قائم مقام ہوگا وہ گویا اللہ تعالیٰ سے قائم اور یقیناً خلیفۃ اللہ ہوگا۔ ثابت ہوا کہ خلافت، نبی کریم اور آپ کے متبعین صاحبان کرامت کا حق ہے جیسا کہ خود اللہ رب العزت فرماتے ہیں وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی ، (پارہ ۹، رکوع ۱۶) اور اے محبوب وہ خاک جو تم نے پھینکی وہ تم نے نہ پھینکی تھی میں اللہ نے پھینکی تھی۔ اور دوسرے مقام پر ارشادِ باری تعالیٰ ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰہَ (پارہ ۲۶ رکوع ۹) وہ جو تمہاری بیعت کرتے ہیں وہ تو اللہ ہی سے بیعت کرتے ہیں۔

لہٰذا ضروری ہے کہ کسی مرد عارفِ کامل کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا جائے کیونکہ باطن و ظاہر تمام مشکلوں کے حل کرنے اور معرفت و معنی (باطن) کے دروازوں کے کھولنے کی کنجی، پیران کرام اور مرشدوں کی جانب سچی توجہ کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔

چوں تہی گشت از خود پُر شد ز دوست | بیشکے فرمان ایں، فرمان اوست!
مارمیت فاش گوید بر ملا! | کہ نیفگندی تو، افگندیم ما
تو دد افگندن نہ جز آلتے | فعل فاعل را بود بے علتے!
عقل اینجا راہ ندارد وہم نیز | چشم بکشا لب فرو بند اے عزیز

جب کوئی شخص اپنے آپ سے خالی ہوکر اپنے اندر دوست (حقیقی) کو بسا لے۔ پھر اس میں شک ہی نہیں رہتا کہ اس شخص کا حکم، حکم خدا بن جاتا ہے۔ دلیل چاہیئے تو ما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی، سے صاف اور کھلم کھلا پتہ چلتا ہے کہ اے پیارے محبوب تو نے نہیں پھینکا ہم نے پھینکا ہے۔ (قرب فرائض کے مقام پر فائز ہوکر) تم مٹی پھینکتے وقت صرف آلہ تھے۔ فاعل اللہ تعالیٰ ہے اور فعل کی نسبت، بے شبہ اور یقیناً فاعل کی طرف ہوتی ہے۔ رہی عقل و وہم۔ یہ لب بام رہ کر کچھ بھی راہ نہیں پا سکتی لہٰذا زبان بند کر کے آنکھ کھولو۔ سب کچھ نظر آجائے گا۔

وہ لوگ جو...... اہل اللہ کے انکاری اور انہیں اپنی مثل جانتے ہیں یہ سراسر جہالت اور محض باطل ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے وَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ مَا نَرٰکَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا وَمَا نَرٰکَ اتَّبَعَکَ اِلَّا الَّذِیْنَ ھُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ (پارہ ۱۲ رکوع ۳)

تو نوح علیہ السلام کی قوم کے سردار جو کافر ہوئے تھے، بولے ہم تو تمہیں اپنے ہی جیسا آدمی دیکھتے ہیں، ہم نہیں دیکھتے کہ تمہاری پیروی کس نے کی مگر ہمارے کمینوں نے "سرسری نظر سے" اور ہم تم میں اپنے اوپر کوئی بڑائی نہیں پاتے بلکہ ہم تمہیں جھوٹا خیال کرتے ہیں۔ اور وہ حقیقتِ انسانی کو سمجھنے سے قاصر رہے۔

ہمسری با انبیا میداشتند! | اولیا را ہمچو خود پنداشتند
گفت اینکہ ما بشر ایشاں بشر | ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خور
ایں نہ دانستند ایشاں از عمیٰ | ہست فرقے درمیاں بے انتہا
ہر دو گوں زنبور خوردہ از یک محل | زیں یکے شد زہر وزاں دیگر عسل

ہر دو گوں آہو گیاہ خوردند و آب — زاں یکے شد خون و دیگر مشک ناب

آن دو نے خوردند از یک آب وخور — ایں یکے خالی و دیگر پُر شکر ؛

صد ہزاران ایں چنیں اشباہ بیں — فرق شان ہفتاد سالہ راہ بیں

لوگوں نے انبیاء علیہم کو اپنے برابر اور اولیاء کرام کو اپنی ہی مثل جان لیا۔ اور کہا ہم اور وہ (نبی و ولی) سبھی لوگ آدمی ہیں اور کھانے پینے کے پابند ہیں مگر دل کے اندھے تھے۔ انہیں فرق نظر نہ آسکا۔ غور کیجئے ! دونو مکھیاں ایک ہی پھل پھول کھایا کرتی ہیں مگر ایک مکھی میں زہر اور دوسری مکھی میں شہد پیدا ہوتا ہے۔ دونو ہرن ہیں کھانا پینا ایک ہے مگر ایک میں خون بنا اور دوسرے میں خالص مشک۔ دونو نرمل یعنی گنّوں کا خورد و نوش واحد ہے (مگر اللہ کی قدرت دیکھیئے) کہ ایک بانس کی شکل بن کر اندر سے خالی رہا اور دوسرا شکر اور چینی سے بھرا ہوا ہے۔

اے برادر ہزاروں ہم شکل اور ہم صورت اشیاء موجود ہیں لیکن ان کے درمیان ہزاروں سال کی راہ کا فرق پایا جاتا ہے۔ (اللہ سمجھ دے آمین)

احادیث مبارکہ :-

۱۔ مَنْ لَا شَیْخَ لَہٗ فَشَیْخُہُ الشَّیْطَانُ

جس کا مرشد نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔

۲۔ حضور نے فرمایا : اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ (جامع صغیر ص ۲۳)

شیخ اپنی قوم میں ایسے ہے جیسے نبی اپنی اُمت میں ہوتا ہے۔

۳۔ عُلَمَاءُ اُمَّتِیْ کَاَنْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ

میری اُمت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء علیہم السلام کی مانند ہیں ان کے علاوہ بہت سی احادیث موجود ہیں۔

ان احادیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ پیر لینا اور مرید ہونا طریقت میں فرض اور شریعت میں سنت ہے۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کاہل و جاہل کی صحبت و دوستی اور بدمذہب و بدمشرب کے ساتھ

مل جل کر رہنے اور اس سے ربط و تعلق سے پرہیز ضروری ہے۔ ورنہ عمر گرانمایہ کا ضیاع ہی ضیاع ہوگا۔ اس لئے کہ پیرانِ عظام کا ذکر ایمان کو تازہ کرتا ہے اور ان کے حالات کا مطالعہ مریدین کے ایمان پر تجلی ڈالنے میں اکسیر ہے۔

نیز اہلِ سنت و جماعت میں سے کسی کامل محترم مکرم استاد کے سامنے زانوے تلمیذ حصولِ تعلیم کے لئے تہہ کئے جائیں۔ عقائد میں افراط و تفریط سے دور رہیں۔ اللہ و رسول کے حضور، مقبول و پسندیدہ ہونے کے لئے ضروری ہے کہ بری عادات اور خراب اخلاق سے دامن بچایا جائے۔ حیاتِ دنیوی کا کیا بھروسہ؟ کیونکہ زندگی کی دیوار بے بنیاد ہے۔ جب عمر کا پیمانہ اجل کے ہاتھوں ٹوٹ جاتا ہے تو تاخیر کئے بغیر بہت جلد، کمرِ ہمت باندھ کر ارادت و عقیدت کے کوچہ میں آجایئے اور کسی کامل پیر کا ہاتھ پکڑ لیجئے اور مرید ہوجایئے۔ تاکہ بیعت، اخروی سعادتوں اور اس کی نجات اور ترقی کا وسیلہ بن جائے۔ والسلام ۔

مترجم: پیر را بگزین کہ بے پیر ایں سفر
ہست بس پر آفت و خوف و خطر

ترجمہ: مرشد کامل کا دامن پکڑ کیونکہ مرشد کے بغیر یہ سفر بہت آفت زدہ اور خوف و خطرہ سے پر ہے۔

جنابِ عالی دام ظلکم ابداً۔

خواص و عوام میں چودہ سلسلوں کا ذکر مشہور و معروف ہے۔ بعض لوگ انکاری ہیں اور کچھ لوگ ان کے متعلق اعتقاد راسخ اور اقرار صادق رکھتے ہیں مگر دونوں طرف افراط و تفریط پایا جاتا ہے آنوالہ شان کے معتقدین میں سے چند غلام، اِس ناچیز سے بیحد تقاضا اور بے پناہ تمنّا کر حاضر ہوئے کہ آنجناب مدظلہٗ العالی سے جو حکم اس مسئلہ کے بارے ہوگا ہم سب خدمتگار اس عقیدہ پر جم کر رہیں گے اور آپ کے اعتقاد کو سند قرار دیں گے۔

غریب نواز! آپ جیسی قدسی صفات ذاتِ بابرکات کیلئے، یہ جسارت و تکلف نامناسب ہی مگر بتقضائے ___ "کرمہائے تو مارا کرد گستاخ" عرض ہے کہ اس بارے میں جو کچھ تحقیق ہو زیبِ تحریر فرمائیے تاکہ ہم لوگ ورطۂ اختلاف سے نکل کر ساحلِ اتفاق پر آجائیں۔

# جواب ⑦

برخوردار اطال اللہ عمرہٗ بعد از سلام سُنت خیر الانام۔

مشائخ عظام وپیران کرام کی تصنیفات وتالیفات میں مسائل مذکورہ نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں تحقیق وتفصیل مطلوب ہو توان کی کتابوں کا مطالعہ کیا جائے۔ بندہ درویش بھی کسی قدر مشت نمونہ خر وارے تحریر کرکے ارسال کئے دیتا ہے۔

حجۃ السالکین اور مطلوب الطالبین میں خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ حضرت حسن بصری رضی اللہ عنہٗ کا آخری وقت آپہنچا تو دو شخص خلافت لے کر فیض یاب ہوئے۔ عبدُالواحد بن زید رحمۃُ اللہ علیہ اور دوسرے خواجہ حبیب عجمی رحمۃُ اللہ علیہ اور یہ دونوں جناب، ولایت کشف اور مشاہدہ والے تھے۔ چودہ خاندانوں کا ظہور ان دونوں سے ہوا۔ صورت تفصیل یوں ہے۔ پانچ خانوادے حضرت خواجہ عبدُالواحد بن زید رحمۃُ اللہ علیہ سے ظہور پذیر ہوئے اور نو خانوادے حبیب عجمی رحمۃُ اللہ علیہ سے ظہور یاب ہوئے۔

## خواجہ عبدُالواحد بن زید کے پانچ خانوادے

**① خانوادہ زیدیان** یہ پانچ افراد ہیں جو کہ حضرت عبداللہ بن عوف کی اولاد میں سے ہیں۔ قرآن وحدیث کے حافظ اور علم وکمال میں مکمل قدرت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہٗ سے سچی ارادت کے ساتھ مرید ہوئے تھے اپنے آباؤ اجداد سے نسبت ترک کرکے خواجہ مذکور سے خلافت حاصل کی۔

روش اور طریق یہ ہے کہ اوّل قرآن مجید حفظ کرکے علم وادب میں درجۂ کمال حاصل کرلیتے ہیں ریاضت ومجاہدہ اور خلوت بیابان وصحرا میں اختیار کیا کرتے ہیں تین چار یا پانچ

دِن تک متواتر روزہ رکھا کرتے ہیں۔ افطار روزہ، جنگلی میوہ یا بیا بانی سبزہ سے کیا کرتے ہیں کسی حیوان کی جان نہیں لیتے۔ یہاں تک کہ جوئیں بھی اپنے کپڑوں میں سے باہر پھینک دینا ناپسند کرتے ہیں۔ ناگ اور بچھو کو بھی قتل نہیں کرتے۔ ہمیشہ مشغول باخدا رہتے ہیں درختوں کے پتوں کی چادر بنا کر پہن لیتے ہیں سلیم القلب ہوتے ہیں اگر کوئی شخص پکڑ کر انہیں اپنا غلام بنالے تو بلا انکار ان کی خدمت کئے دیتے ہیں اگر انہیں بازار میں (بصورت غلام) بیچ دیا جائے تو بک جاتے ہیں اور کسی کا عیب دل میں نہیں رکھتے جب کوئی شخص ان کے سلسلے میں مرید ہوتا ہے تو اسے درج بالا روش کا حکم دیا جاتا ہے۔ مریدین درج بالا روش و طریق قبول کرلیتے ہیں تو ان کے حضور مقبول و منظور ہیں ورنہ مردود کر دیئے جاتے ہیں چنانچہ اس خانوادہ کے مریدین میں یہی طریق چلا آرہا ہے۔

## (۲) خانوادہ عبّاسیاں:۔

فضیل بن عیاض سے منسوب ہے شیخ صاحب بھی خواجہ عبدالواحد بن زید سے خلافت یافتہ اور آپ کے مُرید ہیں۔

روش اور طریق یہ ہے کہ ہمیشہ تن تنہا اور مجرد زندگی گزارتے ہیں نہ بیوی نہ بچے اور نہ گھر ہمیشہ سفر میں رہا کرتے ہیں نیا کپڑا بالکل زیب تن نہیں کرتے راہ میں مل جانے والے پرانے کپڑے کا خرقہ بنا کر پہن لیتے ہیں۔ بغیر مانگے جو چیز مل جائے بخوشی کھا لیتے ہیں ورنہ فاقہ میں مست رہتے ہیں۔ ساری رات صبح تک جاگ جاگ کر گزار لیتے ہیں۔ اکثر و بیشتر پابرہنہ رہا کرتے ہیں۔ تین دن کا روزہ رکھتے ہیں اور افطار مہمانوں کے ساتھ کیا کرتے ہیں۔ لوگوں سے میل جول بالکل نہیں رکھتے جو شخص اس روش کو قبول کر کے مرید ہوتا ہے اس پر نظرِ عنایت کیا کرتے ہیں اور ایسا مُرید بھی صاحب درد بن جاتا ہے۔

## (۳) خانوادہ ادہمیاں:۔

سلطان ابراہیم بن ادہم سے نسبت ہے جو سلطان ابراہیم بن ادہم علیہ الرحمتہ تک پہنچتا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے چار سیر کا خرقہ کیا ہوا تھا۔ آپ نے جب وُہ خرقہ اپنے مُرید کو بخشا اور اسے پہنایا تو مُرید نے خُود کو ادھمی مشہور کیا۔

اور اپنے آباؤ اجداد کی نسبت کو ترک کر دیا۔ اِس سلسلہ میں جب کسی کو خرقہ پہنایا جاتا ہے تو وہ مُرید، اپنے آباؤ اجداد کے نسب وحسب کو چھوڑ کر اپنے آپ کو ادھمی کہلاتے ہیں۔

اِس سلسلے کے لوگوں کی روش اَور طرز بود و باش یہ کہ مجرو زندگی گذارتے ہیں. گودڑی پہنتے ہیں سفر وحضر میں ذکر جہری ان کا محبُوب شغلہ ہوتا ہے اور لالچ نام کو نہیں ہوتا بلا طلب جو منحرات مل جائے وہ فقراء میں تقسیم کر دیتے ہیں اور فقراء کے طفیل اُن پر جو منحرات ہوتی ہے اس میں سے قوتِ لایموت فقراء کے ساتھ کھالیتے ہیں، اہلِ دنیا سے قطعاً لاتعلق ہوتے ہیں اور ان کے خانوادہ کے مریدین تارکُ الدُنیا ہوتے ہیں اور وہ نفس امارہ کو اپنا مطیع بناتے ہیں.

## (۴) خانوادہ ہبیریان :-

اِن کا شیخ ہبیرۃ البصری سے تعلق ہوتا ہے۔

روش وطریق یہ ہے شہر میں رہیں تو گھر بنالیتے ہیں. جنگل میں ہوں تو مجرد زندگی بسر کرتے ہیں جنگل کا سبزہ اور گھاس کھالیتے ہیں. کھانے میں نمک نہیں ڈالتے دِل بالکل صاف ستھرا رکھتے ہیں شب وروز وضو پر ہمیشگی رکھتے ہیں اور نماز نہایت حضور قلب سے ادا کرتے ہیں کسی سے نذر ونیاز قبول نہیں کرتے تین چار روز بعد، روزہ جنگلی میوہ یا بیابانی سبزی سے افطار کرتے ہیں ان کے دِل ربّانی انوار سے روشن ہوتے ہیں جو شخص اُن کا مرید ہوجاتا ہے وہ بھی روش اختیار کرتا ہے۔

## (۵) خانوادہ چشتیاں :-

یہ سلسلہ حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری رحمۃُ اللہ علیہ کی معرفت شیخ المشائخ حضرت خواجہ ابو اسحاق شامی چشتی تک جاملتا ہے. خواجہ ابو اسحاق علیہ الرحمۃ چشت سے تشریف لاکر، بغداد شریف میں شیخ ممشاد علو دینوری رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہوئے۔ آپ نے فرمایا تم خواجہ خواجگانِ چشت ہو اور خواجگانِ چشت کا دین واسلام آپ سے وابستہ ہے. چنانچہ خواجہ ابو اسحاق کو خرقہ وخلافت عنایت کر کے انہیں واپس چشت روانہ کر دیا۔ اس دن سے درج ذیل مشائخ کو خواجگانِ چشت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

خواجہ ابو اسحاق ۔ خواجہ ابو احمد ۔ خواجہ ابو محمد ۔ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف ۔ خواجہ قطب الدین مودود چشتی رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو شخص بھی ان کا مرید ہوتا ہے وہ انکی روش اور طریقہ اختیار کرتا ہے

اور ان حضرات کی روش و طریق یہ ہے کہ شہر میں ہوں یا گاؤں میں گھر بناتے ہیں اور جہاں کہیں رہیں مخلوقِ خدا کو اللہ پاک کے حضور بلاتے ہیں ہر وقت ریاضت، عبادت اور مجاہدے کی کوشش کرتے اور با خدا مشغول رہا کرتے ہیں۔ فقر و فاقہ اپناتے ہیں۔ فقراء، غربا اور مساکین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا رہتا ہے۔ کھانا بھی فقراء کے ساتھ مل کر کھایا کرتے ہیں محفل سماع اور اہل سماع سے سچا پیار کرتے ہیں اپنے مشائخ کرام کا عرس کیا کرتے ہیں۔ فقیروں کی بہت تعظیم کرتے ہیں۔ فقیر کے بالمقابل امیروں کی طرف کم میلان ہوتا ہے۔ غرباء اور فقرا کے ہاتھ خود دھلاتے ہیں اور لنگر خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے ہیں اور خود کھلاتے ہیں صدق دل اور پختہ ارادت لے کر، جو شخص ان سے بیعت ہوا انہیں خداوند تعالیٰ سے ملا دیتے ہیں دُنیا کی محبت ان کے دل سے جاتی رہتی ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ سب سے اوّل اپنے آپ کو رذائل اور بد خصائل سے صاف ستھرا کر کے اس کے بعد اس سلسلہ میں بیعت ہو تاکہ ان کی نظرِ عنایت اور توجہ باطنی ہوتے ہی "اہل اللہ" بن جائے اور آنکھوں کے سامنے سے تمام حجابات ہٹ جائیں مطلوب و مقصود تک رسائی بآسانی حاصل ہو انشاء اللہ تعالیٰ۔

## "خواجہ حبیب عجمی رحمتہ اللہ علیہ اور اُنکے نو خانوادے"

**(۱) حبیبیان** :- جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائیوں کی اولاد میں سے ہیں۔ یہ دو بھائی تھے اور وہ دونوں نہایت متقی اور زبردست صالح اور بے پناہ علم رکھنے والے تھے۔ وہ جب خواجہ حبیب عجمی کے مرید ہوئے تو اُنہوں نے آباؤ اجداد سے نسبت توڑ کر صرف اپنے مرشد کریم کو ماوی و ملجای بنا لیا خلوت و عزلت میں بیٹھ گئے خود کو یادِ خدا میں شاغل رکھا۔ بیابانوں میں جنگلی جانوروں سے میل جول بنا لیا۔ لگاتار تین دن کا

روزہ مگر افطار کے لئے صرف ایک عدد کھجور (مزید ضرورت کیلئے) دو عدد خرما پر اکتفا کر لیتے تھے۔

**(۲) خانوادہ طیفوریاں:** جو کہ سلطان العارفین حضرت خواجہ بایزید بسطامی قدس سرہٗ سے جا ملتا ہے۔ پہلے آپ کا نام طیفور تھا۔ جب بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے خواجہ حبیب عجمی سے خرقہ خلافت حاصل کیا آپ کی عمر ایک سو باون سال تھی آپ نے خواجہ حسن البصری اور امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہما کو دیکھا تھا اور ان کی بہت خدمت کی تھی۔ مگر بعیت عجمی سے ہوئے اور خرقہ و خلافت ان سے پایا جو شخص بایزید بسطامی کا مرید ہوتا ہے وہ آپ کی روش پر چلتا ہے حضرت خواجہ بایزید بسطامی کا خرقہ چار قسم ہے۔

اوّل شکر پارہ، دوم ہزار میخی، سوم گودڑی جو صوف کا بنا ہوتا ہے۔ چہارم پرانے کپڑوں سے تیار شدہ خرقہ یعنی راہ میں گرے پڑے کپڑے صاف و پاک کر کے خرقہ تیار کر لیا کرتے تھے اور سلطان العارفین بایزید بسطامی کے چار خلفا ہیں ہر ایک کو ایک خرقہ حصہ میں آیا یعنی خلیفہ اوّل مسعود رحمۃ اللہ علیہ جسے خرقہ شکر پارہ ملا دوسرے خلیفہ شیخ محمود جو خرقہ ہزار میخی لے گئے تیسرے شیخ ابراہیم ہیں جنہیں مرابعہ شکل میں صوف کا خرقہ پہنایا گیا اور چوتھے ہیں شیخ احمد جنہیں پرانے کپڑوں سے تیار شدہ خرقہ بشکل گودڑی از آنجناب سلطان العارفین بایزید نصیب میں آیا۔ یہی چاروں خلفاء آپ کی راہ و روش پر گامزن رہے اور بفیض اللہ الکریم "اہل اللہ" بن کر دنیا میں پھیل گئے۔

**(۳) خانوادہ کرخیاں:** جو حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ سے نسبت رکھتے تھے۔ حضرت خواجہ معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ داؤد طائی اور حضرت امام علی موسیٰ رضا رحمہما اللہ تعالیٰ دونوں حضرات سے فیض یاب ہیں حضرت امام موسیٰ رضا سے امام زین العابدین سے سیدنا امیر المؤمنین علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ تک سلسلہ ملتا ہے حضرت داؤد طائی سے حضرت حبیب عجمی حسن بصری اور پھر امیر المومنین علی المرتضیٰ تک سلسلہ مل جاتا ہے۔

بغداد شریف میں ایک محلہ کا نام کرخ تھا۔ نسبت نے کرخی بنا دیا۔ اِس سلسلہ میں داخل ہونے والے مُریدین، اپنے باپ، دادا سے تعلق منقطع کر کے حضرت خواجہ معروف کرخی کی وجہ سے "کرخی" کہلانے لگے صرف اللہ تعالیٰ سے تعلق اور شغل باکمال رکھتے ہیں ان کے دل (عوائق وعلائق دنیاوی سے خالی ہونے کے باعث) مُصفّیٰ مُزکّیٰ ہوتے ہیں حضرت معروف کرخی رح کم عمری میں عرش اعلیٰ سے لے کر تحت الثریٰ تک سب کچھ دیکھا کرتے تھے آپ کے سلسلہ کے ارادت مند، ماسویٰ اللہ کا خیال دل سے نکال کر، آپ کی راہ وروش پر بدل وجان نثار ہو کر چل پڑتے تھے۔

## ④ سقطیاں

:- یعنی حضرت خواجہ سری سقطی سے تعلق رکھنے والے خود حضرت خواجہ سری سقطی رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ معروف کرخی کے خلیفہ تھے۔ تین بزرگوں نے خواجہ سری سقطی سے خرقہ اور خلافت حاصل کی اُنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کی نسبت کو ترک کیا اور حضرت خواجہ کی راہ وروش پر چل کر اپنے مقصد ومطلب کو پا گئے۔

## ⑤ جُنیدیاں

- حضرت خواجہ جُنید بغدادی سے نسبت رکھتے ہیں دو خلیفے آپ کے مشہور ومعروف ہیں ایک خواجہ عثمان علی اور دوسرے شیخ فخر الدین منصور جو کہ گدڑی پوش صائم الدہر اور قائم اللیل تھے کسی سے نذر ونیاز قبول نہیں کرتے تھے۔ علم دینی میں امام اعظم ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ سات دن کا متواتر روزہ ان کا شعار تھا۔ ستر سال تک ریاضت کی۔ اس کے بعد جنید بغدادی کے بیعت ہوئے آباؤ اجداد اور اپنے شہر سے منقطع ہو کر بغداد آئے اور شیخ بغدادی سے نعمتِ خلافت پائی۔

## ⑥ خانوادہ گازرونیاں

- سلطان ابو اسحاق گازرونی سے تعلق ہے۔ جو کہ سلطنت اور مملکت چھوڑ کر خواجہ عبداللہ خفیف کے مرید ہوئے۔

**⑦ خانوادہ طوسیاں:-** شیخ علی الطوسی جو کہ تین واسطوں سے شیخ جنید بغدادی کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ ان کی راہ و روش یوں ہے کہ مزامیر و محفل سماع کے رسیا ہوتے ہیں۔ ذکر جہری کرتے ہیں اور خیر و شر میں سے جو بھی نصیب ہو اُسے نعمت جانتے ہیں۔

**⑧ خانوادہ فردوسیاں:-** یہ خاندان دراصل شاہ نجم الدین الکبریٰ سے تعلق رکھتا ہے۔ اور حضرت خواجہ نجم الدین کبریٰ، عمار بن یاسر کے مرید ہیں اور عمار بن یاسر، شیخ ابو نجیب فردوسی کے اور خواجہ فردوسی، خواجہ وجہ الدین ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ و بیعت تھے۔

**⑨ خانوادہ سہروردیاں:-** خواجہ جنید بغدادی تک یہ سلسلہ تین واسطوں میں ملتا ہے۔ اس خاندان کی راہ و روش عجیب و غریب ہے اور کتب مشائخ میں ان کی روش اور طرز طریق تفصیل کے ساتھ تحریر ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرُ سَبِیْلٍ وَعُدَّ نَفْسَکَ مِنْ اَصْحَابِ الْقُبُوْرِ (رواہ) (جامع صغیر ص ۹۷/۲) احمد فی المسند والترمذی وابن ماجہ) دُنیا میں مُسافر بن کر رہو یا مُسافر ہو کر گزرو اور اپنے آپ کو مُردوں میں شمار کیا کرو۔ اس کو روایت کیا امام احمد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حدیث صحیح ہے) برخوردار ہوش میں آیئے اور قیمتی عمر کو ضائع نہ کیجئے بہت جلد کسی کامل مرشد کا دامن پکڑ لیجئے۔

ہر کہ بدل دامن پیراں گرفت!
گنج بقا، زین دہ ویراں گرفت!

جس نے صدق دل سے پیروں کا دامن تھام لیا۔ بقا کا وہ خزانہ پا گیا جو ویرانوں کو زینت عطا کیا کرتا ہے۔

# مکتوب ⑧

جنابِ عالی مدظلہٗ العالی

نیاز مند عاجز محتاج کی گذارش ہے کہ ہمارے گرد و نواح کے عوام میں یہ بات مشہور اور رواج یاب ہے کہ جمعہ کے دن قبروں کی زیارت منع ہے مگر اہلِ حقیقت اور تحقیق و تدقیق کرنے والے لوگوں کے دلائل و استدلال پیش نہیں کر سکتے۔ نتیجہ یہ ہُوا ہے کہ لوگ سُنی سنائی باتوں میں آکر پریشان سے ہو رہے ہیں۔

حضور والاشان! نوازش فرمائیے جس طرح سیدھی راہ اور عقل و بینش والوں کی روش ہو ارشاد کیجئے تاکہ آپ جیسے روشن ضمیر پیر کی دل پذیر تحریر، ہر امیر و فقیر کیلئے سند بنے اور اس حقیر کے لئے ہدیہ و تحفہ۔ زیادہ آداب ۔

# جواب ⑧

برخوردار! بعد از سلام سُنّت سید الانام علیہ افضل الصلوٰۃ والسلام

فقہ و حدیث کی کتابوں میں، متذکرہ مسائل کی تحقیق واضح طور پر موجود ہے۔ لکھنے کی چنداں ضرورت نہ ہے تاہم آپ کی آرزو کو مدِّنظر رکھتے ہوئے اس قدر تحریر ہے کہ "فائدہ" شیخ عبدُالحق المحدث الدہلوی علیہ الرحمۃ مشکوٰۃ المصابیح کی شرح میں بیان فرماتے ہیں زِیَارَۃُ الْقُبُوْرِ مُسْتَحَبٌّ فَاِنَّہٗ یُوْرِثُ رِقَّۃَ الْقَلْبِ وَیُذَکِّرُ الْمَوْتَ وَالْبِلیٰ اِلٰی غَیْرِ ذَالِکَ مِنَ الْفَوَائِدِ۔ لمعات ج ۱ ص ۲۶۳۔ قبروں کی زیارت کرنا مستحب ہے۔ اللہ رسُول کا پسندیدہ عمل ہے۔ کیونکہ اس سے رقت قلب ہوتی ہے اور موت اور بوسیدہ ہونا یاد دلاتی ہے ۔۔۔؟

زیارت قبُور جمعہ والے دِن، باقی دنوں کی نسبت، زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔ اور وُہ بھی خاص کر جب جمُعہ کے دن اوّل وقت میں ہو۔ حرمین شریفین میں یہ بات متعارف ہے کہ دوسرے دِنوں کی نسبت، جمُعہ کا دِن اگر زیارت قبُور ہو تو افضل ہے کیونکہ باقی دِنوں کی نسبت، جمُعہ کے دِن، میّت کو زیادہ شعور اور ادراک دیا جاتا ہے۔ ( ج ۱ ص ۲۶۲)

اور درہم الکیس میں ہے زِیَارَۃُ الْقُبُوْرِ فِیْ کُلِّ اُسْبُوْعٍ مُسْتَحَبَّۃٌ وَاَفْضَلُ اَیَّامِہَا یَوْمُ الْاِثْنَیْنِ وَالْخَمِیْسِ وَالْجُمُعَۃِ وَالسَّبْتِ وَقَالَ الشَّیْخُ الْمُلَّا عَلِی الْقَارِیْ فِیْ شَرْحِ عَیْنِ الْعِلْمِ یُعَیَّنُ لَہَا اَیْ لِزِیَارَۃِ الْقُبُوْرِ یَوْمُ الْخَمِیْسِ وَالْجُمُعَۃِ وَالسَّبْتِ وَالْاِثْنَیْنِ فَالْمَوْتٰی یَعْرِفُوْنَ زُوَّارَہُمْ فِیْہَا اَیْ بِزِیَادَۃِ عِلْمٍ بِہَا"

قبروں کی زیارت ہفتہ کے سارے دِنوں میں مستحب ہے مگر زیادہ فضیلت والے دِن سوموار، خمیس اور جمعہ و ہفتہ ہیں شیخ مُلّا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ شرح عین العلم میں فرماتے ہیں۔ زیارت قبُور کے لئے سوموار خمیس جمُعہ اور سنیچر مقرر ہیں اور قبروں والے، اپنے علم و ادراک کے ان دِنوں میں بڑھ جانے کے باعث اپنے زائرین کو پہچان لیتے ہیں۔

فتاویٰ برہنہ میں لکھا ہے کہ زیارت قبور ہفتہ کے ساتوں دِنوں میں مستحب ہے مگر فضیلت والے دِن چار ہیں سوموار، جمعہ بعد از نماز جمعہ، سنیچر از صبح صادق تا طلوع آفتاب اور اوّل وقت بروز جمعرات۔ دوسرے قول میں آخر وقت جمعرات لکھا ہے۔

شرح مُنیۃ المُصلّی میں ہے۔ مُستَحَبٌ زِیَارَۃُ الْقُبُوْرِ لِلرِّجَالِ وَیُکْرَہُ لِلنِّسَاءِ قبروں کی زیارت مردوں کے لئے مستحب اور عورتوں کے لئے مکروہ ہے۔ وفی الکشف للبزدوی۔ وَالْاَصَحُّ اَنَّ الرُّخصَۃَ ثَابِتَۃٌ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ جَمِیْعًا اصح یہ ہے کہ زیارت کی رُخصت مردوں اور عورتوں سب کے لئے ثابت ہے۔ وَرُوِیَ اَنَّ عَائِشَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہَا کَانَتْ تَزُوْرُ قَبْرَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ فِیْ کُلِّ وَقْتٍ۔ یعنی سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ خود اُم المؤمنین عائشہ صدیقہ ہر وقت نبیٔ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی قبر مُبارک کی زیارت کیا کرتی تھیں۔ "تحفہ حُسینی اور فتاویٰ جلالی" میں آیا ہے جو شخص زیارت قبور کیلئے ستّر قدم تک چل کر آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے نامۂ اعمال میں ستر حج کا ثواب لکھ دیتا ہے۔ "خزانۃ الروایات" میں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ جب ایک مُسلمان قبرستان آنے لگتا ہے تمام قبروں والے اس اُمید میں انتظار کرتے ہیں کہ فاتحہ شریف پڑھے گا۔ بصُورت دیگر تمام قبروں والے چالیس قدم تک اس کے ساتھ ساتھ چلے جاتے ہیں کہ شاید فاتحہ شریف پڑھ لے زہے سعادت، تو اگر پڑھ لے تو وُہ خوش خوش واپس آتے ہیں ورنہ محروم ہو کر واپس لوٹ جاتے ہیں۔ تحفہ حُسینی میں ہے حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے روایت فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص قبرستان میں جاکر پڑھ لیتا ہے۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ لَہُ الْمُلْکُ وَلَہُ الْحَمْدُ یُحْیِیْ وَیُمِیْتُ وَھُوَ حَیٌّ لَّا یَمُوْتُ بِیَدِہِ الْخَیْرُ وَھُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ (رواہ)

تو اللہ تعالیٰ ان تمام قبروں میں نُور بھر دیتا ہے اور پڑھنے والے کیلئے ایک لاکھ نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے اور اس کے اعمال سے ایک لاکھ گناہ مٹا دیتا ہے۔

"خزانۃ الروایات" میں ہے کہ قبرستان سے گذرتے وقت، بانیت ایصال ثواب، سات مرتبہ سُورۃ اخلاص پڑھ کر اہلِ قبور کو دیدیا جائے تو اگر میت گنہگار ہے تو عند اللہ بخشش ہو گی ورنہ ثواب، پڑھنے والے کو واپس لوٹ آئے گا۔ والسلام مع الاکرام

# مکتوب ۹

جناب عالی ادام اللہ اجلالہم

بعد از سلام مسنون بندہ عاجز گنہگار دست بستہ بصد ادب عرض کرتا ہے کہ شرارت پیشہ لوگوں نے شور و غل مچا رکھا ہے کہ زیارت قبور ناجائز ہے اور ان سے مدد و اعانت چاہنا کفر اور گمراہی ہے۔ دلیل میں نص صریح اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ پیش کرتے ہیں کہ بعض فقہا کے قول میں عبادت اور استعانت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کے سوا، دوسروں کے لئے جس طرح عبادت حرام اور ممنوع ہے اسی طرح مدد چاہنا بھی حرام اور ممنوع ہے۔ جامع الکبیر میں منقول ہے۔ اَلۡاِسۡتِعَانَۃُ مِنَ الۡاَمۡوَاتِ لَا تَجُوۡزُ لِاَنَّہَا مِنَ الۡاُمُوۡرِ الۡغَیۡبِیَّۃِ، وَالۡغَیۡبُ لَا یَعۡلَمُہٗ اِلَّا اللّٰہُ۔ — مُردوں سے مدد طلب کرنا، ناجائز ہے کیونکہ یہ امور غیبی ہیں اور غیب کی باتیں سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔

غریب نواز! اکثر لوگ ایسے فاسد اقوال سُن کر استعانت و استمداد سے روگردان ہو رہے ہیں اور کچھ حیرت کے گرداب میں افتاں خیزاں ہیں۔ جبکہ پیران عظام اور مشائخ کرام کا صحیح عقیدہ بھی چند راسخ عقیدہ لوگوں نے محکم و مضبوط پکڑ رکھا ہے۔ اور ہم نیاز مندوں کیلئے دونوں عالم میں آنوالا شان کے بغیر، کوئی تکیہ اور سہارا نہیں ہے۔

لہٰذا عرض بحضور ہے کہ از راہ بندہ نوازی، استمداد و استعانت کے جواز میں معتبر کتب کی روایات، بطابق قرآن و حدیث، لکھ کر ارسال فرمائیں تاکہ ہر ایک غلام صحیح عقیدہ پر ثابت قدم رہے اور بدمذہب لوگوں کی شکست و ریخت سے محفوظ و مامون ہو۔

الٰہی تا بود خورشید و ماہی — چراغ خواجگاں را روشنائی

چراغ راکہ ایزد بر فروزد — ہر آں کو تف زند ریشش بسوزد

یا اللہ جب تک آفتاب میں چمک رہے خواجگان رضوان اللہ علیہم کا چراغ جلتا رہے

جس چراغ کو اللہ تعالیٰ نے روشن کیا ہوا سے جو بھی بجھانا چاہے گا اس کی اپنی داڑھی جل جائے گی۔

# جواب ⑨

برخوردار زید عمرہ بعد از سلام مسنون واضح ہو اللہ والوں سے مدد مانگنا، ہر حالت میں جائز ہے۔ زندگی میں ہو یا موت کے بعد ہو۔ جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اِذَا تَحَیَّرْتُمْ فِی الْاُمُوْرِ فَاسْتَعِیْنُوْا مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ (احیاء علوم الدین للغزالی) جب تم (دینی و دنیاوی) کاموں میں حیرت زدہ ہو تو قبر والوں سے مدد مانگا کرو اور عبد اللہ بن المبارک فرماتے ہیں کہ اِسْتِعَانَۃُ الْاُمُوْرِ مِنْ اَھْلِ الْقُبُوْرِ یَجُوْزُ۔ یعنی قبر والوں سے مدد مانگنا جائز ہے اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جیسا کہ سیدنا ابراہیم بن رستم رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ :

طَلَبُ الْاِسْتِعَانَۃِ یَجُوْزُ بِھٰذَا الطَّرِیْقِ اَنْ یَّقُوْلَ الْقَائِلُ فِیْ مَا بَعْدَ خَتْمِ الْفَاتِحَۃِ اَللّٰہُ عَالِمٌ مَا فِیْ صَدْرِیْ وَحَاجَتِیْ فَاسْتَعِیْنُوْا فِیْہِ لِاَنَّ الْاَرْوَاحَ تَجِیْئُ وَقْتَ الْقِرَاۃِ وَتَسْمَعُ مَا یَقُوْلُ الْقَارِیْ یعنی ختم شریف کے بعد اہل اللہ کی مدد مانگنا جائز ہے کیونکہ ختم شریف پڑھتے وقت ارواح آیا کرتے ہیں اور قاری کی تلاوت سنتے ہیں۔ روح البیان اور رسالہ اسلامیہ میں ہے :

اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا یَمُوْتُوْنَ بَلْ یَنْتَقِلُوْنَ مِنْ دَارٍ اِلٰی دَارٍ۔ اللہ تعالیٰ کے دوست، مرتے نہیں (بلکہ اُن کی موت صرف یوں ہے کہ) ایک گھر سے دوسرے گھر نقل مکانی کر جاتے ہیں۔ اس منقول سے واضح ہوتا ہے کہ جسطرح اولیاء اللہ کو حالت حیات میں احیاء الموتی کی قوت (بطور کرامت) حاصل تھی مرنے کے بعد بھی وہی قوت موجود ہے۔ اور جس طرح حالت حیات میں، کشف قلوب کی قوت حاصل تھی مرنے کے بعد بھی وہی قوت حاصل ہے

دیار مغرب میں بہت بڑے فقیہہ فاضل عالم کتاب الحکم کے شارح سید احمد معروف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ وَقَدْ ثَبَتَ فِی الدِّیْنِ اِنَّ الْاَرْوَاحَ بَاقِیَۃٌ وَلَھُمْ عِلْمٌ وَشُعُوْرٌ بِالزَّائِرِیْنَ، وَلِاَرْوَاحِ الْاَوْلِیَاءِ قُرْبُ مَکَانٍ مِنْ جَانِبِ الْحَقِّ کَمَا کَانَ فِی الْحَیٰوۃِ اَوْ اَتَمَّ مِنْ ذَالِکَ وَیَثْبُتُوْنَ الْکَرَامَۃَ وَالتَّصَرُّفَ فِی الْاَکْوَانِ لِلْاَوْلِیَاءِ وَلَیْسَ ذَالِکَ لِاَرْوَاحِھِمْ الْمُقَدَّسَۃِ

وَهِيَ بَاقِيَةٌ وَالْمُتَصَرِّفُ الْحَقِيْقِيُّ لَيْسَ اِلَّا اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ وَالْكُلُّ بِقُدْرَتِهٖ وَهُمْ فَانُوْنَ فِيْ جَلَالِ الْحَقِّ فِي الْحَيَاةِ وَبَعْدَ الْمَمَاةِ فَلَوْ اُعْطِيَ لِاَحَدٍ بِوَاسِطَةِ اَحَدٍ مِّنَ الْاَوْلِيَاءِ وَمَكَانَتِهٖ عِنْدَهٗ شَيْئًا كَمَا كَانَ فِيْ حَالَةِ الْحَيَاةِ لَمْ يَبْعُدْ وَلَيْسَ الْفِعْلُ وَالتَّصَرُّفُ فِي الْحَالَتَيْنِ اِلَّا لِلّٰهِ تَعَالٰى وَلَيْسَ فِي الْحَالَتَيْنِ مَا يُوْجِبُ الْفَرْقَ وَلَمْ يَدُلَّ عَلَيْهِ دَلِيْلٌ فِي الشَّرْعِ

دین میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ روح باقی ہے زائرین کا اسے علم اور شعور ہوتا ہے خصوصًا کاملین کے ارواح کی خدا کے دربار میں قرب و منزلت ویسے ہے جیسے زندگی میں تھی بلکہ اس سے بھی زیادہ کامل اور یہ سب کچھ بطور کرامت ہے۔

کائنات میں اولیاء اللہ کے لئے قوت تصرف اور صفت کرامت ثابت ہے لیکن ذاتی اور حقیقی متصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور یہ سب قوت تصرف اور کرامت، انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور اولیائے عظام حیات و ممات دونو حالتوں میں، اللہ تعالیٰ کی صفت جلال میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔ اگر ان مقدس لوگوں کے طفیل کسی کو کچھ مل جائے جیسا کہ ان کی زندگی میں، انہیں مل جایا کرتا تھا تو کیا بعید ہے۔ کیونکہ اور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو اولیاء کی حیات و ممات میں فرق پیدا کر دے اور نہ کوئی اس فرق پر دلیل شرعی قائم ہے۔ ان دونو حالتوں (موت و حیات) میں فعل و تصرف، صرف اللہ تعالیٰ کا ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قَالَ الْاِمَامُ الشَّافِعِيُّ قَبْرُ مُوْسَى الْكَاظِمِ تِرْيَاقٌ مُّجَرَّبٌ لِاِجَابَةِ الدُّعَاءِ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر پاک، دعا کے قبول ہونے کے لئے تریاق مجرب ہے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مَنْ يُّسْتَمَدُّ فِيْ حَيَاتِهٖ يُسْتَمَدُّ بِهٖ بَعْدَ مَمَاتِهٖ جس سے اس کی زندگی میں استمداد کر سکتے تھے بعد موت بھی کر سکتے ہیں۔ اولیاء اللہ کی زندگی اور موت، اس معاملہ میں یکساں ہے۔ لہٰذا جب زندگی میں ان سے درخواست دعا کر سکتے تھے تو وصال کے بعد بھی جائز ہے۔

سید احمد بن مرزوق نے فرمایا ہے کہ ایک دن شیخ ابوالعباس نے مجھ سے پوچھا

کہ زندہ انسان کا مدد کرنا زیادہ قوی ہے یا مُردہ انسان کا امداد کرنا؟ تو مَیں نے جواب دیا کہ لوگوں نے زندہ انسان کی امداد کو زیادہ قوی قرار دیا ہے مگر میرے نزدیک میّت کی مدد بدرجہا زیادہ طاقت وَر ہوتی ہے تو شیخ ابوالعباس قدس سرہٗ نے فرمایا۔ جی ہاں اسلئے کہ بعد وفات اَولیاءِ کرام کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں زیادہ قرب و منزلت حاصل ہے۔

لَا مُحالہ قرآن احادیث اَور سلف صالحین کے اقوال حصر و احصاء سے کہیں زیادہ ہیں۔ نیز اَولیائے کرام کے حالات ہیں جو ثابت کرتے ہیں کہ موت و حیات دونوں حالتوں میں استمداد جائز ہے۔ بلکہ قرآن و سُنّت اَور سلف و خلف میں استمداد سے ممانعت نہیں آئی ہے۔ کیونکہ رُوح زندہ و باقی ہے اس کا ادراک علم قوت سماعت بعد موت بھی باقی ہے۔ زائرین کا اسے علم ہوتا ہے خصوصًا کاملین کی اَرواح کی خُدا کے دَربار میں قرب و منزلت ویسے ہی ہے جیسے کہ زندگی میں تھی بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ۔ پھر یہ کہ دونوں حالتوں میں حقیقۃً تصرف فرمانے والی ذات، اللہ تعالیٰ ہی کی ہے اَور یہ مقدّس ہستیاں۔ اللہ تعالیٰ کے نُور جلال میں فنا ہو کر بقا باللہ کے مقام پر فیض یاب ہیں تو اندریں حالت اُن کے واسطہ و وسیلہ سے اگر کسی کو کوئی فائدہ دینی یا دُنیاوی حاصل ہوتا ہے (خواہ بعد الممات) بھی ہو تو کیا بعید ؟ کیونکہ دونوں حالتوں (موت و حیات) میں متصرف حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اَور کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو اولیاء کی حیات و ممات میں فرق پیدا کر دے (اللہ تعالیٰ کے محبُوبوں سے ان کی زندگی میں مَدد مانگیں یا اُن کی موت کے بعد، دونوں طرح جائز ہے) کیونکہ موت و حیات کا فرق ہی نہیں رہا۔

حضرت سیدی و سَندی وماعلیہ اعتمادی قبلہ ام خواجہ خُدا بخش ملتانی ثم خیر پُوری قدس سرہٗ توفیقیہ شریف میں فرماتے ہیں۔ کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ (پارہ ۲۳ رکوع آخری)

اِنَّکَ مَیِّتٌ کے بجائے اِنَّکَ تَمُوْتُ نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ فی الحال میّت ہے اَور جب فی الحال میّت ہُوئے تو حیات ہمیشہ حق کی طرف منسوب رہے گی جو کہ ذی تعین ذات ہے اَور وُہ ہلاکت جو کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ میں مذکور ہے اَور وُہ موت جو

اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ سے مفہوم ہوتی ہے۔ ہمیشہ خلق کی طرف منسوب ہے، جو تعیّن ہے
اَولیاء اللہ سے دُعا و استمداد حقیقۃً اللہ تعالیٰ سے طلبِ دُعا و اَمداد ہوتا ہے۔
کبھی کبھار بعد وصال، مرجانے والوں کو خواب میں دیکھا جاتا ہے اور ان کی بتلائی ہوئی چیزیں
(جو کہ خواب میں ہوں) بظاہر موافق واقع ہوتی ہیں۔ تو یہ بیّن دلیل ہے کہ اولیاء کرام بعد وصال
بھی زندہ ہیں اور ان کی زندگی حقیقت میں حیٌّ وقیّوم کی زندگی ہے اور ان کا فعل و تصرف،
حقیقت میں "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" کا فعل و تصرف ہے۔

بزرگانِ عظام سے بعد از وصال، طلبِ دُعا و استمداد اور فیض و برکت کے حصول
میں، دلائل و براہین بکثرت موجود ہیں مگر اس مختصر مقالہ میں انہیں درج کرنا گنجائش ندارد
جنہیں زیادہ تحقیق مطلوب ہو شاہ عبدالحق الدہلوی کی "لمعات" میں جہاد و زیارتِ قبور کے
باب کا مطالعہ کر لینا چاہیئے۔

بس کنم بس زیر کاں را ایں بس است
بانگ دو کردم اگر دَر دِہ کس است

یہیں پر قلم روک لیا ہے جو کچھ کہا لکھا وہ دانا لوگوں کے لئے کافی وافی ہے جب
آواز دے دی جائے اگر بستی و گاؤں میں کوئی موجود ہو گا تو آواز سن کر باہر آکر مل لینگے۔

الٰہی عاقبت بالخیر والسرور باد بحرمۃ سید العالمین و آلہ و اصحابہ و اولیاء امتہ اجمعین

# مکتوب (۱۰)

جنابِ عالی دامت برکاتہ'۔ بعد از آداب نیاز مندانہ عرض بحضور ہے کہ ہمارے علاقہ میں بعض سکونت پذیر طلبہ اور چند لوگوں کا کہنا ہے کہ قبر کا طواف اور اسے بوسہ دینا گمراہی اور کفر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اکثر لوگ اس مذہب کی طرف مائل ہیں اور دوسرے لوگ بھی ان کی دیکھا دیکھی سیدھی راہ سے بھٹک رہے ہیں۔ لہٰذا بے دام غلام کی گذارش ہے کہ سلف صالحین کی روش کے موافق، جیسے راہ صواب ہو جواب باصواب لکھ کر بھیج دیا جائے تاکہ آپ کی تحریر دلپذیر کو سند قرار دے کر تمام غلام اس پر عمل کریں۔

حدِ آداب فقط

# جواب ⑩

برخوردار بعداز ادائے سلام سُنّت خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم واضح باد کہ والدین، اساتذہ اور مشائخ عظام جو دینِ متین شرعِ مبین کے احکام کی تعلیم دینے سے استاد جیسا مقام رکھتے ہیں۔ تربیت اور راہ ہدایت پر چلنے چلانے کی تلقین کرنے کے سبب ماں باپ جیسی شفقت اور رحمت کے حامل ہیں ۔ ان سب بزرگان (والدین اساتذہ مشائخ) کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے۔ جیساکہ درہم الکیس میں ہے وَلَا یُقَبِّلُ الْقَبْرَ وَلَا یَمَسَّہٗ وَلَا بَأْسَ بِتَقْبِیْلِ قَبْرِ اَبَوَیْہِ۔ "قبر کو بوسہ دے نہ ہاتھ لگائے مگر ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ اساتذہ کرام اور مشائخ عظام کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے کہ یہ دونوں ماں باپ کے حکم میں ہیں البتہ عام قبر کو بوسہ دینا جائز نہیں مکروہ ہے۔ خزانتہ الجلالی میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی حدیث لاتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں جنت کی چوکھٹ اور حورالعین کے منہ کو بوسہ دوں گا تو حانث ہونے سے بچنے کی تدبیر یہ ہے کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی کو چوم لے۔ اور اگر دونوں مر چکے ہوں تو ان کی قبروں کو درج بالا صورت میں بوسہ دے دے اور اگر قبورِ والدین کا علم نہ ہو تو دو لکیریں کھینچ لے ایک لکیر کو ماں کی قبر اور دوسری لکیر کو باپ کی قبر تصور کرکے بوسہ دیدے تاکہ حانث نہ ہو"۔

ہدایتہ الروائح میں بھی اسیطرح لکھا ہے۔ تحفتہ المسلمین میں ہے ماں باپ کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے اور صالحین کاملین کی قبروں کا طواف کرنا تین بار جائز ہے بکذا فی المطالب اور کتاب نظام الحق میں صراحت سے لکھ دیا گیا ہے کہ طواف قبر سات دفعہ کیا جائے۔

مقتدائے مشائخ جناب شیخ محمد علیہ الرحمتہ اپنی تصنیف آداب الطالبین میں فرماتے ہیں کہ طواف قبر کا صحیح طریقہ قبر کی زیارت کو جائے تو جب قریب ہو تو نہ تیز قدم چلے نہ آہستہ،

درمیانہ رفتار سے جائے۔ اگر حرج نہ ہو تو طواف کر لے اور اگر نہ کرے تو حرج نہیں اور طواف کرتے وقت اللہ اکبر کا ورد جاری رکھے۔ جب فاتحہ شریف پڑھ لے تو عرض کرے۔ اے حضرت شیخ! مدد کیجئے کہ میرے پیر و مرشد کی مجھ پر نظرِ کرم ہو جائے یا اپنے پیر و مرشد کے شیخ کا نام لے یا اُس شخص کا نام لے جس سے اس کے پیر و مرشد نے اکتسابِ فیض کیا ہو۔ فاتحہ شریف پڑھتے وقت، قبر کی طرف مُنہ اور قبلہ کی طرف پیٹھ ہو۔ فاتحہ شریف پڑھنے کے بعد قبر کو بوسہ دیدے۔ اور قبر پر رخسار رکھ لے یا ہاتھ سے چھُو لے اور اس ہاتھ کو بوسہ دیدے اور نیاز مندانہ سینہ پر ہاتھ رکھ لے اور بوقت رُخصت (ازراہِ ادب) تین قدم تک اُلٹے پاؤں چلے بعد میں رُخ بدلے۔

فاتحہ شریف کا بہترین طریقہ یہ ہے۔ کہ

"اوّل درُود شریف ایک بار اور ایک بار الحمد شریف پھر آیۃ الکرسی تین بار الھٰکم التکاثر سات بار، سُورۃ اخلاص گیارہ بار آخر میں درُود شریف"

اگر کسی دوسرے طریق سے فاتحہ شریف پڑھے تب بھی اختیار ہے لیکن طوافِ قبر ضروری نہیں ہے۔ البتہ آمدورفت میں درج بالا روش (ازراہِ ادب) نہایت ضروری ہے۔

جب اپنے شیخ کی قبر کی زیارت ہو یا ایسی قبر کی زیارت جس کی اجازت شیخ کے حکم سے ہو یا کسی صاحبِ قبر سے مدد مانگنا مطلوب ہو تو ضروری ہے کہ اپنا مقصد عرض کرے اور آہستہ آہستہ عرض کرتے ہوئے صاحبِ قبر سے مدد مانگے۔ فاتحہ شریف پڑھتے وقت دائیں بائیں نہ دیکھے اور ہمہ تن متوجہ ہو کر بیٹھے اور بلا اجازت اِدھر اُدھر نہ ہوتا پھرے ہاں اگر جم کر بیٹھنے میں دشواری ہو تو معذوری ہے۔ انتھی کلام ۱۲

مشائخِ عظام اور پیرانِ کرام جو کہ شریعت و طریقت اور حقیقت و معرفت کے پیشوا و مقتدا ہیں، لازم ہے کہ اُن کے مسلک پر ثابت قدم رہیں اور بدمذہب لوگوں کی باتوں کو لایعنی سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو ان کی بُری صحبت و مجلس سے دُور رکھا جائے۔

اے بسا ابلیس آدم روئے ہست ۔ پس بہر دستے نباید داد دست
گر بصورت آدمی انساں بُدے ۔ احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

یک زمانہ صحبتِ با اولیا　　بہتر از صد سالہ طاعت بیریا

آدمی آنست کہ دینے درست　　محو گماں کردہ یقینے درست

بہت سے لوگ شکل و شباحت میں انسان لگتے ہیں مگر درحقیقت ابلیس ہیں اُن کے ہاتھ پر بعیت نہیں ہونا چاہیئے۔ آدمی کی پہچان صرف شکل و شباہت سے ہوتی تو حضرت محمد رسول اللہ اور ابوجہل دونو برابر ہوتے ۔ اولیاء اللہ کی صحبت میں ایک لمحظہ بیٹھ رہنا سو سال کی بے ریا عبادت سے کہیں بہتر ہے

جاننا چاہیئے کہ آدمی وہ ہے جس میں دینِ اسلام پایا جائے اور اُس نے وہم و گمان کو کم کر کے یقین کی منازل طے کر لی ہوں ۔

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اِتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اِجْتِنَابَہٗ ۔ بِحُرْمَتِ الْمَشَائِخِ رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ آمین ثم آمین ۔

# مکتوب (۱۱)

جنابِ عالی مخدومی و مرشدی بندۂ درگاہ، بحالت تباہ عرض پرداز ہے کہ جب مشائخ عظام میں سے کسی صاحب کا عرس مبارک ہو تو اس عالیشان خاندان سے تعلق رکھنے والے خواص و عوام، صاحبِ عرس کی خانقاہ عرش اشتباہ کی جانب سفر کر لیتے ہیں اور زاد و راحلہ کی استطاعت نہ رکھنے والے معتقدین نادار غلام، کسی ایک مقام میں جمع ہو کر اس صاحبِ عرس کی روح پر فتوح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے قرآن مجید کا ختم پڑھ لیتے ہیں اور حسبِ وسعت طعام تیار کر کے محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کی خاطر، فقرا مساکین اور آنیوالے مسافر مہمان اور خلقِ خدا کو کھلا دیتے ہیں۔ لیکن اس نعمتِ شامل و کامل سے بے بہرہ بعض طلبہ جو کہ مشائخ عظام کی تصانیف کے مطالعہ سے عاری اور بدمذہب لوگوں کے کتب و رسائل میں شغل داری کیا کرتے ہیں، ان دو درج بالا گروہوں (عرس مبارک پر جانیوالے اور اپنے مقام پر عرس کی محفل منعقد کرنے والے) کو بدعتی اور مشرک کہتے ہیں۔ خیرات کے لئے دن مقرر کرنے کو حرام اور ممنوع فی الشریعت قرار دیتے ہیں۔ بلکہ خیرات و صدقات کو خود بے سود سمجھتے ہیں۔

میرے محترم غریب نواز ازراہِ عنایت جو بھی حکم بمطابق شریعت پاک ہو صادر فرمایا جائے بسر و چشم ہم غلام لوگ جناب عالا کی تحریر کو سند قرار دے کر عمل اختیار کریں گے۔

زیادہ حد آداب۔

# جواب ⑪

برخوردار عمر دراز بعد از سلام واضح یاد کہ جناب شیخ المشائخ حضرت خواجہ شیخ محمّد قدس سرّہٗ کی تصنیف لطیف آداب الطالبین میں ہے کہ اولیاء اللہ رضوان اللہ علیہم کے اعراس کی رعائیت کرنی چاہیئے تاکہ حسبِ خدمت ان کاملین کی مدد وفیض برکت تمہیں حاصل ہو اور ان کے طفیل اللہ تعالیٰ تمہیں دونو جہاں میں عزّت وعظمت بخشے۔

مجموعہ الروایات میں ہے۔ اِذَا اَرَادَ اَنْ یَّتَّخِذَ الْوَلِیْمَۃَ فَلْیَجْتَھِدْ بِاِدْرَاکِ مَوْتِہٖ وَیَحْتَاطُ فِی السَّاعَۃِ الَّتِیْ نُقِلَ رُوْحُہٗ فِیْھَا لِاَنَّ اَرْوَاحَ الْمَوْتٰی یَأْتُوْنَ فِیْ اَیَّامِ الْاَعْرَاسِ فِیْ کُلِّ عَامٍ فِیْ ذٰلِکَ الْمَوْضِعِ فِیْ تِلْکَ السَّاعَۃِ فَیَنْبَغِیْ اَنْ یُّطْعِمَ الطَّعَامَ وَالشَّرَابَ فِیْ تِلْکَ السَّاعَۃِ فَاِنَّ ذٰلِکَ یُفْرِحُ اَرْوَاحَھُمْ وَاَنَّ فِیْھَا تَاثِیْرًا بَلِیْغًا۔ فَاِذَا اَرَادَ شَیْئًا مِنَ الْمَاْکُوْلَاتِ وَالْمَشْرُوْبَاتِ یَفْرَحُوْنَ وَیَدْعُوْنَ لَھُمْ ط

جب عرس کی محفل لگائی جائے تو وقتِ وصال کا تعین کر لیا جائے یعنی وہ خاص گھڑی جس میں رُوح نے پرواز کی ہو کیونکہ مرنے والوں کی رُوحیں ہر سال عرس کے دنوں میں خاص اسی ساعت میں وفات پانے والے مقامات میں آیا کرتی ہیں۔ تو زیادہ مناسب یہ ہے کہ عین اُسی ساعت میں طعام وشرب کھلایا پلایا جائے۔ یہ عمل اس کی رُوح کو خوشی دیتا ہے اور اس میں اثر بلیغ ہوتا ہے۔ پھر جب وہ کوئی خوردنی یا مشروب چیز پیش کرتا ہے تو رُوحیں خوش ہوتی ہیں اور ان کے لئے دُعا کرتی ہیں۔ انتھی کلامہ"

اگر مُرید معتقد کو مقامِ عرس تک پہنچنا مشکل ہو تو جہاں چاہے حسبِ امکان تلاوتِ قرآن طعام وشُرب نوافل فاتحہ شریف پڑھے اور شیرینی وغیرہ تقسیم کر لیا کرے اور دُشواری کے ساتھ مقامِ عُرس تک پہنچنا ضروری نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ مجیب الدعوات ہے۔ اگر وقتِ وصال کی ساعت، کا تعین دشوار ہو تو دن

کو عُرس منعقد کرے۔ بشرطیکہ وصال دن کے وقت ہُوا ہو۔ اور اگر رات کو ہُوا ہے تو رات کو عُرس کی محفل کرے اور خیرات کرے۔ حضرت سید محمدؒ گیسو دراز، اپنے پیر و مُرشد حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلویؒ کا عُرس اٹھارہ رمضان المبارک کی شب کو بہت زور شور سے منعقد فرماتے تھے اور بہت زیادہ خیرات کرتے تھے، کیونکہ اُن کے پیر و مُرشدؒ کا وصال رات کو ہُوا تھا مگر اٹھارہ رمضان کے دِن بھی خیرات تقسیم فرماتے تھے۔ اور اگر یہ معلوم نہیں کہ وصال دِن کے وقت ہُوا تھا یا رات کے وقت، تو دِن کو بھی کرے۔ اگلے دِن کی رات اور دِن کو بھی حکم ہے۔

اگر دِن کی تاریخ کا علم نہیں ہے تو اُس مہینہ کی کسی تاریخ کو بھی خیرات کر دے اور اگر مہینہ کا تعین بھی نہ ہو تو رجب کے مہینہ میں لیلۃ الرغائب (یعنی پہلے جُمعہ کی شب) کو خیرات کرے۔ اگر کوئی شخص اِس رات کو ہر سال تمام انبیائے کرام، اولیاء اور صلحاء کے نام فاتحہ دِلا کر طعام یا شیرینی تقسیم کرتا رہے تو سب حضرات کی خوشنودی اور دُعائیں حاصل ہوتی رہیں گی۔ اور اگر خود غریب اور فقیر ہے تو گھر میں ہی کھالے۔ اور اگر خود فاقہ سے بھی ہے، تب بھی فاتحہ دینا نہ بھولے۔

اے طالبِ حق! اولیاء اور مشائخ کے طالبین، مریدین اور معتقدین کو چاہیئے کہ تمام مرشدین کی خدمت میں طُعام کا نذرانہ پیش کرتے رہیں۔ اگر سب حضرات کو پیش نہ کر سکیں تو بعض کے عُرس کرتے رہیں تاکہ ان کی برکت سے فتوحات اور نعمتوں میں اضافہ ہو، عمر اور مال میں افزائش ہو، اپنی مُرادیں پائیں اور کسی کے محتاج نہ ہوں۔ عزت و دولت بہت ملے اور اُن حضرات کی برکت سے بقول "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ" ہر طرح سے خیر ہو، اِنشاء اللہ تعالیٰ

# مکتوب ⑫

جنابِ عالی مدظلہٗ العالی

نیاز مند خاکسار بعداز اَدائے آداب نیاز مندانہ عرض کرتا ہے کہ یہاں کے عام وخاص میں چند دِنوں سے بعض طلبہ نے اَز سرِ نو یہ مسئلہ ایجاد کر رکھا ہے کہ رسم سلام حسب سُنّت سیّد الانام صلی اللہ علیہ وسلم صرف بوقت مُلاقات ہونی چاہیئے اَور جُدا ہوتے وقت نہیں کیونکہ السَّلامُ علیکم کہنا ایک ہدیہ اَور تحفہ ہے جس کا تبادلہ ایک دوسرے سے جُدا ہوتے وقت نہیں بلکہ آپس میں ملتے وقت ہونا مناسب ہے۔ خزانۃ العُلماء کی روایت بطور سند پیش کر کے لوگوں نے جھگڑا کر رکھا ہے۔ نتیجہ یہ نکل آیا ہے کہ سلسلہ چشتیہ کے بہت سے تعلق داران بدفکر طلبہ کی باتوں کا اثر لے رہے ہیں اَور گمراہ در گمراہ ہوتے جا رہے ہیں۔

لٰہذا عرض بحضور ہے کہ بمطابق مذہب اہلسنّت وجماعت و بموافق روش مشائخ کرام علیہم الرضوان، جواب باصواب ارسال فرمائیں تاکہ ہم سبھی غلام، سند ناطق اَور حجت واثق کے طور پر عمل میں لائیں۔

زیادہ حد آداب

---

# جواب ⑫

برخوردار بعد از سلام مسنونہ واضح ہو کہ فقہ کی کتابوں صحیح حدیثوں اور مشائخ عظام متقدمین و متاخرین کی تصانیف میں لکھا ہے کہ "رسم سلام" دونو حالتوں (ملاقات و مفارقت) میں برابر برابر سُنّت ہے۔ خزانۃ العلماء کی روایت دراصل کچھ یوں ہے۔

قَالَ اَبُوْسَعِيْد وَالْحُسَيْنُ الْقَاضِى جَرَتِ الْعَادَةُ فِيْمَا بَيْنَ النَّاسِ بِالسَّلَامِ عِنْدَ الْمُفَارَقَةِ وَذٰلِكَ دُعَاءٌ يُسْتَحَبُّ جَوَابُهٗ وَلَا يَجِبُ ـ لِاَنَّ التَّحِيَّةَ اِنَّمَا يَكُوْنُ عِنْدَ اللِّقَاءِ لَا عِنْدَ الْاِنْصِرَافِ وَاَنْكَرَ عَلَيْهِمَا الشَّاشِىْ وَقَالَ السَّلَامُ سُنَّةٌ عِنْدَ الْاِنْصِرَافِ كَمَا هُوَ سُنَّةٌ عِنْدَ اللِّقَاءِ وَكَمَا يَجِبُ الرَّدُّ عِنْدَ اللِّقَاءِ يَجِبُ رَدُّ السَّلَامِ عِنْدَ الْاِنْصِرَافِ وَهٰذَا هُوَ الصَّحِيْحُ كَذَا فِى الْكَاشِفِ وَهِدَايَةِ الرَّوَائِحِ بِعَيْنِهٖ

ابو سعید اور قاضی حسین نے فرمایا کہ لوگوں کی عادت بن گئی ہے کہ ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے ہیں۔ جبکہ "السلام علیکم" کہنا ایک دُعا ہے جس کا جواب دینا مستحب ہے واجب نہیں۔ اِس لئے کہ ایک دوسرے کو دُعائیں دینا اور تحفہ ہدیہ دینا لینا، آپس میں ملتے جُلتے وقت ہوتا ہے ایک دُوسرے سے جُدا ہوتے وقت نہیں ہوتا۔ مگر علامہ الشاشی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ نے ان دونو صاحبان سے اتفاق نہ کرتے ہُوئے فرمایا "السلام علیکم" ایک دوسرے سے جدا ہوتے وقت کہنا بھی ایسے ہی سُنّت ہے جیسے مُلاقات کرتے وقت سُنّت ہے۔ اور جس طرح ایک دوسرے سے مُلاقات ہوتے وقت سلام کا جواب دینا واجب ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایک دوسرے سے جُدا ہوتے وقت بھی سلام کا جواب دینا واجب اور ضروری ہے۔ اور پھر خزانۃ العلماء کے مُصنّف نے از خُود فیصلہ دیتے ہُوئے فرمایا کہ علامہ شاشی کا فیصلہ فتویٰ صحیح ہے۔ اسی طرح کاشف میں ہے "ہدایۃ الروائح" میں بھی بعینہ اسیطرح منقول ہے۔

جاننا چاہیئے کہ "سلام" کہنے میں سبقت زیادہ بہتر ہے۔ سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص "سلام" میں سبقت کرے اللہ تعالیٰ اُسے دوزخ سے آزاد کر دیتا ہے۔ اور جب مسلمان مرد گھر سے باہر نکلے تو ہر چلنے والے مسلمان کو السلام کہے کیونکہ ہر دفعہ ملاقات میں سلام کرنا سنت ہے۔ اگرچہ ملاقات بار بار ہو اگر دیوار اور درخت حائل ہو تب بھی ملتے وقت سلام کرنا چاہیئے اصحاب کرام سلف صالحین کا یہی وظیفہ رہا ہے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَعْجَزُ النَّاسِ مَنْ عَجِزَ فِی الدُّعَاءِ وَاَبْخَلُ النَّاسِ مَنْ بَخِلَ بِالسَّلَامِ ہٰکَذَا فِی الطَّرِیْقِ الْمُحَمَّدِیِّ وَفِی الْمِشْکٰوۃِ بَابُ السَّلَامِ اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ عَنْ جَابِرٍ ــــــ

رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان

لوگوں میں سب سے زیادہ عاجز انسان وہ ہے جو دعا میں عاجزی کرے اور سب سے زیادہ بخیل وہ ہے، جو سلام میں بخل کرے۔ مشکوٰۃ شریف باب السلام کے تیسرے فصل میں جابر سے اسی مضمون کی روائت ہے۔ امیر المومنین علی بن طالب رضی اللہ عنہ، کے وصایا میں ہے کہ السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے میں بندہ آزاد کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ شیخ برہان الدین کہتے ہیں میں نے ایک روائت لکھی دیکھی کہ السلام علیکم کہنے والے کو ساٹھ گنا ثواب اور جواب دینے والے کو دس گنا ثواب ملتا ہے۔

کیمیائے سعادت میں ہے جب دو مومن مسلمان ملاقات کرتے وقت ایک دوسرے کو سلام کہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان پر ایک سو رحمت نازل فرماتے ہیں۔ اکیانوے حصہ رحمت سلام کہنے والے پر اور نو حصہ جواب دینے والے کیلئے ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

سوال:۔ اگر کہا جائے کہ السلام علیکم کہنا سنت ہے اور سلام کا جواب دینا فرض تو کیا وجہ کہ سنت کا اجر و ثواب فرض سے زیادہ ہے۔؟

جواب:۔ "سلام" کرنے کا معنی یہ ہے کہ سلام کرنیوالا دوسرے بھائی پر خیر و بھلائی کے فیضان کی ابتداء کر رہا ہے جبکہ جواب دینے والا صرف اپنا فرض ادا کر رہا ہے۔ (لہٰذا سلام کرنے والے کو اجر و ثواب زیادہ ملنا چاہیئے) عین العلم میں ہے کہ سلام کرتے وقت دل میں یہ خیال واثق رکھا جائے کہ جس پر سلام کیا جائے اس کی عزت و آبرو، مال اہل و عیال کی سلامتی

جا ہوں گا۔ نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔

جاننا چاہیئے کہ پہلے سلام پھر کلام ہو جیسا کہ حدیث مبارک میں آیا ہے۔ مَن بدَأ الکلام قَبلَ السَّلامِ فَلا تُجِیبُوہُ حَتّٰی یَبْدَءَ بِالسَّلَامِ (رواہ احمد) جس شخص نے سلام سے پہلے کلام شروع کر دیا ہو اُسے جواب نہ دو یہاں تک کہ سلام سے ابتدا کرے۔ اور یہ حکم عام ہے شہر میں ہو یا جنگل میں کیونکہ حدیث مبارکہ کے الفاظ مطلق اور عام ہیں۔

خزانۃ الفقہاء میں ہے جب کسی کے گھر جانا ہو پہلے اجازت لی جائے اور جب گھر میں داخل ہوں تب سلام کریں۔ مگر جنگل میں کلام پہلے کر کے اس کے بعد سلام کریں۔

فتاویٰ برہنہ میں ہے "سلام" الف لام کے ساتھ السَّلام عَلیکم کہے یا تنوین کے ساتھ سَلامٌ کہا جائے۔ ان صورتوں کے علاوہ کسی اور طرز و روش میں سلام کیا جائے تو جواب دینا غیر ضروری ہے نہ سلام کرنے والے کو ثواب ملے گا نہ مجیب کو ترغیب میں اسی طرح حکم آیا ہے۔

سلام اور اس کا جواب جمع کے صیغہ میں دینا چاہیئے تاکہ فرشتگان بھی محروم نہ رہیں مناقب العلوم میں "السلام علیکم" کا معنی کیا گیا ہے "اَنَا مُسْلِمٌ وَّاَنْتَ عَلَی السَّلَامَتِہٖ مِنِّی" میں مسلمان ہوں اور تم میری طرف سے بسلامت رہو۔ اور جواب دینے والا وعلیکم السلام کہہ کر یقین دلا رہا ہے کہ میں ایماندار ہوں اور تم مجھ سے امن و چین میں ہو" اَنَا مُؤمِنٌ اَنْتَ آمِنٌ مِنِّی"

پس (سالک کیلئے) آغاز میں سلام کا معنی ہو گا کہ میں نے اپنی گردن دینِ اسلام کے لئے جھکا دی اور اے مسلمانو آپ لوگ مجھ سے امن و سلامتی میں ہو۔ اور جواب کا مطلب یہ کہ میں امن دینے والا ہوں تم کو اور مخلوقِ خدا کو اپنے شر سے۔ کذا فی الترغیب ط

سلام کرتے وقت دونو ہاتھوں سے مصافحہ کرنا مستحب ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں ہاتھوں میں کپڑا وغیرہ حائل نہ ہو۔ حدیث شریف میں ہے: مَنْ صَافَحَ اَخَاہُ الْمُسْلِمَ وَحَرَّکَ یَدَہٗ تَنَاثَرَتْ ذُنُوبُہٗ ط۔ یعنی جس شخص نے اپنے مسلمان بھائی سے مصافحہ کرتے وقت ہاتھ ہلائے تو اُس کے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔

براء ابن عازبؓ کے بقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب دو مسلمان آپس میں مصافحہ کرتے ہیں تو ان دونوں کے گناہ گر جاتے ہیں۔ بیہقی نے شعب الایمان میں اس حدیثِ پاک

کو روایت کیا ہے۔

حدیثِ پاک میں ہے کہ جب ایک دفعہ (مصافحہ کرتے وقت) دُرود و سلام پڑھ لیں تو گناہوں سے ایسے پاک صاف ہو جائیں گے جیسا کہ اپنی ماں سے ابھی پیدا ہوئے ہوں۔

ایک ہاتھ ملانا سُنّت کے خلاف ہے۔ اور اُنگلیوں سے مصافحہ اور سلام نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ یہ رافضیوں کا طریقہ ہے۔

بقول طرفین (امام اعظم ابو حنیفہ اور محمدؒ) ہاتھ کندھے اور مُنہ کو بوسہ نہیں دینا چاہیئے مگر امام ابو یوسف نے جائز قرار دیا چنانچہ مختار الفتاویٰ میں ہے یَجُوْزُ تَقْبِیْلُ یَدِ الْعَالِمِ وَالسُّلْطَانِ الْعَادِلِ عِنْدَ السَّلَامِ وَلَا یُقَبِّلُ یَدَ غَیْرِهِمَا۔ عالم اور عادل سُلطان سے سلام کرتے وقت ان کے ہاتھ چُومنا جائز ہے اور دُوسروں کے نہیں۔

قَالَ النَّوَوِیُّ تَقْبِیْلُ یَدِ الْغَیْرِ اِنْ کَانَ بِعِلْمِهٖ وَصِیَانَتِهٖ وَزُهْدِهٖ وَرِیَاضَتِهٖ وَ نَحْوَ ذٰلِکَ مِنَ الْاُمُوْرِ الدِّیْنِیَّةِ لَمْ یُکْرَهْ بَلْ یُسْتَحَبُّ۔

شارح مُسلم علامہ نووی نے فرمایا کسی کے ہاتھ چومنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس میں علم، زہد دیانت اور دوسرے دینی اُمور پائے جائیں۔ امام صدر الشہید رحمۃ اللہ علیہ کا فتویٰ ہے کہ ہاتھ چُومنا مُطلقاً مکروہ ہے۔ پاؤں چُومنا جاہل لوگوں کا طریقہ ہے۔ مگر ماں باپ اساتذہ اور پیر و مُرشد اس کلیے سے مُستثنیٰ ہیں۔

بستان العارفین میں آیا ہے بروایت ابن عباس تحریری سلام کا جواب، قولی سلام کے جواب کی طرح واجب ہے۔ غائب کو سلام لکھ بھیجنا بعینہٖ حاضر و موجود کا سلام کرنا ہے آپ فرمایا کرتے تھے: جَوَابُ الْکِتَابَةِ وَاجِبٌ کَمَا یَجِبُ رَدُّ السَّلَامِ لِاَنَّ الْکِتَابَةَ مِنْ جِهَةِ الْغَائِبِ کَالسَّلَامِ مِنَ الْحَاضِرِ۔ مُسلمان کو وعلیکم السّلام کہنے میں واؤ عاطفہ کا ذکر ضروری ہے تاکہ مقارنت کا فائدہ دے۔ البتہ ذمی کو جواب دیتے وقت واؤ کا ذکر

نہ کرے۔ اگر پوری جماعت میں سے کوئی ایک شخص سلام کا جواب دیدے تو بھی کافی ہے۔ سبھی لوگوں کو ثواب برابر ہوگا۔ اس لئے کہ سننے والا اکیلا ہو تو اسے جواب فرض عین ہے اور اگر جماعت ہو تو انہیں سلام کا جواب دینا فرض کفایہ ہے۔ مگر سبھی لوگ جواب نہ دیں تو برابر کے گنہگار ہوں گے۔ اور اگر جماعت میں سے کسی ایک معین شخص کو سلام کیا گیا تو اس ایک معین شخص پر سلام کا جواب فرض عین ہے دوسروں پر نہیں۔ اور جواب نہ ملنے پر بھی صرف وہی ایک شخص گنہگار ہوگا۔

کنز العباد میں آیا ہے کہ سلام صرف واقف لوگوں تک محدود نہ ہو بلکہ ہر مسلمان (واقف غیر واقف) پر سلام کرنا چاہیئے جیسے حدیث میں آیا ہے۔ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِالسَّلَامِ رَوَاہُ الْبَیْہَقِیُّ فِیْ شعب الایمان ورواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان مشکوٰۃ شریف کتاب الجہاد۔ "السَّلَامُ عَلَیْکُمْ کو پھیلاؤ۔ کھانا کھلاؤ۔ صلہ رحمی کرو۔ جب لوگ میٹھی نیند سو رہے ہوں تو رات کو اٹھ کر نماز تہجد پڑھو تو صحیح وسالم جنت میں داخل ہو جاؤ گے"۔

اگر ذمی یا کافر کسی کو سلام کہے تو صراحۃً وعلیکم السلام نہ کہے بلکہ ایسے طریقہ سے جواب دے کہ محسوس تو سلام کا جواب ہو مگر سلام نہ ہو۔ اسی طرح ہدیۃ الروائح میں آیا ہے مسجد میں داخل ہوتے وقت، اگر لوگ نماز میں ہوں تو کہے اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، اور اگر مسجد شریف میں کوئی آدمی نہ ہو تو یوں کہے: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا مِنْ رَّبِّنَا ہمارے پروردگار کیطرف سے ہم پر سلامتی ہو۔

درج ذیل لوگوں کو سلام نہ کیا جائے۔

| | |
|---|---|
| با آواز قرآن مجید پڑھنے والا | قاضی جبکہ فیصلہ کر رہا ہو |
| مفتی جو کہ فتویٰ لکھ رہا ہو | بادشاہ وقت جس نے عدالت لگا رکھی ہو۔ |
| علم کی تدریس اور ذکر و افکار | حالت وعظ میں۔ اذان میں |

اقامت اور خطبہ میں مصروف لوگوں کو سلام نہیں کہنا ہے اور اگر ان پر سلام کہہ لیا جائے تو افضل ہے یہ کہ خطیب و مؤذن اپنے کام میں مصروف رہیں اور باقی

لوگ جواب دیں۔ مگر ضروری اور لازم نہیں۔

بھیک مانگنے والے کے سلام کا جواب دینا لازم نہیں اس لئے کہ اس کا یہ سلام تحیتہ کیلئے نہیں بلکہ سوال کی علامت ہے۔ بے ریش لڑکے اور نوجوان عورت کو سلام نہ کرے اور ان کے سلام کا جواب زبان سے نہیں دل سے دینا چاہیئے۔ مگر بوڑھی عورت کو زبان سے جواب دے گانے بجانے والا۔ ڈھول بجانے والا سائل اور فاسق وفاجر معلن کو سلام نہ کیا جائے۔ بول وبراز کرنے والوں کو سلام نہ کیا جائے۔ اور اگر سلام کیا جائے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک بحالت بول وبراز کرنے والوں کو زبان سے نہیں دل سے جواب دینا چاہیئے۔ امام محمد رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں جب قضائے بشری سے فارغ ہوں تب جواب دیں جبکہ امام ابویوسف رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ درج بالا دونوں کو سلام کا جواب ہرگز نہیں دینا چاہیئے۔ کیونکہ جواب کا سنانا ضروری ہے اور بحالت بول اور براز جواب سنایا نہیں جاسکتا اسی بات پر فتوی ہے — ہدیتہ الروائح — واللہ اعلم بالصواب

# مکتوب (۱۳)

جناب عالی دامت برکاتہ

بعد از تحیتہ سلام مسنون بندہ سر جھکائے گذارش کرتا ہے کہ کم علم لوگوں کا کہنا ہے کہ شریعت مطہرہ میں، قرض لینا ممنوع اور غیر مشروع قرار پایا ہے اُدھار خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔ نبی اکرمؐ کا قول تائید میں لے آتے ہیں شَدَائِدُ الدُّنْیَا اَرْبَعَۃٌ اَلْبِنْتُ وَلَوْ کَانَتْ وَاحِدَۃً وَالسُّوَالُ وَاِنْ کَانَ مِنْ اَبَوَیْنِ وَالدَّیْنُ وَاِنْ کَانَ دِرْھَمًا وَالسَّفَرُ وَلَوْ کَانَ مِیلًا دُنیا میں شدت بھری چیزیں چار ہیں لڑکی اگرچہ ایک ہو سوال کرنا چاہے ماں باپ سے ہو، اُدھار مانگنا خواہ ایک درہم ہو اور سفر اگرچہ ایک میل ہو۔

بھوک اور پیاس سے جسمانی تکلیف ہوتی ہے مگر قرض ایک جان لیوا مرض ہے یعنی قرض خواہ کا شدت آمیز تقاضا، دل و جان کو غم اور ملال میں ڈال دیتا ہے بلکہ اکثر اوقات مقروض کو جیل لے جاتا ہے جس کی رہائی کا امکان نہیں رہتا۔

غریب نواز! ہم غریب علاقوں کے لوگوں کی گذر بسر قوتِ لایموت سوائے قرض لینے دینے کے بالکل مشکل ہے۔ اندریں حالات آنوالاشان کی بے غایات عنایات سے اُمید واثق ہے کہ تحقیق و تدقیق کے بعد مفتی بہ مسئلہ تحریر فرمائیں گے کہ وہ تحریر ہم غلاموں کے لئے سند ہوگی اور اس پر عمل کیا جائے گا۔ زیادہ حد آداب!

# جواب (۱۳)

برخوردار بعد از سلام مسنون الاسلام واضح باد کہ درج قول یا حدیث تحذیر اور ترہیب کے بطور وارد ہوئی ہے تاکہ بلا ضرورت قرض کی ہلاکت میں نہ پڑیں۔ جبکہ کم فہم لوگوں نے اس حدیث مبارکہ کو حجت قرار دیکر ہر قسم کا اُدھار حرام اور ممنوع قرار دے دیا۔

شریعت پاک میں بوقت اشد ضرورت قرض لینا جائز ہے اس پر اتفاق اور یہی اجماع اُمت ہے۔ فقہ کی کتابوں میں ہے کہ تین موقع پر اُدھار لینا جائز ہے۔ افلاس ہو اور اُدھار لئے بغیر قوت لایموت تک میسر نہ آسکے۔ دوسرے میت کی تکفین و تدفین کیلئے جبکہ میت کے وارث مفلس ہوں۔ اور ان کے پاس کفن دفن کا خرچ نہ ہو اور تیسرے یہ کہ اولاد بالغ ہو رہی ہے۔ فسق و فجور کا خوف ہے فوراً شادی کرنا چاہیئے خصوصاً لڑکی بالغ ہوگئی اُدھار لے کر شادی کرنا چاہیئے جبکہ لڑکی بالغ ہو تو شریعت کے حکم کے مطابق اس کی شادی جلدی کرنے کی تاکید مزید آئی ہے۔ احسن یہ ہے کہ ضرورت کو عام رکھا جائے تاکہ ان تین صورتوں کے علاوہ تین اور صورتوں کو بھی شامل ہو جائے۔

کتاب عین العلم میں آیا ہے۔ وَیَسْتَدِیْنُ فِیْ ضُعْفِ قُوَّۃٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَتَکْفِیْنِ مَیِّتٍ مُفْلِسٍ وَنِکَاحٍ لِیَتَعَفَّفَ مُتَوَکِّلًا عَلَی اللّٰہِ وَھُوَ یَقْضِیْہِ وَیَنْوِیَ الْقَضَاءَ بِاَحْسَنِ وَجْہٍ فَوَرَدَ فِی الْخَبَرِ اِنَّ الْمَلٰٓئِکَۃَ یَدْعُوْنَ لَہٗ حَتّٰی یَقْضِیَہٗ ۔

تین صورتوں میں اُدھار لیا جا سکتا ہے۔ ایک فی سبیل اللہ جب کہ طاقت و قوت میں ضعف ہو۔ دوسرے مُفلس انسان کی تکفین تدفین میں اور تیسری صورت یہ ہے کہ عفت و عصمت کی حفاظت کی خاطر شادی و نکاح کرنا ہو۔ درج بالا تینوں صورتوں میں اُدھار اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے کہ وہ ذاتِ کریم قرض ادا کرنے کی توفیق دینے والی ہے جائز ہے۔

پس واضح رہے کہ صالح امور کے لئے جیسا کہ مذکور و تحریر ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے

فضل وکرم پر اعتماد کرتے ہوئے، قرض لینا جائز ہے بشرطیکہ اس قرض کی ادائیگی کا مصمم اور پختہ ارادہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کی ادائیگی میں آسانی پیدا کرتا ہے۔ مگر ضروری ہے کہ اس قرض کو بے جا خرچ نہ کیا جائے اور اس کے ادا کرنے میں غفلت سے کام نہ لے مبادا موت آئے اور قرض ادا نہ کیا جائے۔ اور قرض کی ادائیگی باقی ہو تو پریشانی اور پشیمانی ہوتی رہے گی۔

حدیثِ مبارک ہے: اَلْعُجْلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ وَالتَّانِیْ مِنَ الرَّحْمٰنِ اِلَّا فِیْ خَمْسَۃِ اَشْیَاءَ تَزْوِیْجُ الْبِکْرِ، قَضَاءُ الدَّیْنِ، تَجْہِیْزُ الْمَیِّتِ، قِرٰی الضَّیْفِ وَالتَّوْبَۃِ مِنَ الذَّنْبِ اَوْ کَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جلد بازی شیطان سے ہے اور حوصلہ سے کام لینا اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے۔ سوائے پانچ مقامات کے (جہاں جلدی سے کام لیا جائے گا) باکرہ کی شادی نکاح۔ قرض کی ادائیگی۔ میّت کی تجہیز و تکفین۔ مہمان کو کھانا کھلانا اور گناہوں سے توبہ کرنا ....... انتھی کلامہ۔

اسی لئے فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ جب تک ایک درہم بھی قرض باقی ہو مسکین کو صدقات و خیرات دینا نامناسب ہے۔ علامہ ابن حجر محدث رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اس بات پر اُمتِ محمدیہ کا اتفاق ہے کہ مقروض کے لئے یہ جائز نہیں کہ قرض کی ادائیگی چھوڑ کر اپنا مال صدقات و خیرات کر دے۔ اور حضرت ابراہیم بن ادہم فرماتے ہیں لَا یَنْبَغِیْ لِرَجُلٍ اِذَا کَانَ عَلَیْہِ دَیْنٌ اَنْ یَصْطَبِغَ خُبْزَہٗ بِالزَّیْتِ وَالْخَلِّ مَا لَمْ یَقْضِ دَیْنَہٗ کَذَا فِیْ تَنْبِیْہِ الْغَافِلِیْنَ لِاَبِی اللَّیْثِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ عَلَیْہِ

قرض دار کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ زیتون و سرکہ کے ساتھ مرغن روٹی کھائے جبکہ قرض ادا نہ ہوا ہو۔ کُلُوْا وَاشْرَبُوْا پر عمل جائز ہے البتہ وَلَا تُسْرِفُوْا میں داخل نہ ہوں۔ قرض کی ادائیگی نہ کرتے ہوئے خیرات وصدقات کرنا اسراف ہے۔ کہیں ایسے نہ ہو کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ کے زمرہ میں اور مُبَذِّرِیْنَ کے فرقہ میں داخل ہو کر دین و دُنیا برباد کر بیٹھیں الٰہی عاقبت بالخیر والسرور ہو۔ آمین آمین۔

---

# مکتوب (۱۴)

جناب عالی مدظلہٗ العالی

بندہ نیاز آثار خاکسار بآن دربار عرش شعار عرض کرتا ہے کہ اس دور میں بعض بے خبر جاہل لوگ بوجہ کم علمی و قلت فہمی، محض فساد و عناد کے پیش نظر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ندا دینا بالفظ "یارسول اللہ، یا حبیب اللہ" اور حضور کے توسل کے ساتھ دعا مانگنے کو ممنوع اور شرعاً حرام قرار دیتے ہیں آیت پاک اور آیت کریمہ "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ" کی اپنے انداز میں ایسی تاویل کرتے ہیں، جس کا حقیقت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

یہ لوگ غلط دلائل سے مخلوق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں مثلاً کہتے ہیں کہ حرف "یا" منادی قرب کیلئے استعمال ہوتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وبابرکات سینکڑوں منزلیں دور ہے تو "یارسول اللہ" کہہ کر پکارنا کیونکر جائز ہے اور حرف "یا" ذی حیات منادی کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جبکہ سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال مبارک چودہ سو سال پہلے ہو چکا ہے اور آپ اس دنیا میں ہمیں داغ مفارقت دے گئے ہیں ۔ اندریں حالات، آنحضرت کو ندا کرکے یارسول اللہ کہہ کر پکارنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مدد چاہنا شریعت مبارکہ میں جائز نہیں ہے۔

غریب نواز! گرد و نواح میں اکثر لوگ ایسی بے برکت باتوں سے ملال محسوس کرتے ہیں۔ ازراہ عنایت بے غایت، اپنے حضور میں رہنے والے بہرہ ور علماء کرام اور محقق و مدقق حاشیہ نشینان فضلا کرام سے درج بالا استفتاء کا مدلل جواب باصواب لکھوا کر اپنی مہر مبارک سے مزین چند سطور ہم غلام لوگوں کو بھجوا دیجئے تاکہ آپ کی تحریر دلپذیر کو سند سمجھ کر عمل کیا جا سکے۔ زیادہ حد آداب۔

# جواب (۱۴)

برخوردار بعد از سلام مسنون الاسلام واضح ہو کہ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ آیتِ کریمہ ہے جو طلب علم کے دعویدار ہیں اور حقیقت میں شر و فساد کے بانی۔
مَثَلُ الَّذِیْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ یَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۱۱)
اُن کی مثال جن کو تورات دی گئی تھی پھر اُنہوں نے اس کی حکم برداری نہ کی، گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اُٹھائے ہوتا ہے۔ اس قسم کے لوگوں کے فکر کی اساس و بنیاد تین چیزیں ہیں۔ ایک آیت کریمہ: اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اَوْ فِیْ مَقَامٍ آخَر وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ۔ (پارہ ۲۲ رکوع ۱۵) بے شک تم مردوں کو سنانیوالے نہیں۔ اور تم نہیں سنانیوالے انہیں جو قبروں میں ہیں۔ یعنی میت کچھ نہیں سن سکتی ہے۔

دوسرے یہ کہ دُور سے پُکارنا، علم غیب کو مستلزم ہے جبکہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے آدمی کو اس میں شریک نہیں کیا جا سکتا۔

تیسرے انبیاء اولیاء وغیرہ سے سوال کرنا ٹھیک نہیں اس لئے کہ دینا اور نہ دینا صرف اللہ تعالیٰ کی صفت ہے معطی اور مانع وہ آپ ہے بندہ کو اس میں کیا قدرت ہے؟

عزیزم اَطَالَ اللّٰہُ عُمْرَکَ ان تینوں دلائل کے جواب تفصیل وار ملاحظہ ہوں۔

**جواب دلیل اوّل:** ان لوگوں کی پہلی دلیل کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو مُردہ کہنا اور انہیں ان دونو آیات (انک لا تسمع الموتی۔ وما انت بمسمع من فی القبور) کا مصداق قرار دینا کسی طرح بھی دُرست نہیں ہے جب کہ ایک اَدنیٰ سے اَدنیٰ مومن پیچھے پر بھی یہ دونو آیات صادق نہیں آتیں بلکہ (انبیاء علیہم السلام کو مُردہ قرار دینا) اللہ و رسُول کی تعلیمات کا صاف صاف انکار ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْيَاءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ (پارہ ۲ رکوع ۳) اور جو خدا کی راہ میں مارے جائیں انہیں مُردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمہیں شعور نہیں۔

انبیاء علیہم السلام کی زندگی، شہدا کی زندگی سے بہت زیادہ قوت دار اور بہت زیادہ کامل ہے کیونکہ اللہ کے نزدیک شہیدوں کی زندگی، معنوی اور اُخروی زندگی ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ طیبہ بعد وصال، حسی اور دنیوی زندگی ہے۔ اس بارے میں بے شمار احادیث و آثار پائے جاتے ہیں۔ جیسا کہ شیخ عبد الحق المحدث الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ مدارج النبوۃ میں فرماتے ہیں: اَلْاَنْبِيَاءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ رَوَاهُ مُسْلِمٌ والبیہقی، یعنی انبیاء علیہم السلام زندہ ہیں اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ اور ایک دوسری حدیثِ مبارکہ جسم مبارک کے زندہ ہونے اور درود و سلام سننے پر خصوصی دلالت کرتی ہے، یہ ہے مَا مِنْ مُسْلِمٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ اِلَّا رَدَّ اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيَّ رُوْحِي اَرُدُّ عَلَيْهِ السَّلَامَ (رواہ ابو داؤد ص[۲۷۹]) کوئی شخص ایسا نہیں جو مجھ پر سلام کہتا ہو مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ میری روح کو مجھ پر لوٹا دیتا ہے۔ یہاں تک کہ میں اس کے سلام کا جواب دیتا ہوں۔ اس حدیث کو ابو داؤد نے روایت کیا۔

[۲۷۹] بظاہر اس حدیث کا اطلاق "ہر وقت" کو شامل ہے اور اس سے حیات میں شبہ نہ کیا جائے کیونکہ مراد یہ ہے کہ میری روح جو ملکوت و جبروت میں مستغرق تھی (جس طرح کہ دنیا میں نزول وحی کے وقت کیفیت استغراق ہوتی تھی) اس سے افاقہ ہو کر سلام کی طرف متوجہ ہو جاتا ہوں اور اس آفاقی کیفیت کو "رد روح" سے تعبیر فرمایا ہے ورنہ سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم باقی تمام انبیاء کی طرح اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں اور انبیاء علیہم السلام کی ارواح مقدسہ کو عالم علوی اور عالم سفلی سے تعلق ہوتا ہے جیسا کہ عالم دنیوی میں تھا۔ اس لئے انبیاء علیہم السلام قلب کے اعتبار سے عرشی اور قالب کے اعتبار سے فرشی کہلاتے ہیں۔

علامہ انطاکی فرماتے ہیں کہ رد روح سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع کر دیتا ہے کہ فلاں شخص نے آپ پر درود و سلام بھیجا ہے

اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو لوگوں میں سے سلام بھیجنے والے کے حالات کا علم ہوتا ہے جس کو "رد روح" سے تعبیر فرمایا گیا۔ کذا فی السراج ۔

مواھب اللدنیہ میں واضح اور مدلل طور پر درج ہے کہ رد روح عبارت ہے اس خاص توجہ مخصوص روحانی التفات اور بشریت کے دائرے میں تنزل سے جس سے رد سلام حاصل ہوتا ہے۔

اور اس توجہ خاص اور التفات روحانی کو عموم اور بہت وسعت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ ایک ہی وقت میں اگر کروڑوں مسلمان درود و سلام پڑھیں تو یہ توجہ نبوی سب کو شامل اور یہ روحانی التفات تمام کو برابر مشتمل رہتی ہے۔

یکساں بہ پیش مہر بود قرب و بعد خاک
کو ذرہ پرور است بہر شہر و ہر دیار!

سورج کے سامنے زمین کا دور و نزدیک ہونا، یکساں و برابر ہے اس کی ذرہ نوازی ہر ہر شہر اور ہر ہر ملک میں پائی جاتی ہے۔

شیخ عبدالحق دہلوی علیہ الرحمۃ "اشعۃ اللمعات" میں شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں رد روح سے یہ مراد نہیں ہے کہ بدن سے جدا ہونے کے بعد روح اب واپس آئی ہے۔ بلکہ رد روح کا معنی یہ ہے کہ عالم برزخ میں، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ملکوت و جبروت میں مشغول ہوتے تھے تو آپ اس استغراق و مشاہدہ سے افاقہ پاکر درود و سلام کیطرف متوجہ ہو جاتے ہیں جسے رد روح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اسکی مثال بعض علماء حضرات نے یوں دی ہے۔ فَلَمَّا اسْتَيْقَظْتُ وَاَنَا فِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ــــــــــــ الخ

"(معراج) میں جب بیدار ہوا تو اس حال میں کہ میں مسجد حرام میں تھا۔"

اسراء اور معراج خواب میں نہیں ہو رہا تھا اس لئے بیدار ہونے کا معنی یہ ہے کہ عالم ملکوت سے حاضر عجائبات کے اشتغال سے افاقہ پایا۔

صحیح حدیث میں آیا ہے کہ جمعہ کے دن درود و سلام کثرت سے پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود و سلام مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے عرض کیا

یارسُول اللہ ہمارے درود و سلام آپ پر پیش کیسے کیئے جائیں گے؟ جبکہ آپ ہماری آنکھوں سے اُوجھل ہو چکے ہوں گے تو آپ نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ اَوْکَمَا قَالَ (رواہ ابنِ ماجہ واحمد) بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء علیہم السّلام کے جسدِ اطہر کا کھانا حرام کر دیا ہے۔

شیخ نے مدارج النبوت میں فرمایا ہے کہ اِن حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ حیاتِ انبیاء علیہم السّلام حسی اور دنیوی جیسی ہے نہ یہ کہ صرف بقائے روح ہو جیسا کہ شہداء علیہم الرحمتہ کیلئے ہے جو کہ سبز پرندوں کے پیٹ میں ہوں گے۔ وَاللّٰہُ اعلم اور وُہ حدیثِ مُبارک بھی حیاتِ حسی و دنیوی پر دلالت کرتی ہے۔ جو شیخ عثمان جزولی رحمتہ اللہ علیہ نے دلائل الخیرات میں درج فرمائی ہے۔

قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرَأَیْتَ صَلٰوۃَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْکَ فَمَنْ غَابَ عَنْکَ وَمَنْ یَّاْتِیْ بَعْدَکَ۔ مَاحَالُھُمَا عِنْدَکَ فَقَالَ اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مُحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا

صحابہ نے رسُولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے پُوچھا کہ جو لوگ آپ سے کہیں غائب ہیں یعنی دُور ہیں اور جو لوگ آپ کے بعد پیدا ہوں گے، ان کا آپ پر درود و سلام کس حالت میں ہوگا؟ آپ نے فرمایا اہلِ محبت کا دُرود و سلام میں خُود (بلا واسطہ) آپ سُنوں گا اور سُنتا ہُوں۔ اور باقی لوگوں کا دُرود و سلام میرے حضُور فرشتوں کے ذریعہ پہنچایا جاتا ہے۔ شارح دلائل الخیرات نے مطالع المسرات میں فرمایا، قولہ اَسْمَعُ (میں خُود سُنتا ہُوں) سے مُراد یہ ہے کہ میں بلا واسطہ خُود آپ سُنتا ہُوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ محبِّ رسُول اور عاشقانِ نبی خواہ مزارِ مُبارک کے قریب مواجہ شریف میں دُرود و سلام پڑھیں یا بہت دُور بیٹھے ہُوئے غائبانہ حالت میں، سرکارِ دو عالم سب کا دُرود و سلام بنفسِ نفیس خُود آپ سُن لیتے ہیں۔

در راہِ عشق مرحلۂ قرب و بُعد نیست
مے بنیمت عیاں و دُعا مے فرستمت

راہِ عشق میں دُوری اُور نزدیکی کے مرحلے نہیں ہوتے میں تجھے برملا دیکھتا اُور دعائیں دیتا رہتا ہُوں۔

المختصر ایسے قوی اُور مضبوط دلائل کی موجودگی میں انبیاء علیہم السلام کو مُردہ اعتقاد کرنا طریقِ اسلام سے انحراف کے سوا اُور کیا ہو سکتا ہے نعوذ باللہ من ذالک و نستغفرہٗ۔

دو آیات "اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی (پارہ ۲۰ سورہ رکوع ۲) وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ" کی وضاحت سُن لیجئے۔ دونو آیات میں تُسْمِعُ اُور مُسْمِعٌ باب افعال کے صیغے ہیں جن کا مصدر اسماع ہے سمع نہیں یعنی آیات الٰہیہ میں اسماع (سنوانے) کی نفی ہے۔ سمع سماع کی نفی نہیں ہے۔ سمع سماع اُور چیز ہے اُور اسماع دوسری چیز ہے۔

دوسری بات مفسرین رحمۃ اللہ علیہم اجمعین مثلاً بیضاوی مدارک حُسینی وغیرہم نے جو فرمائی ہے وُہ یہ ہے کہ "موتٰی اُور مَنْ فِی الْقُبُوْرِ" سے مراد کافر لوگ ہیں یعنی کافروں کو مُردوں سے تشبیہہ دی گئی (وجہ تشبیہہ یہ ہے) کہ سُنی سُنائی باتوں سے کافر لوگ بھی مُردوں کی طرح فائدہ نہیں پا سکتے ہیں۔ بالتفاق جمیع مفسرین آیاتِ الٰہیہ میں سنوانے کی نفی صرف کفار سے کی گئی ہے۔ جنہیں مُردوں سے تشبیہہ دی گئی ہے۔

---

مُردوں سے مُراد کفار جن کے دِل مُردہ ہیں۔ جو لوگ اِس آیت سے مُردوں کے نہ سُننے پر استدلال کرتے ہیں غلطی پر ہیں یہاں مُردہ کفار کو کہا گیا ہے اُور ان سے بھی مطلقاً ہر کلام کے سُننے کی نفی مُراد نہیں۔ بلکہ پند و موعظت اُور کلام ہدایت کے بسمع قبول سُننے کی نفی ہے۔ اُور مراد یہ ہے کہ مُردہ دِل کفار نصیحت سے نفع نہیں پاتے۔ اِس آیت کے یہ معنی بتانا کہ مُردے نہیں سُنتے بالکل غلط ہے۔ اُور اسی طرح قبر والوں سے مُراد کفار ہیں نہ کہ مُردے اُور سُننے سے مُراد وُہ سُننا ہے جس پر راہ یابی کا نفع مرتب ہو رہا ہو۔ مُردوں کا سُننا تو احادیث کثیرہ سے ثابت ہے۔

(مترجم)

آیات متذکرہ تو مومنین کے ادنیٰ سے ادنیٰ بچوں پر بھی صادق نہیں آسکتیں اس لئے کہ بکثرت آیات واحادیث ان کے خلاف وارد ہیں جو سمع موتیٰ پر برابر دلالت کرتی ہیں۔ مثلاً نمونہ از خروارے ۔۔۔ حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم ثمود کی ہلاکت کے بعد، اُن سے بطور خطاب فرمایا لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۱۶) بیشک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچادی اور تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیر خواہوں کے غرضی ہی نہیں تھے۔ مفسر حسینی کہتے ہیں کہ واقعہ یہ ہے کہ ثمود نے چہارشنبہ کو ناقہ کی کونچیں کاٹی تھیں تین دن بعد ہلاک ہوئے پھر صالح علیہ السلام نے انہیں مخاطب کرکے فرمایا۔ اور سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم بروز بدر کے مقتولین کفار قریش سے فرماتے ہیں۔ فَاِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟ (رواہ البخاری) بے شک ہم نے تو پروردگار کا وعدہ پالیا ہے کیا تم نے بھی رب العالمین کا وعدہ برحق پایا؟ پھر امیر المؤمنین عمر فاروق کا سوال کیا مردے سن لیتے ہیں اور رسول الثقلین کا جواب کہ وہ تم سے زیادہ سن سکتے ہیں الخ۔ اس باب میں بے شمار آیات مبارکہ اور احادیث مقدسہ وارد ہیں جن سے سمع للموتیٰ ثابت ہوتا ہے۔

**جواب دلیل دوم:-** کہا گیا ہے کہ دور سے ندا دینا پکارنا علم غیب کو ملتزم ہے جبکہ علم غیب صرف اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ لہٰذا ندا غائبانہ ناجائز اور ممنوع ہے۔

جاننا چاہیئے کہ غیب کا لغوی معنی ہے مخفی ہونا۔ دور ہونا۔ غیر حاضر ہونا، پوشیدہ ہونا اور کسی جگہ سے فاصلہ بعیدہ پر ہونا۔ شرعاً غیب ایک چیز کا نام ہے جو عقل وخرد سے پوشیدہ اور مخفی ہو جس تک دلائل کو رسائی نہ ہوسکے۔

غیب بایں معنی دو قسم ہے غیب مطلق اور غیب اضافی غیب مطلق کا دوسرا نام ہے غیب خاص اور یہ قسم غیب خاص اللہ تعالیٰ کیلئے مخصوص ہے۔ اور غیب کی دوسری قسم غیب اضافی یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ نیز یہ غیب اضافی بعض بندگانِ خدا کی نسبت سے

غیب اور بعض دوسروں کی نسبت سے شہادت سے موسوم ہے۔ مثال دی جاتی ہے جیساکہ بھوک و پیاس جوکہ انسان کو معلوم ہے مگر فرشتوں کیلئے غائب اور غیر معلوم و مخفی ہے۔

پس غیب مطلق جو پہلی قسم ہے اور جو کہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے اگر خود رب العالمین اپنے بزرگان خاص کو اس پر اطلاع بخش دے تو جائز ہے جیساکہ سورہ جن پارہ ۲۹ رکوع ۱۲ میں آیا ہے۔ عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ۔ غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے کہ ان کے آگے پیچھے پہرا مقرر کر دیتا ہے۔

جناب قاضی بیضاوی اس آیت کی تفسیر کرتے ہیں۔ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ الْمَخْصُوْصِ بِهٖ عِلْمُهٗ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى بِعِلْمِ بَعْضِهٖ حَتّٰى يَكُوْنَ لَهٗ مُعْجِزَةً (بیضادی شریف) اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص غیب مطلق پر کسی کو مسلط نہیں کرتا سوائے پسندیدہ لوگوں کے جنہیں اس غیب خاص سے بعض کا علم دے دیتا ہے۔ (اور انہیں غیوب پر مسلط کرتا ہے اور اطلاع کامل اور کشف تام عطا فرماتا ہے) اور یہ علم غیب ان کے لئے معجزہ ہوتا ہے۔ تفسیر حسینی میں ذکر کیا گیا ہے کہ سید الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم مرتضٰی رسولوں میں سب سے اعلیٰ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو تمام اشیاء کے علوم عطا فرمائے ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں آیا ہے کہ غیب خاص جو کہ غیب کی قسم اول ہے، سے مراد پانچ علوم ہیں جوکہ سورۃ لقمان پارہ ۲۱ رکوع ۱۳ میں آیا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِىْ نَفْسٌۢ بِاَىِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ بیشک اللہ تعالیٰ کے پاس ہے قیامت کا علم اور اتارتا ہے بارش اور جانتا ہے جو کچھ ماؤں کے پیٹوں میں ہے اور کوئی جان نہیں جانتی کل کیا کمائے گی اور کوئی جان نہیں جانتی کہ کس زمین میں مرے گی بیشک اللہ جاننے والا بتانے والا ہے۔

تفسیرات احمدیہ میں آیا ہے کہ اگرچہ علوم خمسہ (پانچ چیزوں کا علم) صرف اور صرف

اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اس کی ملکیت ہے لیکن یہ بھی جائز اور روا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے اپنے اولیاء اور اپنے محبوبوں میں سے انہی علوم خمسہ پر خبردار کرے۔

اللہ تعالیٰ کا قول :

"اِنَّ اللہَ عَلِیۡمٌ خَبِیۡرٌ" درج بالا دعویٰ پر بطور قرینہ اور دال موجود ہے کہ خبیر کا معنی ہے۔ مخبر یعنی دوسروں کو بتلانے والا۔ ملا جیون فرماتے ہیں۔ اِنَّ عِلْمَ ھٰذَا الْخَمْسَۃِ وَاِنْ کَانَ لَا یَمْلِکُہٗ اِلَّا اللہُ لٰکِنَّہٗ یَجُوْزُ اَنْ یُّعَلِّمَھَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ مُحِبِّیْہِ وَاَوْلِیَاءِہٖ بِقَرِیْنَۃِ قَوْلِہٖ تَعَالٰی اِنَّ اللہَ عَلِیْمٌ خَبِیْرٌ عَلٰی اَنْ یَّکُوْنَ الْخَبِیْرُ بِمَعْنَی الْمُخْبِرِ ۱۲

جناب ملا علی قاری، حصن حصین کی شرح حرز ثمین میں ارشاد فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خبیر ہے بایں معنی کہ حقائق اشیا کا علم رکھتا ہے اور علم ماکان و مایکون (ماضی و مستقبل کی اپنے اولیاء اور اپنے محبوبوں کو خبر دینے والا ہے۔ بکثرت دلائل سے ثابت ہوتا ہے کہ بارش کا وقت اور حمل میں کیا ہے اور کل کو کیا کرے گا اور کہاں مرے گا ان امور کی خبریں اللہ تعالیٰ کی تعلیم سے انبیاء و اولیا کو بطور معجزہ و کرامت عطا ہوئی ہیں خصوصاً سلطان الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم تو بعطائے خداوندی علوم خمسہ کے مالک و مختار ہیں مگر انہیں ان علوم خمسہ کو مخفی رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

تو آیت کے معنی قطعاً یہی ہیں کہ بغیر اللہ تعالیٰ کے بتائے کوئی نہیں جانتا اس کے یہ معنی لینا کہ اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بھی کوئی نہیں جانتا محض باطل اور صدہا آیات و احادیث کے خلاف ہے۔ (خازن احمدی روح البیان بیضاوی)

حافظ جلال الدین السیوطی، خصائص میں فرماتے ہیں کہ ایک دن نبی پاک نے فرمایا کہ فلاں جگہ فلاں روز بہت مینہہ برسے گا۔ منافقین کو سخت انتظار رہا جب خبر آگئی کہ اسی روز جگہ مقررہ پر بہت زوردار برسات ہوئی تو سبھی لوگ معترف ہوئے۔

محدث ابونعیم، ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عباسؓ کی بیوی ام الفضل آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں سید کائنات

نے ان سے فرمایا کہ اے عامریہ! خوش ہو جاؤ کہ تیرے پیٹ میں ایک لڑکا ہے اور جب وہ بچہ پیدا ہو تو میرے پاس لے آنا تو بی بی ام الفضل وضع حمل کے بعد اپنے بچے کو آنحضرت کے حضور لائیں سرکارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے کانوں میں اذان اور تکبیر پڑھی اور اپنی لعاب مبارک بھی اسے گھٹی میں دی۔ اس کا نام "عبداللہ" رکھا جنہیں بعد میں مبشر و شہور شمار کیا گیا ہے۔

سیدنا امام مالک بن انس :- حضرت عائشہ صدیقہ سے روایت کرتے ہیں ایک دن حضرت ابوبکر الصدیق مجھے فرمانے لگے کہ تمہارے ہاں میرے وارث (میرے سوا چار ہیں دو بھائی اور دو بہنیں تو میں نے عرض کیا میری بہن ایک ہے جس کا نام "اسماء" ہے دوسری بہن کون؟ تو فرمایا تیری دوسری بہن ابھی اپنی ماں کے پیٹ میں ہے پیدا نہیں ہوئی۔ چنانچہ سیدنا ابوبکر الصدیق کی وفات کے بعد حضرت عائشہ صدیقہ کی دوسری بہن پیدا ہوئی۔ جس کا نام ام کلثوم رکھا گیا۔ درج بالا احدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک کی طرح اپنے اولیاء اور محبوبوں کو بھی "مَافِی الْاَرْحَامِ" پر مطلع فرمایا ہے تفسیر معالم التنزیل للبغوی میں آیت قرآنیہ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَیَانَ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۱) کے تحت کہتے ہیں کہ اس آیتِ کریمہ میں الانسان سے مراد رسولِ کریم سرورِ دوجہاں علیہ السلام ہیں۔ آپ فردِ کامل ہیں جو مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم رکھتے ہیں۔ تمام محدثین کا یہی اعتقاد ہے اور سب کا اسی اعتقاد پر اجماع و اتفاق ہے۔

احمد طبرانی وہم ترمذی ابن منیع
تا ابی درداء، ابی ذر بردہ اسناد رفیع
مے نجنباند پر خود جانور زیر سما
تا قیامت ذکر کرد علمے ازاں آں رہنما
ہست ایں انواع اشیاء را بیان خارج زحد
رو شفاء وہم مواہب ہم مدارج بیں سند

مسند احمد، ترمذی شریف ابن منیع سے لے کر ابو درداء اور ابوذر غفاری تک

سنی اور اولی اسناد کے ساتھ روایات بکثرت موجود ہیں کہ زمین و آسمان میں پرندوں کے پر ہلانے تک بھی، اُس ہادیٔ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی تمام چیزوں کا ذکر و علم بیان کیا ہے۔ ان انواع و اشیاء کا بیان حد سے خارج ہے۔ اگر یقین پیدا کرنا مقصود ہو تو قاضی عیاض کی شفا شریف امام قسطلانی کی مواہب اللدنیہ اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی مدارج النبوۃ کا مطالعہ کریں۔ اور ماکان و مایکون کا علم، وہ علم ہے جس سے قیامت کا علم اور مَاذَا تَکْسِبُ غَداً (کل کیا کام کرو گے) کا علم یعنی یہ دونوں علم مفہوم و معلوم ہوتے ہیں۔

امام بیہقی رحمتہ اللہ علیہ سے مروی ہے ایک دن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُم المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تیرا وصال "سرف" میں ہوگا جہاں تیری شادی خانہ آبادی ہوئی تھی جب اُم المؤمنین میمونہ بیمار ہوئیں تو آپ نے فرمایا کہ سیدِ دو عالم علیہ السلام نے مجھے خبر دی تھی کہ میری موت مکہ میں نہیں "سرف" کے مقام پر ہوگی چنانچہ آپ کو مکہ مکرمہ سے سرف لے جایا گیا اور میمونہ رضی اللہ عنہا فی الواقع اسی درخت کے نیچے وفات پا گئیں جہاں ان کا دو عالم کے سلطان کے ساتھ زفاف ہوا تھا یہ مقام سرف تھا۔

غرضیکہ اس قسم کے ہزار در ہزار واقعات احادیث مبارکہ مشائخ عظام کی بکثرت روایات پائی جاتی ہیں اور یہ سلسلہ اب تک بھی جاری ساری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں اور اولیاء کو ماضی و مستقبل یعنی مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کا علم عطا فرمایا ہوا ہے۔

## جوابِ دلیل سوم۔

یہ اعتقاد کہ انبیاء و اولیاء سے کچھ مانگنا شریعتِ محمدیہ میں غیر پسندیدہ اور ناجائز ہے معطی اور مانع یعنی دینے والا اور نہ دینے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے۔ بھلا انسان کو اس میں کیا مجال؟ تو ایسے اعتقاد والوں کو جاننا چاہیئے کہ دراصل مانع اور معطی صرف اللہ تعالیٰ ہے مگر یہ بھی حق ہے کہ اجناس عالم کی چابیاں نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی گئی ہیں۔ جیسا کہ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی انصاری جو کہ اصحاب صفہ میں سے تھے

اور آپ کے سفر و حضر کے ساتھی تھے فرماتے ہیں کہ ایک رات میں جناب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں شب باش تھا وضو کا پانی مسواک کنگھا وغیرہ لے آیا سید الثقلین نے مسواک فرمایا وضو سے فارغ ہوئے کنگھا کر لیا اور مجھ سے فرمایا سَلْ تُعْطٰی، (جو چاہو مانگو مل جائے گا۔) فَقُلْتُ اَسْئَلُکَ مُرَافَقَتَکَ فِی الْجَنَّۃِ قَالَ اَوَ غَیْرَ ذٰلِکَ قُلْتُ ھُوَ ذَاکَ اَوْ کَمَا قَالَ۔ میں نے عرض کیا جنت میں آپ کی رفاقت چاہتا ہوں نبی پاک نے فرمایا اس کے سوا کچھ اور مانگ مگر میں نے عرض کیا بس یہی کافی ہے۔ مشکوٰۃ شریف باب الشہداء الخ مسلم نے روایت کیا:

(اس حدیث مبارک سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ لفظ "سَلْ" (سوال کیجئے مانگئے) مطلق فرمادیا اور کسی خاص مطلب کی تخصیص نہیں فرمائی جس سے محقق اور ثابت ہو جاتا ہے کہ تمام امور آپ کے ہاتھ میں ہیں جسے چاہیں جب چاہیں اور جو چیز چاہیں اللہ رب العزت کے حکم سے دیتے ہیں۔ (مترجم) شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں

واز فوائد این حدیث آنست کہ خدمت بزرگان و راضی ساختن ایشاں موجب سعادت وحصول موہبت وکرامت است وچہ بزرگ وکدام بزرگ کہ سید کائنات اجود و اکرم اہل عالم وخلاصہ موجودات است صلی اللہ علیہ وسلم واز اطلاق سل بخواہ وتخصیص نکرد بمطلوبے خاص معلوم شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد ہرکہ خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔ قصیدہ بردہ شریف میں ہے۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا
وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمُ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

اگر خیریت دُنیا و عقبی آرزو داری
بدر گاہش بیا و ہرچہ مے خواہی تمنا کن

اور مرقات میں آیا کہ شیخ ابن حجر مکی فرماتے ہیں وَیُؤْخَذُ مِنْ اِطْلَاقِ بِقَوْلِہٖ سَلْ اَنَّ اللّٰہَ مَکَّنَہٗ مِنْ عَطَاءِ کُلِّ مَا اَرَادَ مِنْ خَزَائِنِ الْحَقِّ۔ لفظ "سَلْ" مطلق

فرمانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک کو اجازت و طاقت عطا کر دی کہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے جو چاہیں جسے چاہیں عطا کریں۔ صحیحین یعنی بخاری و مسلم میں عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اِنِّیْ قَدْ اُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ اَوْ مَفَاتِیْحَ الْاَرْضِ۔ مشکوٰۃ شریف رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مجھے روئے زمین کی یا روئے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دے دی گیئں ہیں۔

مصنف کتاب سراج الوہاج نے حدیث پاک عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِیْ عِیْدًا وَصَلُّوْا عَلَیَّ فَاِنَّ صَلٰوتَکُمْ تَبْلُغُنِیْ حَیْثُ کُنْتُمْ رَوَاہُ النَّسَائِیْ مشکوٰۃ شریف بَابُ الصَّلٰوۃِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَفَضْلِھَا۔

حضرت ابوہریرۃ کی روایت سے نبی پاک نے فرمایا تم اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ اور میری قبر کو عید مت قرار دو اور مجھ پر درود پڑھا کرو کیونکہ تمہارا درود وسلام ہر جگہ سے مجھے پہنچ جاتا ہے۔ اسے نسائی نے روایت کیا، کی شرح میں مرقات شرح مشکوٰۃ سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ علامہ قاضی عیاض شفا شریف میں فرماتے ہیں اَلنُّفُوْسُ الْقُدْسِیَّۃُ اِذَا تَجَرَّدَتْ عَنِ الْعَلَائِقِ الْبَدَنِیَّۃِ اتَّصَلَتْ بِالْمَلَاءِ الْاَعْلٰی وَلَمْ یَبْقَ لَھَا حِجَابٌ فَتَرَی الْکُلَّ وَتَسْمَعُہٗ کَالْمُشَاھِدِ بِنَفْسِھَا اَوْ بِاَخْبَارِ الْمَلَکِ وَفِیْہِ سِرٌّ یَطَّلِعُ عَلَیْہِ مَنْ تَیَسَّرَ لَہٗ۔

نفوس قدسیہ جب علائق بدنیہ سے مجرد وصاف ہو جاتی ہیں تو ملاء اعلیٰ سے مل جاتی ہیں اور ان کے لئے کوئی حجاب نہیں رہتا ہر ایک کو دیکھتی اور سنتی ہیں جیسے سامنے ہوں۔ یہ دیکھنا سننا بلا واسطہ اپنے آپ سے ہے یا فرشتوں کی خبر دینے سے یہ راز کی بات ہے وہ سمجھے جسے اللہ آسانی پیدا کر دے۔

پس ان دلائل سے معلوم ہوا کہ ہمارے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کا دانائے اسرار غیبیہ، بینائے امور فعلیہ اور شنوائے جمیع اقوال عرضیہ، مالک خزائن لاریبیہ ہونا، آیات

قرآنیہ واحادیثِ نبویہ سے ثابت ہوتاہے اور بحکم حق تعالیٰ سبحانہٗ منع وعطا کے ہر باب میں مطلق وآزاد ہیں۔ زمین وآسمان کے خزانوں کی کنجیاں سیّد دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک ہاتھوں میں ہیں اور یہ سب خدا کا عطا کیا ہوا ہے نہ توحید وایمان کے خلاف نہ عبدیت والبشریت سے اونچا پہنچانا ہے نہ صفات الوہیت سے مشابہت ومماثلت ہے نہ حد سے زیادتی ہے۔ علمائے اہل سنت از سلف تا خلف کے ارشادات مبارکہ شاہد ہیں نہ قرآن کے خلاف نہ حدیث کے خلاف ہے۔ چنانچہ محقق قاری رحمۃ اللہ علیہ زبدۃ شرح قصیدہ میں فرماتے ہیں لَا نَعْلَمُ حَقِيْقَةَ الذَّاتِ الْمُحَمَّدِيَّةِ وَلَا حَقِيْقَةَ الصِّفَاتِ الْاَحْمَدِيَّةِ اِلَّا الْمَوْصُوْفُ بِصِفَاتِ الرُّبُوْبِيَّةِ۔ ذات محمدی صفات احمدی، تجلیاتِ ربانی اور کمالات صمدانی سے موصوف ہے۔ (یہاں تک کہ عارف جامی شرح فصوص الحکم میں فرماتے ہیں۔ فَلَا بُدَّ لَهَا مِنَ الْاِتِّصَافِ بِالصِّفَاتِ الْاِلٰهِيَّةِ كُلِّهَا مِنَ الْعِلْمِ الشَّامِلِ الْقُدْرَةِ الْكَامِلَةِ وَغَيْرِهِمَا يَتَصَرَّفُ فِيْ اَعْيَانِ الْعَالَمِ حَسْبَ اِسْتِعْدَادَاتِهَا۔ حقیقت محمدیہ (موصوف بصفات ربانی) کیلئے ضروری ہے کہ وہ صفات الٰہیہ علم قدرت وغیرہ سے متصف ہو تاکہ اشیاء عالم میں ان کی استعداد کے مطابق تصرف کرے۔

بعض عارفین کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات تو پہچانی جاتی ہیں لیکن نبوی نعوت و صفات کی معرفت نہیں ہو سکتی۔

عقل سلیم اور طبع مستقیم والوں کیلئے، یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ غیب اور قلوب و ارواح وغیرہ کے اندر کی غیب سے تعلق رکھنے والی سب چیزیں، وعلیکم السلام کے الفاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سلام پڑھنے والے کو جواب دینا اور سلام کہنے والوں کو پہنچانا اور ان کے درود وسلام سننا جبکہ فرشتوں کا واسطہ تک نہ ہو اور اہل محبت کی یکارِ سن کر ان کے گھروں میں تشریف لانا اور جود ونوال اور کرم وکمال فرمانا غرضیکہ یہ سب کی سب عنایات آنوالا شان حبیب دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص میں سے ہیں:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ الْمُحِبِّيْنَ لِحَبِيْبِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ وَلَا تَجْعَلْنَا مِنَ الْمُنْكِرِيْنَ الْكَافِرِيْنَ لِحَبِيْبِكَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔

پختہ ارادتمندوں عقیدت داروں پر واضح ہو کہ اگرچہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع انبیاء و مرسلین اور اولیائے کرام سے طلب دعا اور سفارش کی درخواست یعنی استمداد اور انہیں وسیلہ اور شفیع بنانا شریعت میں جیسا کہ بیان ہوا جائز ہے تاہم آیات قرآنیہ واحادیث نبویہ کے مطابق چند معتبر روایات کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

پس جاننا چاہیئے کہ مدد مانگنا اور انہیں وسیلہ بنانا دو قسم ہے۔ جیسا کہ حضرت شیخ محقق دہلوی لمعات شرح مشکوٰۃ میں طریقہ استمداد کی تعلیم فرماتے ہیں۔ اس کی پہلی صورت یہ ہے کہ دعا مانگنے والا ضرورت مند محتاج الی اللہ، اللہ پاک مجیب الدعوات جل جلالہٗ سے دعا کرے اپنی حاجت اس سے طلب کرے اور اس بزرگ مقرب بندہ کو وسیلہ بنائے اور یوں کہے کہ اے میرے پروردگار اس بزرگ مقرب کی برکت سے، جسے میں تیرے حضور وسیلہ بناتا ہوں، میری حاجت پوری فرما میرا سوال قبول فرما۔

اور دوسری صورت یہ ہے کہ محتاج الی اللہ داعی، مقرب بندے کو بانیطور ندا کرے اور کہے اے اللہ کے بندے، اے اللہ کے ولی، اے اللہ کے پاک رسول، آپ خدا کے دربار میں سفارش فرما دیجئے دعا کر دیجئے اور عرض کر دیجئے ---------- کہ خدا میری حاجت پوری کر دے میری مشکل حل کر دے۔

ان ہر دو صورتوں میں دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے وہ اللہ تعالیٰ ہے اور مقرب بندہ صرف وسیلہ اور سفارشی ہے اس لئے کہ عالم موجودات میں اللہ تعالیٰ کے بغیر قادر مطلق اور فاعل حقیقی، کوئی نہیں البتہ مقربین بارگاہ فانی فی اللہ اور باقی باللہ ہیں۔ خواہ زندہ ہوں یا وصال کر چکے ہوں انہیں مقرب بندوں کی دعا و سفارش کے بارے میں کہا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ایں دعائے شیخ نے چوں ہر دعا است | فانی است و گفت او گفت خدا است |
| گفتۂ او گفتۂ اللہ بود | گرچہ از حلقوم عبداللہ بود! |
| آں دعائے بیخوداں خود دیگر است | آں دعا زو نیست گفت داور است |
| آں دعا حق میکند چوں او فنا است | آں دعا و آں اجابت از خدا است |

پس خُدا از خود سوال و گد کند　　　پس دُعائے خوش را چوں رد کند

شیخ کامل کی دُعا بے مثل اور بے نظیر ہے اس لئے کہ شیخ فانی فی اللہ ہے اور اس کا بولنا، خدا کا بولنا ہے۔ اس کے بول اللہ کے بول ہیں اگرچہ بظاہر وہ بول اللہ کے بندے کی زبان سے نکل رہے ہیں بیخود اور فانی فی اللہ کی دُعا کا مقام کچھ اور ہے۔ مقرب بندے کی دُعا، خود اللہ حاکم حقیقی کا بولنا ہے۔ جب مقرب بندہ فنا ہو گیا تو اس کی دُعا، اللہ تعالیٰ کی دُعا ہے۔ وہ دُعا اور اس کی قبولیت، خداوند کریم سے ہے۔ پس ثابت ہوا کہ خود سوال اور عرض کرنا تو اللہ تعالیٰ کی اپنی طرف سے ہے۔ تو وہ اپنی دُعا کس طرح رد کر سکتا ہے۔ (مثنوی مولانا جلال الدین رومی)

اس قدر جاننے کے بعد یہ فیصلہ برحق ہے کہ انبیاء و اولیاء کو وسیلہ و شفیع بنانا نہ صرف مستحب ہے بلکہ واجب ہے خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو شفیع و وسیلہ بنانے کے جواز میں براہین قاطعہ اور دلائل ساطعہ بکثرت موجود ہیں۔

چنانچہ صاحب السراج مواہب اللدنیہ قسطلانی سے نقل کرتے ہیں کہ سید الانبیاء کی پیدائش سے پہلے، دنیا میں، برزخ میں، بعثت کے بعد اور میدان قیامت میں ہر ہر مقام پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سفارش کی درخواست اور مدد طلب کی گئی ہے۔ وسیلہ بنایا گیا اور مشکل وقت میں شفیع المذنبین رحمۃ اللعالمین کی طرف توجہ کی گئی ہے۔ اور انہیں سفارشی بنایا گیا ہے ــــــ كَذَا ذَكَرَهُ الْحَافِظُ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ فِيْ مِصْبَاحِ الظَّلَامِ فِي الْمُسْتَغِيْثِ بِخَيْرِ الْاَنَامِ ــــــ انتہی کلامہ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مدد طلب کرنا سفارش کی درخواست گزارنا، آثار و اخبار میں ان چار مواطن پر ثابت ہے۔

**موطن اوّل:** ابتدائے انسانیت اور دائرہ خلقت سے قبل، جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی رُوح پر فتوح سے مدد طلب کرنا:

جذب القلوب میں شیخ محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام سے خطا سرزد

ہوئی تو بجناب رب العزت جل وعلا عرض کی اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو مجھے محمد رسول اللہ کی برکت سے بخش دے اور میری مغفرت فرما اور میری توبہ قبول کر۔ تو درگاہ مجیب الدعوات سے فرمان آیا کہ میں نے تیری مغفرت کر دی مگر تم نے کیسے معلوم کیا کہ محمد رسول میرے محبوب ہیں (ابھی تو ان کا جوہر روحانی صدف جسمانیت میں نہیں پہنچا) اور تم نے ان کے نام کو وسیلہ بنا لیا۔ انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ! تو جانتا ہے کہ جس دن سے تو نے مجھے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور میرے قالب بشری میں روح علوی کو پھونکا اور میں نے سر اٹھایا تو قوائم عرش پہ لکھا دیکھا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" اس دن سے میں نے جان لیا کہ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے محبوب ہیں جو ساری خلق سے محبوب ترین اور مقرب ترین ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمان ہوا اے آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام بیشک جناب محمد صلی اللہ علیہ وسلم میرے محبوب ہیں اگر محمدؐ نہ ہوتے تو میں تمہیں بھی پیدا نہ کرتا اور باقی انبیاء علیہم السلام کا حال احوال بھی کچھ اس طرح ہے جیسا کہ عارف باللہ جامی فرماتے ہیں۔

اگر نام محمد را نیاوردے شفیع آدمؑ
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوحؑ از غرق نجیتنا
نہ ایوبؑ از بلا راحت نہ یوسفؑ حشمت و جاہت
نہ عیسیٰؑ آں مسیحا دم نہ موسیٰؑ آں ید بیضا!

اگر آدم علیہ السلام سید الوجود حضرت محمد مصطفیٰ کا نام نامی سفارش میں نہ لاتے تو آدم کی توبہ قبول نہ ہوتی اور نہ نوح علیہ السلام کی کشتی کنارے لگتی۔ ایوب علیہ السلام بلا و مصیبت سے راحت یاب نہ ہوتے اور یوسف کو منصب اور جاہ و جلال۔ عیسیٰ علیہ السلام کو مسیحائی پھونک اور ید بیضا کا معجزہ موسیٰ کلیم کو نبی آخر الزماں کے روح پرفتوح کی برکت سے حاصل ہوئے۔ (یہ روایت عمر بن خطاب سے ہے حاکم مستدرک جز ۲ ص۶۱۵ کتاب التاریخ۔ طبرانی ابن عساکر اور مواہب اللدنیہ)

اسی طرح سابقہ امت بھی آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پرفتوح سے مدد طلب کیا کرتی

چنانچہ صاحب السراج باسند صحیح، ابو نعیم اور بیہقی سے روایت کرتے ہیں کہ مدینہ منورہ اور خیبر کے یہود، عرب قبائل بنی غطفان اور بنی جہینہ بُت پرستوں سے جنگ کرتے وقت مغلوب ہوتے رہے۔ اور متواتر شکست کھاتے رہے تو ناچار انہوں نے دانشمندوں اور تورات کا علم رکھنے والوں کی طرف رجوع کر لیا بہت زیادہ تحقیق و جستجو کے بعد درج ذیل دُعا ہر ایک یہودی سپاہی کو تعلیم کی گئی جسے جنگ کرتے وقت پڑھا جاتا تھا تو یہودیوں کو شکست کے بجائے فتح و نصرت نصیب ہُوا کرتی تھی دُعا یہ ہے: اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اِنَّا نَسْئَلُکَ بِحَقِّ اَحْمَدَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ وَعَدْتَنَا اَنْ تُخْرِجَہٗ لَنَا فِیْ آخِرِ الزَّمَانِ وَبِکِتَابِکَ الَّذِیْ تُنَزِّلُ عَلَیْنَا آخِرَ مَا یُنْزَلُ، اَنْ تَنْصُرَنَا عَلٰی اَعْدَائِنَا ــــــــ

اے اللہ ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے سوال کرتے ہیں احمد نبی اُمی صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے جسے آخر زمانہ میں ہمارے لئے بھیجنے کا تُو نے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کی برکت سے جو ہم پر آخری کتاب بن کر نازل ہوگی، ہمیں ہمارے دشمنوں پر نُصرت عطا فرما!

تفسیر عزیزی میں آیا ہے شاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ آیت کریمہ وَکَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَی الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَلَمَّا جَاءَھُمْ مَّا عَرَفُوْا کَفَرُوْا بِہٖ، فَلَعْنَۃُ اللّٰہِ عَلَی الْکَافِرِیْنَ (پارہ ۱ رکوع ۱۱) اور اس سے پہلے وُہ اس نبی کے وسیلہ سے کافروں پر فتح مانگتے تھے تو جب تشریف لایا اُن کے پاس وُہ جانا پہچانا اس سے مُنکر ہو بیٹھے تو اللہ کی لعنت منکروں پر ہے۔ کی شرح و تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ سیدالانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی بعثت اور قرآن کریم کے نزول سے قبل، یہود اپنے حاجات کیلئے حضور کے نام پاک کے وسیلہ سے دُعا کرتے اور کامیاب ہوتے تھے اور اس طرح دُعا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ افْتَحْ عَلَیْنَا وَانْصُرْنَا بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ یارب ہمیں نبی امی کے صدقہ میں فتح و نُصرت عطا فرما۔ اس آیت کریمہ سے معلوم ہُوا کہ مقبولانِ حق کے وسیلہ سے دُعا قبول ہوتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ حضور سے قبل جہاں میں حضور کی تشریف کا شہرہ تھا اس وقت بھی حضور کے وسیلہ سے خلق کی حاجت روائی ہوتی تھی۔ مگر یہود کی سرکشی میں فرق نہ آنا تھا نہ آیا اور ان کے کفر کی شامت ہے کہ آنیوالے نبی کو بنو اسرائیل کے بجائے بنو اسمٰعیل سے پاکر سیدالانبیاء کی نبوت

کے انکاری ہوئے اللہ تعالیٰ نے اُن پر لعنت فرمائی دیدہ دانستہ، کفر اختیار کیا عناد اور تعصب ایسے ہوتا ہے۔ العیاذ باللہ!

نام احمد چوں چنیں یاری کند — تاکہ نورش چوں نگہداری کند

نام احمد چوں حصارے شد چنیں — تاچہ باشد ذات آں روح الامین

سیدنا احمد مجتبیٰ کا نام مبارک کی مدد سبحان اللہ۔ وہ نام کا وسیلہ تھا اللہ جل نے ان کا نور مبارک کتنی اور کیا کچھ زبردست نگہبانی فرماتا ہے؟ احمد مجتبیٰ نام نامی حصار بن کر محافظ رہا ان کی مبارک ذات کے کیا کچھ کمالات ہوں گے۔ اللہ نصیب فرماوے:

**موطن دوم**:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات سے مدت حیات دُنیا میں یعنی" بعد از خلقت وقبل از بعثت" توسل کے حالات بہت ہیں جن کا حصر نہیں ہو سکتا۔

شیخ عبدالحق المحدث شرح سفر السعادت میں" ولادت نبوی میں" لکھتے ہیں جب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک عمر چھ سال ہوئی آپ کی والدہ آمنہ بنت وہب اپنے بھائیوں سے ملنے مدینہ منورہ تشریف لے گئی تھیں (اس سفر میں ام ایمن رضی اللہ عنہا بھی ساتھ تھیں جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دایہ تھیں۔ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لئے گئی تھیں جو مدینہ میں مدفون تھے ایک مہینہ تک مدینہ میں مقیم رہیں) واپس آتے ہوئے مقام ابوا میں حضرت آمنہ کا انتقال ہو گیا اور (یہیں مدفون ہوئیں۔ ام ایمنؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو لیکر مکہ میں آئیں)۔ والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے دامن تربیت میں لیا۔ ہمیشہ ساتھ رکھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ اس زمانے میں قریش پر شدت کا قحط پڑا ہاتف نے آواز دی کہ اس نبی آخر الزمان (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وسیلہ بنا کر استسقاء کرو چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کندھے پر اٹھا لیا اور دُعا فرمائی رحمت والی برسات کا نزول ہوا یہ برکت اس مقدس ذات والا صفات کے واسطہ وسیلہ سے تھی جس میں آثار بزرگی، عالم خوردگی سے وقوع پذیر ہوتے رہے ہیں۔

## موطن سوم :-

توسل بآنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد از بعثت کے بارے میں بڑی وضاحت کے ساتھ کتاب سراج میں یوم مرقوم ہے کہ ترمذی شریف، ابن ماجہ، النسائی، بیہقی اور حاکم کی روایت ہے کہ ایک نابینا بارگاہِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے۔ اے اللہ کے رسول دعا فرمائیے اللہ جل جلالہٗ مجھے عافیت بخشے آپ نے فرمایا اگر تجھے بصارت چاہیئے تو دعا کروں ابھی حاصل ہو جائے اور اگر آخرت کا اجر چاہتے ہو تو صبر کرو۔ تیرے لئے یہ بہتر بھی ہے۔ اس نے کہا اے اللہ کے رسول جب مجھے اختیار دیا ہے تو سے

نخواہم در جہان جز چشم روشن !

مجھے دنیا میں سوائے روشن آنکھ کے اور کچھ نہیں چاہیئے آپ نے فرمایا: جاؤ وضو کرو دو رکعت نماز پڑھو اور پھر یہ دعا مانگو تاکہ تیرا مطلب پورا ہو۔ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّهُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ (یَا مُحَمَّدُ) اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ لِیَقْضِیَ لِیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْهُ فِیَّ

( رواہ الترمذی، والنسائی، مشکوٰۃ )

یا اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری طرف، تیرے پیارے نبی محمد نبی الرحمت کے صدقے میں توجہ کرتا ہوں۔ (اے سیدنا محمد) بیشک میں نے اپنے پروردگار کے حضور تیرے واسطہ وسیلہ سے توجہ کی تاکہ میری یہ حاجت پوری کر دی جائے۔ اے اللہ تو انکی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا۔ نابینا نے اس پر عمل کیا تو اس نے بینائی پائی علامہ حافظ جلال الدین السیوطی کتاب خصائص میں فرماتے ہیں "بِنَبِیِّکَ" کا معنی ہے نبی کریم کے وسیلہ اور آپ کی شفاعت کے ساتھ اور قولہ "اَتَوَجَّہُ بِکَ" میں بائے استعانت ہے یعنی معنی ہے "بِذَرِیْعَتِکَ وَاِعَانَتِکَ" بعض نے کہا کہ قولہ "بِنَبِیِّکَ" میں بائے قسم کے لئے اور شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کہا کہ "قولہ بِنَبِیِّکَ" میں بائے قسم ہونے کی صورت میں مقسم بہ ہونا صرف نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے مخصوص ہوگا کیونکہ آپ سیدِ اولادِ آدم ہیں اور آپ اللہ تعالیٰ

کی بارگاہ میں سب انبیاء و مُرسلین علیہم السلام کی نسبت زیادہ صاحب عزت و عظمت ہیں۔ سب کے سب انبیاء علیہم قطعاً آپ کے درجہ تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا یہ قسم صرف اور صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خاص ہے انتہی کلامہ۔ الغرض وہ نابینا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان بجالایا اور بینائی حاصل کرلی۔ بعدہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت حاضر ہُوا اور شکریہ ادا کیا۔

سوال:۔ حدیث ضریر میں نداء خطاب اس لئے کیا گیا کہ اس وقت آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم بعین حیات ظاہری موجود تھے تو مندرجہ حدیث میں خطاب و ندا بالمشافہ اور بالمواجہ تھی۔ مگر اب تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم پردہ پوش اور غائب ہیں۔ غائب کو حاضر پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے۔

جواب:۔ قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ شفا شریف میں بالصراحت ذکر فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو حکم دیا کہ یہاں سے چلے جایئے وضو تازہ کرکے دوگانہ نفل پڑھ کر دعا مذکورہ پڑھ لیجئے ________ الخ چنانچہ عثمان بن حنیف کے بقول وہ نابینا شخص دربارِ نبوت سے دُور باہر چلا گیا اور وہاں پر عمل کرکے بینا ہُوا اور شکریہ ادا کرنے کی خاطر آپ کی خدمت میں دوبارہ حاضر ہُوا اور اس سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ خطاب اور ندا "یا محمد" بآنحضور غائبانہ تھا اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے حصولِ مقاصد کے لئے سیدی یا رسول اللہ کہہ کر پکارنا جائز اور روا ہے خواہ قریب سے ہو خواہ دُور سے ہو۔

---

حدیث ضریر بروایت عُثمان بن حَنیف درج ذیل کتب میں موجود ہے۔

روی طبرانی ........ فی المعجم الصغیر والکبیر ص ........ آخر الحدیث میں آیا ہے۔ فقال عثمان بن حنیف فواللہ ما تفرقنا وطال بنا الحدیث حتی دخل علینا الرجل وقد ابصر کانہ لم یکن بہ ضرقط۔ ترمذی شریف۔ بخاری فی التاریخ ج ۶ ص ۲۰۹۔ و رواہ احمد بن حنبل فی مسندہ ج ۴ ص ۱۳۸ نقلا السوذی باب صلوۃ امی جعفہ ص ۱۶۷ شوکانی۔ تحفۃ الذاکرین ص ۱۶۲۔ ابن تیمیہ (التوسل والوسیلۃ) رسالہ لہ و ذکرہ محمد عبدالرحمٰن فی تحفۃ الاحوذی شرح الجامعہ الترمذی ج ۴ ص ۲۸۲۔ (مترجم)

**موطنِ چہارم:** التوسل بہٖ صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفاتہٖ ۔ آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد بھی آپ کی ذات سے توجہ، طلب مدد و توسل کے بارہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کے بہت سے آثار واقع ہوئے ہیں چنانچہ جذب القلوب، طبرانی معجم اکبر و معجم صغیر ص۱۸۳ ج اوّل۔

ایک شخص کو حضرت عثمان بن عفانؓ کے پاس ایک کام تھا مگر عثمانِ غنی نظرِ کرم نہیں فرما رہے تھے۔ عثمان بن حنیف سے ملاقات میں یہی شکوہ کیا تو عثمان بن حنیف نے اسے حکم دیا تازہ وضو دوگانہ نفل اور درج ذیل دعا پڑھیئے — اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّھُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فَیَقْضِیْ ——— الخ اس نے وہ تمام درج بالا طریقہ سے وظیفہ پورا کر کے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے دروازہ پر آیا تو دربان نے بڑھ کر اس کا ہاتھ پکڑ لیا حضرت عثمان غنی کے حضور لے آیا آپ نے اسے اپنے ساتھ خاص جگہ پر بٹھایا اور حاجت پوچھی جو بھی تھی پوری کر دی اور ساتھ ہی اسے فرما دیا جب بھی مجھ سے کام ہو چلے آیا کرو پورا کیا جائے گا۔ وہ آدمی خوش خوش حضرت عثمانِ غنی سے رخصت ہوا اور عثمان بن حنیف کے پاس آیا اور کہا جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا حضرت عثمان غنی مجھ پر نظرِ کرم فرماتے تھے نہ میری حاجت پوری کرتے اگر آپ انہیں سفارش نہ فرماتے۔ انہوں نے کہا قسم بخدا میں نے ان کو کوئی چیز نہیں کہی سوائے اس کے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا کہ آپ کے پاس ایک اندھا آیا اور دعا چاہی یہاں تک کہ اس کی آنکھ روشن ہو گئی ۔ اور اس ساری روایت کو بیان کر کے، کہنے لگے کہ میں نے اس پر قیاس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول موجب قضا حاجت اور سبب نجات ہمیشگی ہے۔ (بیہقی سبکی شفاء السقام ص۱۶۷۔ ابن تیمیہ فی کتابیہ التوسل والوسیلہ جلال الدین السیوطی فی الجامع الصغیر والکبیر والخصائص الکبریٰ ج ۲، ص۲۰۱۔)

اسی نظریہ کی تائید میں دلائل النبوۃ بیہقی سے منقول ہے کہ حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہٗ (بعد از وصال آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم) توسل و توجہ اور تشفع کے طور ہمیشہ درج بالا

دُعا پڑھا کرتے تھے۔

فوائد:۔ حدیث ضریر میں سے درج ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

۱۔ مہمات میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو وسیلہ بنایا جائے آپ سے شفاعت اور استغاثہ طلب کیا جائے۔ تو جائز ہے زندگی میں ہو یا بعد زندگی ظاہری، جیسا کہ امام احمد القسطلانی مواہب اللدنیہ میں فرماتے ہیں کہ توسل تشفع اور استغفار کیلئے درج بالا حدیث ضریر کافی وافی حجت ہے۔

۲۔ حدیث مذکور مدد مانگنے کی دونوں قسموں پر مشتمل ہے۔ (سوال اللہ تعالیٰ سے اور وسیلہ مقرب بندہ ہو۔ ندا مقرب بندہ سے ہو اُسے وسیلہ بنا کر اللہ تعالیٰ سے سوال ہو) اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اسئلک ......... نبی الرحمۃ تک، ندا و خطاب اللہ تعالیٰ سے ہے اور وسیلہ واسطہ رسول پاک کو بنایا گیا ہے جو کہ اوّل قسم پر دلالت کرتی ہے "یا محمد انی توجھت بک الی ربی فی قضاء حاجتی ھٰذہ" میں دوسری قسم والی استمداد پائی جاتی ہے یعنی ندا و خطاب مقرب حق رسول پاک کو اور سوال اللہ تعالیٰ سے کیا گیا ہے۔ اور ایک روایت میں "لِتَقْضِیَ لِی حَاجَتِی" بصیغہ معلوم مخاطب سے تیسری قسم کی استمداد صاف ظاہر ہے۔ فَافْھَمْ وَتَفَکَّرْ۔

۳۔ سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ندا کر کے پکارنا اس حدیث سے ثابت ہے۔ ندا خواہ قریب سے خواہ بعید سے ہو۔ ہر دو حال میں روا اور جائز ہے۔

اے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والو مذکورہ دلائل پر توجہ کرو۔ قبل الخلقت، قبل بعثت بعد الخلقت، حیات میں اور وفات کے بعد، قرآن و حدیث سے انبیاء و صالحین کی ذات مقدسہ کو وسیلہ بنانا ثابت ہو گیا اور صحابہ کرام رض کے زمانہ سے اجماع اُمت محمدیہ منعقد ہو گیا کہ التوسل بالنبی جائز ہے۔

# مکتوب ⑮

جنابِ عالی مدظلہ! گنہگار غلام کی گذارش یہ ہے کہ کچھ لوگ علی الاعلان کہہ دیتے ہیں کہ عبدالرسول، عبدالنبی، غلام محمد، غلام محی الدین، نبی بخش، محمد بخش وغیرہم نام رکھنا شریعت میں منع ہیں کہ ان ناموں میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے شرک ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ معبود، اللہ تعالیٰ ہی ہے اور دینے والا بھی وہی ہے اور کوئی نہیں۔ دلیل میں یہ آیت قرآنی پیش کی جاتی ہے

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا فَلَمَّا تَغَشّٰىهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِیْفًا فَمَرَّتْ بِهٖ فَلَمَّاۤ اَثْقَلَتْ دَّعَوَا اللّٰهَ رَبَّهُمَا لَىِٕنْ اٰتَیْتَنَا صَالِحًا لَّنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِیْنَ فَلَمَّاۤ اٰتٰىهُمَا صَالِحًا جَعَلَا لَهٗ شُرَكَآءَ فِیْمَاۤ اٰتٰىهُمَا فَتَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ (پارہ ۹ رکوع ۱۳) وہی ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اس میں سے اس کا جوڑا بنایا کہ اس سے آرام پائے۔ پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ہلکا سا پیٹ رہ گیا تو پھرا سے لئے پھرا کی پھر جب بوجھل پڑی دونوں نے اپنے رب سے دعا کی ضرور اگر تو ہمیں جیسا چاہیئے بچہ دیگا تو بیشک ہم شکر گزار ہوں گے پھر جب اس نے انہیں جیسا چاہیئے بچہ عطا فرمایا انہوں نے اس کی عطا میں اس کے ساجھی ٹھہرایا تو اللہ تعالیٰ کو برتری ہے ان کے شرک سے۔

آیت درج بالا کی تفسیر میں بعض مفسرین کہتے ہیں کہ ابلیس لعین بہت دفعہ سیدہ حوا علیہا السلام کے پاس آتا رہا جب کہ بی بی صاحبہ کو پہلا حمل تھا اور پوچھا کرتا کہ تیرے پیٹ میں کیا ہے؟ حوا علیہا السلام لاعلمی کا اظہار فرما دیتی تھیں۔

ابلیس کے بار بار سوال کرنے اور ڈرانے کی وجہ سے بی بی حوا علیہا السلام ڈر گئیں اور سب صورتحال آدم کریم علیہ السلام سے عرض کر دی۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام بھی ڈر گئے

ابلیس علیہ اللعنۃ پریشان حالت میں سیدنا آدم علیہ السلام سے غمخواری اور

ہمدردی کرنے آگیا اور کہدیا کہ غم مت کیجئے کیونکہ میں خود "اسم اعظم" جانتا ہوں اور میں مستجاب الدعوات ہوں اللہ تعالیٰ سے میں دُعا کروں گا تمہاری طرح اے آدم علیہ السلام یہ حمل بھی بصورت بشری پیدا ہوگا اور بآسانی پیٹ سے باہر آجائے گا بشرطیکہ اس نومولودہ کا نام "عبدالحارث" رکھا جائے۔ یاد رہے کہ فرشتوں میں شیطان ابلیس کا نام "حارث" مشہور تھا چنانچہ آدم و حوا علیہما السلام نے یہ بات قبول کرلی۔ جب بچہ صحیح وسالم پیدا ہوا تو اس کا نام "عبدالحارث" رکھ دیا گیا یعنی صرف نام میں شرک کیا گیا نہ کہ عبادت میں ——— انتھی کلامہ

غریب نواز! معتزلہ اور ان کے متبعین اس روایت کو سند قرار دے کر درج بالا اسماء حسنہ کو غیر مشروع قرار دیتے ہیں اور شرک سمجھتے ہیں۔ لہٰذا عرض بحضور ہے کہ جس طرح سیدھی صحیح راہ ہو اور اہل سنت وجماعت کا جو صحیح مسلک ہو اس بارے میں تحریر فرمائیے تاکہ اس پر عمل کیا جائے اور اطمینان وسکون ہے۔ یا اللہ ہدایت کا سورج ہمارے سروں پر دائماً چمکتا رہے۔ آمین ثم آمین!

# جواب ⑮

برخوردار بعد از سلام واضح ہو کہ مسئول فیہم نام (عبدالرسول، عبدالنبی، غلام محمود، محمد بخش وغیرہ) رکھنا شریعت پاک میں جائز ہیں۔ اس لئے کہ اسم (بالکسر) علم کے قسموں میں سے ایک قسم ہے۔ معلوم ہو کہ علم کے تین نوع ہیں۔ ایک کنیت ہے۔ جس نام کے اول اول میں ماں باپ بیٹا بیٹی کا لفظ آئے جیساکہ ابوالحسن ابن حاجب اُم کلثوم وغیرہ دوم لقب ہے جبکہ اس علم میں کسی کی مدح یا ذم مقصود ہو جیساکہ شمس الدین سراج العلماء وغیرہ۔ اور جب ان دونوں میں سے کوئی بات نہ ہو تو وہ اسم ہے (الفوائد الضیائیہ)

اور یہ بات طے ہے کہ اسم علم ہو یا لقب ہو۔ وہ اپنے مسمی میں کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ لہٰذا درج بالا الفاظ سے کسی کا نام رکھنا قطعاً موجب شرک نہیں (تفسیر کبیر رازی)

مزید برآں یہ بات بھی مخفی نہ رہے کہ "عبداللہ" اسم علم ہے اگرچہ اس کی ہر ہر جزو اپنے اپنے معنی پر دلالت کرتی ہے۔ لیکن وہ معنی مدلول یہاں قطعاً مراد نہیں ہے ورنہ علم نہیں ہو سکتا۔ کافیہ ابن حاجب میں ہے اَلْعَلَمُ مَاوُضِعَ لِشَیْءٍ بِعَیْنِہٖ غَیْرُ مُتَنَاوِلٍ بِغَیْرِہٖ بِوَضْعٍ وَّاحِدٍ۔ علم وہ ہے جو کسی معین چیز کیلئے وضع کیا گیا ہو اور وہ (موضوع لہ کے بغیر) کسی اور شئی کو قطعاً شامل نہیں ہوتا۔

اس تفصیل کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ علم سے مقصود صرف ایک ذات شخص ہی مراد ہوتی ہے اور بس۔ وہاں ترکیبی معنی مراد نہیں ہوتا۔ جیساکہ "دیزہ" جبکہ کسی ایک شخص کا نام رکھدیا جائے تو وہ شخص معین مراد ہوگا جبکہ معنی ترکیبی ندارد۔

تفسیر کبیر میں علامہ رازی رحمتہ اللہ علیہ نے مفسرین کے قول (قصہ حاملہ ہونا حضرت حوا کا اور ابلیس کا بار بار آنا اور عبدالحارث نام رکھنا ــــ الخ) کی بہت توجیہات فرمائی ہیں ـ لکھتے ہیں آدم علیہ السلام ابلیس علیہ اللعنۃ کو سب لوگوں کی نسبت خود سب سے زیادہ جانتے تھے۔ اور تمام ناموں سے

بھی باخبر تھے جیساکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا" اس نے تمام نام آدم کو سکھلادیئے اور آدم کریم بخوبی جانتے تھے کہ حارث شیطان کا نام ہے۔

مقام حیرت ہے آدم و ابلیس میں خوب عداوت پائی جاتی ہے اور آدم علیہ السلام جانتے ہیں کہ حارث شیطان کا نام ہے تو پھر کس طرح اپنے لڑکے کا نام عبدالحارث رکھ دیا اور کیوں نہ پہچان سکے کہ یہ نام رکھنا بہت بُرا ہے جبکہ اس سے اجتناب واحتراز لازم تھا۔ اگر کسی جاہل سے کہا جائے کہ اپنی اولاد کا نام عبدالحارث رکھدو تو وہ بھی صاف صاف انکار کردے گا پھر جائیکہ سیدنا آدم علیہ السلام سے ایسا فعل وعمل صادر ہونا العیاذ باللہ العلی العظیم۔ (لہٰذا یہ روائت موضوع اور غلط ہے۔)

تفسیر کشاف اور تفسیر بیضاوی شریف درج بالا آیت کے تحت فرماتے ہیں هُوَ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَۃٍ الخ میں من نفس واحدۃ سے مراد، قُصَیّ ہیں آدم و حوا نہیں ہیں اور قصی، حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں، اُن کی جنس یعنی قریش عرب میں سے بیوی کرامت فرمائی اور دونوں میاں بیوی نے عہد کرلیا کہ وُہ دونوں صاحب اولاد ہوتے ہی اللہ تعالیٰ کے شکر گزار اور سپاس دار رہیں گے۔ اللہ جل شانہٗ نے حضرت قصی کو چار لڑکے عنائیت فرمائے مگر اُن کے نام رکھنے میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کا شریک کرلیا گیا۔ نام یہ ہیں عبدِ عُزّٰی، عبد قُصَیّ، عبد مناف اور عبد دار۔

اندریں روائیت، درج بالا روائیت و آیت میں قرآن مجید کا خطاب قوم قریش سے ہے جو کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں موجود تھے۔ اور وُہ آل قصی کہلاتے ہیں۔ اس آیت کا آدم علیہ السلام سے بوجہ نام رکھنے عبدالحارث کے کوئی تعلق نہیں ہے عقل سلیم اور فہم عظیم والوں پر درج بالا بات واضح ہوگئی ہے۔ توجیہہ سوم از تفسیر کبیر امام رازی رحمۃ اللہ علیہ یہ ہے کہ:-

اللہ تعالیٰ نے ضرب المثل کے طور آیت پاک میں لوگوں کی بوجہ جہالت وشرک آیت پاک میں فرمایا ہے کہ لوگوں کی حالت، مشرکین کی حالت کے عین مطابق ہے جو کہ جاہل اور مشرک تھے اندریں معنی آیت مندرجہ میں خطاب عام ہے ہر ہر شخص کیلئے۔ ترجمہ یُوں بن پاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ

کی ہی ہے جس نے تم میں سے ہر ایک کو ایک جان سے یعنی اس کے باپ سے پیدا کیا اور اسکی جنس سے اس کی بی بی کو بنایا پھر جب وہ دونوں جمع ہوئے اور حمل ظاہر ہوا اور ان دونوں نے تندرست بچہ کی دعا کی اور ایسا بچہ ملنے پر شکر ادا کرنے کا وعدہ کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں ویسا ہی بچہ تندرست عنائت کیا۔ ان کی حالت یہ ہوگئی کہ کبھی وہ اس تندرست بچہ کی پیدائش وطبائع کی طرف نسبت کرتے ہیں جیسے دہریوں کا حال ہے۔ اور کبھی ستارہ پرستوں کی طرح، بچہ کی ولادت، ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اور کبھی بتوں کی طرف جیسا کہ بت پرستوں کا دستور ہے۔ مگر اللہ پاک نے فرمایا کہ وہ ان کے شرک وجہالت سے بری ہے اور برتر ہے یہ توجیہ نہائت صحیح اور درست ہے۔

توجیہ چہارم۔ تفسیر کبیر میں آیا ہے اگر ہم روایت مندرجہ "تسمیہ عبد الحارث" صحیح تسلیم کر لیں تب بھی عصمت انبیاء کے منافی نہیں۔ کیونکہ اس شخص مسمی بہ حارث کی دعا و برکت سے بچہ صحیح وسالم پیدا ہوا تو سیدنا آدم و سیدہ حوا علیہما السلام نے اپنے بچے کا نام اس شخص سے بوجہ محسن ہونے کے، منسوب کر دیا۔ کیونکہ کبھی کبھار انعام پانے والا اپنے آپ کو انعام دینے والے کا غلام تصور کر لیتا ہے تو کہتا ہے "عبد المنعم" انعام دینے والے کا غلام ہوں اور عرب میں بھی یہ مثل مشہور ہی ہے کہ اَنَا عَبْدُ لِمَنْ تَعَلَّمْتُ مِنْہُ حَرْفًا میں اس شخص کا غلام ہوں جس سے میں نے ایک حرف پڑھا ہے۔

بعینہٖ اسی طرح سیدنا آدم و حوا علیہما السلام نے شخص داعی کی دعا و برکت کے باعث اپنے بچے کی سلامت پیدائش پر بچے کا نام "عبد الحارث" رکھدیا جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت (غلام و خادم کے معنی میں نہیں بلکہ) ملکیتُ اللہ اور خلقُ اللہ ہونے کے سبب عبد الحارث، کو عبد اللہ کہا جا سکتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اگرچہ یہ تاویل درست اور صحیح ہے مگر شانِ انبیاء کے لئے یہ عمل مناسب نہیں۔

حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ کے زیرِ اصول، سیدنا آدم و حوا علیہما السلام کو عتاب کیا گیا وجہ یہ ہے کہ لفظ "عبد" میں اشتراک پایا جاتا ہے یعنی لفظ ایک ہے اور معنی زیادہ ہیں۔

(غلام خادم۔ مملوک اور عبادت) جیساکہ لفظ رب میں معنی کا اشتراک پایا جاتا ہے معبود، سردار اور پرورش کرنیوالا وغیرہ۔ اگرچہ عبدالحارث میں، عبد سے غلام کا معنی لیا جاتا ہے تاہم مملوک والے معنی کی طرف بھی ذہن جاتا ہے جیساکہ "رب" سے مراد مربی سردار ہو پھر بھی معبود کے معنی میں استعمال ہوا کرتا ہے۔ اس لحاظ میں لفظ "عبد" میں مشترک المعنی ہونے کے سبب سیدنا آدم علیہ السلام کو اس عمل میں عتاب کیا گیا ہے۔

میں نے بعض فاضل کامل لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ آپ اپنے آپ کو بطور تواضع لکھ دیتے ہیں "عبدکم" تمہارا غلام جیساکہ کسی کے ہاں جب کوئی شخص مہمان ہو تو میزبان اپنے کو عَبْدُ الضَّیْفِ، مہمان کا خادم و غلام قرار دیتا ہے۔ یہاں صرف تواضع اور انکساری مراد ہوتی ہے نہ یہ کہ میزبان کو مملوک اور مہمان کو رب و مالک اور معبود سمجھا جائے۔

سیدنا یوسف علیہ السلام نے عزیز مصر کے متعلق فرمایا تھا "اِنَّهٗ رَبِّیْ" بے شک وہ میرا محسن ہے یہاں بھی تواضع و انکساری مراد ہے نہ یہ کہ سیدنا یوسف علیہ السلام نے اپنے آپ کو مملوک اور عزیز مصر کو معبود قرار دیا ہو العیاذ باللہ العلی العظیم۔

یہ بحث بڑی معرکۃ الآراء ہے اس بات کی ضرورت ہے کہ اس کے متعلق تفصیل سے لکھا جائے تاکہ اصلیت و حقیقت منکشف ہو اور کسی قسم کا شبہ دل میں خلجان پیدا نہ کرے۔

جاننا چاہیئے کہ لفظ "عبد" کے لغت میں غلام و خادم کے معنی آتے ہیں اور اس کی ضد "حر" ہے معنی ہے آزاد۔ اندریں صورت لفظ عبد کی اضافت دوسروں کی طرف صحیح ہے جیساکہ قرآن مجید میں لفظ "عباد" جمع مخاطب ضمیر کی طرف اضافت ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَاَنْكِحُوا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ وَالصّٰلِحِيْنَ مِنْ عِبَادِكُمْ وَاِمَآئِكُمْ اِنْ يَّكُوْنُوْا فُقَرَآءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (پارہ سورۃ ۳۲ نور رکوع) اور اپنے میں سے بن بیاہی عورتوں کا (خواہ وہ کنواری ہوں یا رانڈ) اور اپنے غلاموں اور لونڈیوں میں سے نیکوں کا نکاح کر دیا کرو اگر وہ غریب ہوں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مہربانی سے غنی کر دے گا اور اللہ وسعت والا اور علم والا ہے۔

قرآن مجید کتب فقہ میں عبد اور امۃ یہ دونوں لفظ غلام اور لونڈی کے معنی میں استعمال ہوتے

ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ۔ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ کُتِبَ عَلَیْکُمُ الْقِصَاصُ فِی الْقَتْلٰی اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰی بِالْاُنْثٰی (سورہ بقرہ پارہ دوم رکوع) اے ایمان والو تم پر مقتولوں کی بابت بدلہ لازم ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد، غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔

حدیث مبارک ہے عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی الْاَشْعَرِیْ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثَلٰثَۃٌ لَھُمْ اَجْرَانِ رَجُلٌ مِنْ اَھْلِ الْکِتَابِ آمَنَ بِنَبِیِّہٖ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْکُ اِذَا اَدّٰی حَقَّ اللّٰہِ وَحَقَّ مَوَالِیْہٖ رَجُلٌ کَانَتْ عِنْدَہٗ اَمَتُہٗ یَطَأُھَا فَاَدَّبَھَا وَاَحْسَنَ تَادِیْبَھَا وَعَلَّمَھَا فَاَحْسَنَ تَعْلِیْمَھَا ثُمَّ اَعْتَقَھَا فَتَزَوَّجَھَا فَلَہٗ اَجْرَانِ (متفق علیہ باب الایمان مشکوٰۃ شریف)

ابو موسیٰ اشعری کی روایت ہے رسولِ پاک نے فرمایا تین شخص ہیں جنہیں دو دو ثواب ملے ہیں، ایک وہ اہلِ کتاب جو اپنے نبی پاک پر ایمان لایا پھر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی ایمان لے آیا۔ دوسرے کسی کی ملکیت میں خادم جو اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتا ہے اور اپنے مالک و مولیٰ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے۔

تیسرے نمبر پر وہ لونڈی کا مالک مرد جس نے ادب و علم کی تعلیم دی اور اسے آزاد کر کے اس کے ساتھ شادی کر لی اس کو دو اجر ملتے ہیں۔

مترجم۔ کتب فقہ میں عبد و حر دو متضاد لفظ قرار دیئے جاتے ہیں جیسا کہ لَیْسَ عَلَی الْمُسْلِمِ صَدَقَۃٌ فِیْ عَبْدِہٖ وَلَا فِیْ فَرَسِہٖ ۔ کتاب الزکوٰۃ مشکوٰۃ شریف کی حدیث ہے فقہ والے کہتے ہیں کہ مسلمان پر اس کے عبد اور گھوڑے کی زکوٰۃ نہیں۔)

سوال ۔ جب عبد کو نبی اور ولی کی طرف اضافت کیا جاتا ہے تو جھوٹ لازم آتا ہے مثلاً عبد النبی کا معنی ہے نبی کا غلام اور عبد الولی کا معنی ہے ولی کا خادم جبکہ مضاف، مضاف الیہ کا نہ غلام ہے اور نہ خادم۔

جواب ۔ یہاں اضافت کر کے مضاف کی نیازمندی تواضع اور انکساری اور مضاف الیہ کی عظمت شان کا اظہار مراد ہوتا ہے جیسا کہ عبد الضیف (مہمان کا غلام اور عبد المنعم محسن کا خادم) میں مضیف اپنے آپ کو بطور تواضع غلام اور مضاف الیہ کو عظیم الشان قرار

دے دیتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اضافی ناموں میں صرف مسمی کی عزت اور عظمت شان مقصود ہوتی ہے۔ جیساکہ روح اللہ اور بیت اللہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف اضافت کر کے روح اور بیت کی عزت و عظمت مقصود ہے۔

مزید برآں یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اضافی نام بناتے وقت مضاف الیہ زندہ ہو موجود ہو جیساکہ کہا جاتا ہے "ہٰذِہٖ روضۃُ السلطانِ" یہ بادشاہ کا روضہ ہے جبکہ سلطان مرچکا ہوتا ہے۔ حالانکہ سید المرسلین اور اولیائے کاملین کی حیاتِ مبارکہ باجماع اُمتِ محمدیہ ثابت ہے۔ حیاتِ نبی اور اثبات الندا کی بحث مکتوب نمبر ۱۶ میں دیکھ لیجئے۔

حضرت علامہ الحافظ عبداللہ احمد پوری اپنے مشہور رسالہ میں فرماتے ہیں:

"عبد" کے دو معنی ہیں مخلوق اور مملوک جب عبد کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو تو دونوں معنی صحیح ہیں اور اگر عبد کی اضافت اللہ کے سوا کسی دوسری طرف ہو تو وہاں صرف دوسرے معنی مُراد ہوتے ہیں چاہے مضاف الیہ زندہ ہو یا مرچکا ہو۔ بحالت زندہ کہا جاتا ہے۔ اَمَرَ الْاَمِیْرُ عَبِیْدَہٗ ھٰکَذَا امیر نے اپنے ملکیت میں موجود تمام غلاموں کو اس طرح کا حکم دیا۔ بحالت موت کہا جاتا ہے۔ مَاتَ الْاَمِیْرُ وَالْبَقِیَ عَبْدُہٗ امیر مرگیا اور اس کا غلام باقی ہے۔

انتہی کلامہ

جاننا چاہیئے کہ عبد کو مضاف بناتے وقت چار چیزیں ملحوظ خاطر ہوتی ہیں:

۱۔ تعظیم ملحوظِ خاطر ہو جیساکہ "بیت اللہ میں" بیت کو اللہ کی طرف اضافت کر کے اسکی تعظیم و تکریم مطلوب ہے ۔ اسی قسم میں ہے ابن کی اضافت باپ کی طرف شاگرد کی اضافت استاد کی طرف اور مرید کی اضافت شیخ کی طرف بلکہ خود سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی جاتی ہے یعنی بیٹا باپ سے شاگرد اُستاد سے اور مرید اپنے شیخ اور خود نبی پاک سے عرض کریں کہ ہم سب آپ کے عبد یعنی غلام ہیں۔

۲۔ مشائخ عظام اور اساتذہ کرام کو مولا کا مقام حاصل ہے۔ اور ہم سب اُن کے عبد اور غلام ہیں۔ مَنْ عَلَّمَنِیْ حَرْفًا فَهُوَ مَوْلَایَ اِنْ شَاءَ اَعْتَقَنِیْ وَاِنْ شَاءَ بَاعَنِیْ جس شخص نے مجھے ایک حرف تعلیم دی وہ میرا مولیٰ (مالک) ہے اُسے اختیار ہے چاہے مجھے آزاد کر دے یا بیچ ڈالے۔ یہ تو استاذ اور شیخ کو مولیٰ (مالک) بنائے جانے کا مقام ہے ——

بھلا سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے برتر و بہتر معلم اور کون ہو سکتا ہے؟

روایت میں آیا ہے: مَنْ کُنْتُ مَوْلَاهُ فَعَلِیٌّ مَوْلَاهُ میں جس کا مولیٰ ہوں علی اس کے مولیٰ ہیں۔ یَا ابْنَ اَبِیْطَالِبٍ اَصْبَحْتَ وَاَمْسَیْتَ مَوْلٰی کُلِّ مُوْمِنٍ وَمُوْمِنَةٍ۔ اے علی! تم ہر مومن اور مومنہ کے مولیٰ ہو گئے ہو۔ اور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا ابوبکر الصدیق کو حکم دیا کہ بلال کو خریدنے میں مجھے بھی شریک کیا جائے تو ابوبکر الصدیق نے جواباً عرض کیا اے حبیبؐ! میں نے حضرت بلال کو تو آزاد کر دیا ہے آپ مجھے اپنا غلام بنا لیں۔ میں آپ سے کبھی آزادی نہیں چاہوں گا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق کی اس بات کو برقرار رکھا اور اُسے مقبول فرمایا۔

۳۔ جس طرح ایک عبد (غلام) اپنے آقا و مولیٰ کی اطاعت و اتباع کرتا ہے اسی طرح مخلص مرید بھی اپنے شیخ کامل کی پیروی کرتا ہے اور اُمتِ محمدیہ کو صاحب لولاک صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت و اتباع بجا لانا ہوتی ہے لہٰذا مرید اور جمیع اُمت اپنے آپ کو عبد کہلانے میں حق بجانب ہیں۔

جناب قاضی محمد سعید صاحب اپنی کتاب "تحیتہ الحق" میں فرماتے ہیں کبھی کبھار اَدنیٰ ملابست کی بنیاد پر بھی اضافت اور نسبت کر دی جاتی ہے جیسا کہ بستی اور گاؤں کا ایک باشندہ پوری بستی کو اپنی طرف نسبت کر کے کہتا ہے هٰذِهٖ قَرْیَتُنَا یہ ہماری بستی ہے۔ ممکن ہے کہ عبدالرسول میں وہی اَدنیٰ سی ملابست کام آتی ہو۔

لفظ "غلام" عربی کلام میں بے ریش لڑکے کو کہتے ہیں خواہ آزاد ہو یا غیر آزاد اور فارسی میں "غلام" کا معنی عبد ہوتا ہے کشف اللغات۔

شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی فرماتے ہیں غلام اور لونڈی سے مراد وہ مملوک غلام اور

لونڈی ہوتے ہیں جو اپنے مولیٰ و مالک کے ملک اور قبضہ میں ہوں۔ اندریں حالات عبد النبی اور غلام رسول عبد الولی وغیرہم اسم علم ہیں جن میں جھگڑے والی بات نہیں کیونکہ اسم علم سے مُراد ہے ایک نام جو کسی ذات کا تشخص و تعین کر دے وہاں نہ ترکیبی معنی مراد ہوتا ہے نہ تضاد ہو گا۔

حیرت ہے ان لوگوں پر جو محض شرک کے وہم سے ایسے بابرکت نام رکھنے سے شدت سے انکار کرتے ہیں جبکہ وہم پر حکم شرعی مرتب نہیں ہوا کرتا۔

---

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں چونکہ آپ واصل بحق ہیں اسلئے عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ یٰعِبَادِیَ الَّذِیْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِھِمْ۔ مرجع ضمیر متکلم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

اس کی تائید و تقویت میں مولانا اشرف علی صاحب نے فرمایا کہ قرینہ بھی اسی معنی کا ہے آگے فرمایا لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَۃِ اللّٰہِ اگر مرجع اس کا اللہ ہوتا تو فرمایا جاتا مِنْ رَّحْمَتِیْ تاکہ مناسبت عبادی کی ہوتی۔ (شمائم امدادیہ کا ترجمہ نفحات مکیہ ص۱۳۵)

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

بندہ خود خواند احمد در رشاد
جملہ عالم را بخواں قُل یا عباد

(مترجم)

سوال ۔ درج بالا تحقیق میں عبدالرسول، عبدالولی، غلام رسول، غلام فرید وغیرہ نام رکھنے کا جواز مل گیا آمنا وصدقنا مگر یہ دوسرے نام مثلاً محمد بخش، فرید بخش، جیلانی بخش تو شرک قرار دیئے جائیں کیونکہ ان ناموں میں ظاہر ہے کہ غیر اللہ کو بخشنہار اور معطی یعنی بخشش دینے والا ماننا پڑتا ہے جو کہ شرک ہے۔

جواب ۔ جیساکہ کہا گیا ہے کہ اسم علم سے ایک ذات مشخص معین کا تعین مراد ہوتا ہے وہاں ترکیبی معنی ندارد لہٰذا نبی بخش احمد بخش نام رکھنے میں کیا اعتراض؟

۲۔ بصورت دیگر اگر ان اسماء میں ترکیبی معنی ہو اور عطا کی بات آجائے تب بھی شرک ندارد کیونکہ انبیاء و اولیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام و رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دینے اور لینے میں اللہ جل جلالہ کی طرف سے اختیار دیا گیا ہے بکثرت آیات احادیث اور ناطق دلائل سے یہ بات ثابت ہے۔ مترجم (حضرت ملا محب اللہ صاحب بہاری رحمہ اللہ تعالیٰ اصول فقہ کی کتاب مسلم الثبوت کے خطبہ میں فرماتے ہیں اور کیا خوب فرماتے ہیں رَبَّنَا لَكَ الْحَقِيقَةُ حَقًّا كُلُّ مَجَازٍ وَلَكَ الْأَمْرُ تَحْقِيقًا وَكُلٌّ مَجَازٌ اے ہمارے رب حقیقت تیرے لئے ہے اور تیرے سوا سب مجاز ہیں اور آمریت وحاکمیت حقیقۃً تیرے لئے ہے اور تیرے سوا سب تیرے اجازت دیئے ہوئے ہیں یعنی تو نے ہی انہیں حکومت و آمریت عطا فرمائی ہے۔)

ارشاد باری تعالیٰ ہے قَالَ إِنَّمَا أَنَا رَسُولُ رَبِّكِ لِأَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا (سورۃ مریم آیت ۱۹) میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے ایک صاف ستھرا بیٹا بخشوں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو بیٹا عطا کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ کتب کلام میں یہ مسئلہ واضح طور پر موجود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے متبعین کرام کا مرتبہ ومقام، فرشتوں سے بڑھ کر ہے۔ جب جبرائیل دینے میں اجازت یاب ہیں تو سید دوعالم اور آپ کے مقبول غلاموں کو دینے دلانے میں کیا ممانعت؟ جبکہ درج بالا اسماء مبارکہ میں مسمی کی تعظیم وتکریم اور عزت وعظمت شان بھی مقصود ہے۔

[ (خلاصہ عقیدہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مالک الملک والملکوت ہے قادر و مختار مطلق ہے ملکیت حقیقۃً اسی کے لئے ہے اس نے اپنے فضل و کرم سے اپنے بندوں میں سے جسے چاہا ملک عطا فرما دیا۔ اَللّٰھُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُعْطِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَاءُ اپنے بندوں کو عاجز و مجبور نہیں بنایا۔ بلکہ ان میں وہ استعداد رکھی کہ وہ خدا کی صفات کے آئینے اور مظاہر ہوئے کچھ قدرت کچھ اختیار کچھ تصرف عطا فرمایا۔ (مترجم) ]

تفسیر حسینی میں آیا ہے کہ جب جبرائیل علیہ السّلام نے حضرت بی بی مریم علیہا السّلام کو پریشان حال دیکھا تو فرمایا —— میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں کہ میں تجھے (اس کے حکم سے) ایک پاک و صاف بیٹا بخش دوں۔ (انتہی تفسیر الحسینی)

جب مریم کیلئے بیٹے کی بخشش، سیدنا جبرائیل علیہ السّلام سے قرآن مجید ثابت کر رہا ہے۔ تو سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اطاعت شعار اولیاء کرام کی طرف سے بخشش و عطا میں کیا خلل واقع ہو سکتا ہے اور کہاں سے شرک ظہور یاب ہو جاتا ہے۔

بہر حال یہی چند آیات و احادیث اور اقوال مشائخ کافی ہیں۔

ہر کس کہ بقرآن و خبر زو نرہی !
آنست جوابش کہ جوابش ندہی !

اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْھِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ (آمین ثم آمین)

# مکتوب (۱۶)

جناب عالی مدظلہ، گذارش بحضور یہ ہے کہ اس وقت کے بعض کم علم طالب علم کہتے ہیں کہ قبر کو چادر پہنانا، اس پر شامیانہ کھڑا کرنا، قبہ بنانا اور قبر پر طاؤس کے پروں کے دستے ہلانا وغیرہ وغیرہ یہ سب کے سب "شرک فی العبادہ" میں شمار ہیں لہٰذا ممنوع ہیں۔

غریب نواز! دام اللہ فیوضکم العالیہ جس طرح اس مسئلہ میں راہِ ثواب ہو، جواب زیب رقم فرمائیے تاکہ اس پر عمل کیا جاسکے۔

زیادہ حدِ آداب۔

# جواب (۱۶)

برخوردار بعد از السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، واضح باد کہ ان طلبہ کا ان مسائل کو شرک فی العبادۃ میں شمار کرنا خطائے محض ہے کیونکہ شرک فی العبادۃ کے معنی یہ ہیں کہ ایسے کام جو اللہ تعالیٰ نے اپنی عظمت کی خاطر اپنی ذات کیلئے مخصوص کر لئے ہیں، انہیں اگر غیر اللہ کیلئے قرار دیا جائے تو شرک فی العبادہ ہوتا ہے۔

اندریں حالت، امور خمسہ مسئولہ (چادر پوشی شامیانہ، قبہ بنانا، صفہ بنانا اور طاؤسی پر) کو اللہ رب العالمین کی ذات کیلئے مخصوص قرار دینا نہایت جھوٹ ہے، ان معترضین سے پوچھنا چاہیئے کہ کس مقام پر لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے درج بالا پانچوں اشیاء اپنے لئے مخصوص فرما کر انہیں دوسروں کیلئے شرک قرار دیا ہے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ الْبُھْتَان وَسُبْحَانَ اللّٰہِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔

جاننا چاہیئے کہ "شرک" توحید کی ضد ہے تو لامحالہ اس کے معنی یہ ہوئے کہ غیر خدا کو یا تو واجب الوجود اور اس کی صفتوں کو ذاتی قدیم ازلی ابدی سمجھے یا معبود جانے۔ شرح عقائد میں ہے۔ اَلْاِشْرَاکُ ھُوَ اِثْبَاتُ الشَّرِیْکِ فِی الْاُلُوْھِیَّۃِ (۱) بمعنی وَاجِبُ الْوُجُوْدِ کَمَا لِلْمَجُوْسِ (۲) اَوْ بِمَعْنٰی اِسْتِحْقَاقِ الْعِبَادَۃِ کَمَا لِعَبَدَۃِ الْاَصْنَامِ۔ شرک کا معنی دوسرے کو الوہیت میں شریک بنانا ہے۔ جس کی دو صورتیں ہیں ایک ہے کہ دوسرے کو اللہ تعالیٰ کی طرح واجب الوجود اور قدیم ماننا جیسا کہ مجوسیوں کا عقیدہ ہے (یزدان اور اہرمن) دوسرا یہ ہے کہ غیر خدا کو، معبود اور عبادۃ کا حقدار ماننا جیسا کہ بت پرستوں کا عقیدہ ہے۔

برخوردار! احادیث صحیحہ میں آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم سے قبروں پر قبوں کا بنانا وغیرہ کی جہاں کہیں ممانعت ہے صرف اس صورت میں ہے کہ مال ضائع کرنے کے سوا

اور کوئی فائدہ وہاں نہ ہوتا ہو۔ بلکہ صرف نام و ناموس اور مکروفریب اور ناموس کی بناء پر قبروں پر قبے بنائے جائیں یا شامیانے اور پردے لٹکائے جائیں ——— اور اگر ان کاموں میں کوئی فائدہ ہو مثلاً کہ فاتحہ پڑھنے والوں کو وہاں ان کے مقبرہ کے اندر بیٹھ کر آرام ملے۔ قرآن کریم پڑھنے والے وہاں شامیانہ کے نیچے بیٹھ کر باطمینان قلب اور سکون خاطر کے ساتھ تلاوت کرسکیں۔ ناواقف اور بے خبر لوگ، مقبرہ اور چادر و شامیانہ کو دیکھ کر یہ جان لیں کہ یہ ولی کا مزار ہے تاکہ اس سے تبرک حاصل کریں۔ زیارت کی رغبت حاصل ہو اور وہاں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگیں کہ ان کی دعا قبول ہو۔ تو یہ سب کام جائز ہیں کوئی ممانعت شریعت میں نہیں ہے۔ جبکہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

کتاب نافع میں ہے کہ سلف صالحین نے مشہور علمائے دین و مشائخ کرام کی قبروں پر قبہ بنانا یا شامیانہ لگانا جائز قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آسکیں اور وہاں پہنچ کر

---

ملا علی القاری المکی "اَنْ یُّجَصَّصَ الْقَبُوْرُ وَاَنْ یُّبْنٰی عَلَیْہِ وَاَنْ یُّقْعَدَ عَلَیْہِ" (الحدیث) کے تحت فرماتے ہیں قَدْ اَبَاحَ السَّلَفُ الْبِنَاءَ عَلٰی قُبُوْرِ الْمَشَائِخِ وَالْعُلَمَاءِ الْمَشْہُوْرِیْنَ لِیَزُوْرَھُمُ النَّاسُ وَلِیَسْتَرِیْحُوْا بِالْجُلُوْسِ فِیْہِ۔ سلف صالحین نے بناء علی القبر کو مباح قرار دیا ہے جبکہ میت مشائخ علما اور سادات سے ہو تاکہ لوگ اطمینان سے زیارت کرسکیں اور آرام ملے۔ (مجمع الانوار جلد تیری ص ۱۴۰) پر اسی طرح آیا ہے۔ علامہ شامی نے احکام میں جامع الفتاوی سے نقل کیا تفسیر روح البیان ہے "اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰہِ" کے تحت، اور علامہ عبد الغنی نابلسی مصنف کشف النور نے اسی طرح فرمایا ہے۔ نیز مطالب المومنین سے نقل کر کے صاحب کشف الغطا نے لکھا ہے کہ "در مدینہ منورہ بنائے قبہ ہا بر قبور اصحاب در زمانہ پیش شدہ است و ظاہر آنست کہ بہ تجویز علمائے آنوقت باشد" مدینہ میں صحابہ کی قبروں پر قبوں کا بنانا گزرے ہوئے زمانہ میں واقع ہوا ہے اور ظاہر یہ ہے کہ اس وقت کے علماء کی اجازت سے ایسا ہوا اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزار مقدس پر قبہ گنبد

آرام کر سکیں۔ انتہی کلامہ۔ بعینہ اسی طرح ہدیۃ الروائح میں بھی ہے۔

سوال :- ایمان والوں کی قبروں پر قبہ بنانا۔ حدیث شریف کے خلاف ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھب الریاح وقطر الامطار علی قبر المومن کفارۃ لذنوبہ او کما قال مومن کی قبر پر ہواؤں کا چلنا اور برسات کے قطرات اس کے گناہوں کا کفارہ ہیں۔ اندریں صورت قبوں کا بنانا شامیانہ اور چادریں و باد و باران سے مانع ہونے کی وجہ سے ممنوع ہوئے۔

جواب :- بشرط صحت حدیث درج بالا، ارشاد گرامی عام مومن گنہگار کیلئے ہے نا کہ مشائخ علماء سادات اور اصحاب و آل بیت اطہار کیلئے ہے۔ قرینہ دال ہے : کفارۃ لذنوبہ (گناہوں کا کفارہ ہوتا ہے) اگر ہر خاص و عام قبر پر چادر شامیانہ قبہ و گنبد بنانا مکروہ حرام اور ممنوع ہوتا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے گنبد خضریٰ کی تعمیر کسی صورت نہ کی جاتی جبکہ اسوقت علمائے حق، حق گو بکثرت موجود تھے۔

سوال :- اگر کہا جائے کہ تسلیم ہے گنبد خضریٰ سید الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال مبارک کے بعد تعمیر ہوا ہے اور سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے از خود بناء علی القبور کی کوئی ہدایت نہیں فرمائی تھی اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات طے ہے کہ گنبد خضریٰ کی بنیاد مبارک جناب حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے رکھی تھی جس کی لمبائی سترہ ہاتھ تھی اور اس میں دروازہ نہیں رکھا گیا تھا۔ السمہودی اور دوسرے نامور مورخین اور سیرت نویسوں

---

(نوٹ :- گذشتہ صفحہ کے فٹ نوٹ سے)

موجود ہے اور اس وقت کا ہے جبکہ علمائے حق بکثرت موجود تھے۔

المختصر پھول چادر وغیرہ بدعت حسنہ ہیں اور بدعت حسنہ جو مقصود شرع کے موافق ہو اسے سنت ہی کہتے ہیں۔ پس قبروں پر قبوں کا بنانا پردوں کا لٹکانا۔ چادروں کا ڈالنا جائز ہے جب کہ مقصود یہ ہو کہ عوام کی نگاہوں میں صاحب مزار کی عظمت رہے اُن کی شان میں کوئی تحقیر و گستاخی نہ ہو۔ (مترجم)

کی کتابوں میں یہ بات موجود ہے اور ہمارے لئے یہی سند کافی ہے۔

سوال ۔ اگر کہیں کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے دوسرے احباب کرام اور آلِ رسُول کے ساتھ مل کر گنبد اس لئے بنایا تھا کہ کفار و ہنود اور یہود و نصاریٰ کے غلط ارادے تھے کہیں ایسا نہ ہو کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مبارک کی بے حرمتی ہو بناء علیہ تمام اصحاب کرام نے حجرہ مبارکہ کے گرداگرد نہایت مضبوطی اور تمام حفاظت کے ساتھ روضہ شریف تعمیر کر دیا۔ اب تو کوئی خوف و ہراس نہیں رہا جس کی وجہ سے قبور پر قبّے تعمیر کرنا ضروری قرار دیا جائے۔ نتیجہ واضح ہے اِذَا فَاتَ الْعِلَّۃُ فَاتَ الْمَعْلُوْلُ لہٰذا قبہ شامیانے وغیرہ ضیاع مال ہے اور کچھ نہیں۔

جواب ۔ یہ ہے کہ کبھی کبھار ہنگامی حکم فائدہ مند ہونے کی صورت میں علت ختم ہو جانے کے بعد بھی اسے بحال رکھا جاتا ہے۔ جس طرح ابتدائے اسلام میں پنجگانہ نماز میں قرأت بالجہر ہوا کرتی تھی دن کی نماز ظہر و عصر میں کفار قریش یہود و ہنود کی آمد و رفت بکثرت ہوتی تھی اور نمازیوں پر سنگ باری ان کا روز کا معمول بن گیا تھا مگر رات کے وقت قریش دشمنانِ اسلام، اپنے اپنے گھروں کے اندر ہو کر رہ جاتے اور نمازیوں کو کچھ سکون مل جایا کرتا تھا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار قریش کے خوف سے ظہر و عصر میں قرأت بالجہر کے بجائے قرأت بالخفا کا حکم دے دیا مگر فجر و مغرب اور عشاء میں قریش کی آمد و رفت کچھ کم تھی تو قرأت بالجہر بحال رکھی گئی۔ بعدہٗ جب اسلام کو قوت غلبہ حاصل ہوا اور قریش کا خوف جاتا رہا تو بھی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم سابق بحال رکھا یہاں تک کہ عصر و ظہر میں اگر بھول کر بھی قرأت بالجہر پڑھ دی جائے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور اسے دوبارہ ادا کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔

اندریں حالت جب کفار اور اعدائے اسلام کا خوف و ہراس نہیں رہا تو قرأت خفیہ کیوں باقی رکھی جائے؟

جو آپ کا جواب ہوگا بعینہٖ وہی ہماری طرف سے جواب ہے اس سوال کا کہ جب ہنود و یہود کا خوف و ہراس نہیں رہا تو قبہ و شامیانہ قبور پر کیوں بنایا اور باقی رکھا جاتا ہے؟

جاننا چاہیئے کہ مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع میں امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا روضہ مبارک زیارت گاہ خلائق موجود ہے۔ حضرت عباس اور حضرت حسن بن علی امام زین العابدین امام باقر رضوان اللہ علیہم کے مزارات پر بڑا شاندار روضہ شریف بنایا گیا ہے۔ ایک روایت میں کہ گنبد خضریٰ کے ایک کونے میں سیدہ فاطمۃ الزہریٰ کا قبہ بنا ہوا ہے۔ امام مالک کے مزار پر قبہ ہے نبیٔ پاک کی اولاد مبارکہ ذکور واناث سیدنا ابراہیم سیدہ رقیہ سیدہ اُم کلثوم اور سیدہ زینب رضوان اللہ علیہن کے مزارات پر شاندار قبوں کی تعمیر موجود ہے۔ بی بی حلیمہ سعدیہ کا روضہ ہے۔ حضرت خدیجہ کے مزار پر مکہ شریف میں قبہ ہے۔ ازواجِ مطہرات کے مزارات پر قبہ عظیم الشان بنایا گیا ہے۔

مکہ معظّمہ کے قبرستان جنت المعلیٰ میں خدیجۃ الکبریٰ کا قبہ موجود ہے۔ حضرت محمّد بن ابوبکر الصدیق کا روضہ پاک ہے سیدنا ہاشم وعبد مناف اور سیدنا عبد المطلب کے مزارات اکٹھے ہیں اور ان پر روضہ جات بنائے گئے ہیں۔ اور ایک چار دیواری میں مزارات ہیں۔ مزارات میں حاجی شریف زندنی، حضرت ملا علی القاری رضی اللہ عنہم ہیں۔ اور تمام دنیا میں مشائخ علما مشہورین سادات کرام اولیاء عظام کے مزارات پر روضہ جات حد و شمار سے وافر مقدار میں موجود ہیں اور ظاہر ہے کہ یہ سب روضہ جات اس وقت کے علماء کی اجازت سے بنائے گئے ہوں گے جو حق گو اور حق جو تھے۔ اور اصول ہے کہ صحابہ کرام کو تابعین پر اور تابعین کو تبع تابعین پر فوقیت حاصل ہے۔ ان سبھی لوگوں میں سے آج تک کسی ایک صاحبِ علم نے آج تک چادر شامیانہ گنبد قبہ کا انکار نہیں کیا کیونکہ ان میں زائرین بیٹھ کر سکون کا سانس لیتے ہیں۔ قرآن پڑھنے والے ان مکانوں میں باطمینان وسکون تلاوت کرتے ہیں اور ناواقف راہ گیر لوگ ان قبہ جات کو دیکھ کر یہ جان لیتے ہیں کہ یہ ولی کا مزار ہے اور اس سے تبرک حاصل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے ان کے وسائل سے دعا مانگتے ہیں تاکہ ان کی دعا قبول ہو۔

مولانا روم رحمۃ اللہ علیہ کیا اچھا فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد | میلش اندر طعنہ پاکان زند! |
| بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد | بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد |
| ابلہان تعظیم مسجد میکنند | در جفائے اہل دل جد میکنند |
| آن مجاز است این حقیقت اے خران | نیست مسجد جز درون سروران |
| مسجدے کو در درون اولیا است | سجدہ گاہ جملہ است آنجا خدا است |

جب اللہ تعالیٰ کسی کے پردہ دری چاہتا ہے تو اسے پاک دل اور صاف روح لوگوں کا دشمن بنا دیتا ہے۔ بے ادب، صرف اپنے آپ کو ذلیل نہیں کرتا بلکہ سارے جہان کو جلا کر رکھ دیتا ہے۔ احمق لوگ ظاہری مسجد کی تعظیم تو کرتے ہیں مگر اللہ والوں پر ظلم کرنا وتیرہ بنا لیتے ہیں۔ انہیں معلوم ہونا چاہیئے کہ زمین پر بننے والی مسجد اللہ تعالیٰ کا مجازی گھر ہے اور اللہ والوں کا دل حقیقی گھر ہے

القصہ اللہ والوں کے دل میں جو مسجد حقیقی ہے وہی سجدہ گاہ ہے کیونکہ وہاں اللہ پاک کا مقام ہے۔

ان دونو مقدس مقامات جنت البقیع اور جنت المعلیٰ میں چادر پوشی روز اول سے آج تک جاری ہے۔ کعبہ پاک کا غلاف اور گنبد رسول کا غلاف آج تک موجود ہے۔ باقی مقدس مقامات جیسا کہ مشہد مقدس بغداد شریف اور اجمیر سر ہند وغیرہ میں بھی رسم چادر پوشی برقرار ہے قیمتی شامیانہ قناتیں اور روشنی کے لئے چراغاں جبکہ ان سب کا مقصد صرف زائرین کی راحت اور قرآن وحدیث پڑھنے والوں کو سکون واطمینان پہنچانا ہو، سلف وخلف کا مقبول ترین معمول چلا آرہا ہے۔

تعجب ہے مولانا غلام کبریا پر جو کہ اہل سنت وجماعت میں سے اور صاحب علم وفضل ہیں اور پیران عظام سے واسطہ ہونے کے باوجود، اپنی کتاب ارشاد الغاوین میں شرک سے فرار کر کے کراہت کی طرف چلے گئے اور لکھ دیا کہ درج بالا امور خمسہ (چادر شامیانہ وغیرہ) شرک نہیں صرف مکروہ ہیں۔

جواباً عرض ہے کہ مولانا غلام کبریا صاحب یا تو سلف صالحین اور پیرانِ عظام کی کتابوں کا مطالعہ نہ کر پائے ہیں یا امور مندرجہ کو مختلف فیہ ہونے کے ناطے مکروہ کہہ گئے ہیں۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ اِلَیْهِ الْمَرْجِعُ وَالْمَآلُ۔

فائدہ:

اِس باب میں چند اعتراضات دیکھے گئے اگرچہ انہیں اِس مُبارک کتاب میں نقل کرنا مناسب نہیں تھا مگر طالبِ صادق کے وہم و گمان کو دفع رفع کرنے کے لئے، وُہ سوالات نقل کئے گئے ہیں۔ اور اُن کے جوابات بمطابق قُرآن حدیث اور بموجب اقوال بُزرگان بیان کر دیئے جاتے ہیں تاکہ راہِ ہدایت کے طلب گار گمراہی سے بچ جائیں اور صراطِ مُستقیم پر اُن کا ہر ہر قدم محکم و مُستحکم رہے۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِیْقُ وَهُوَ خَیْرُ رَفِیْقٍ۔

اعتراض:

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء و مشائخ کرام کے مزارات پہ مجاوری کرنا شرک ہے۔

جواب:

مدینہ منورہ کی حسن مجاورت، احادیث صحیحہ اور آثار صریحہ سے ثابت ہے۔ عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَبَرَ عَلٰی بَلَاءِ الْمَدِیْنَةِ وَشِدَّتِهَا كُنْتُ لَهٗ شَهِیْدًا وَشَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَةِ، رَوَاهُ مُسْلِمٌ۔

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ سے روایت رسُول پاکؐ نے فرمایا: جس کسی نے مدینہ منورہ کی شدت اور اس کی تکلیف پر صبر کیا۔ قیامت کے دن میں اس کا گواہ اور سفارشی ہونگا۔

دوسری حدیث میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے قال رسُول اللّٰہ

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اِسْتَطَاعَ اَنْ یَّمُوْتَ فِی الْمَدِیْنَۃِ فَلْیَمُتْ بِھَا فَاِنِّیْ اَشْفَعُ لِمَنْ یَّمُوْتُ فِیْھَا رَوَاہُ اَحْمَدُ وَالتِّرْمَذِی۔ نبی پاک نے فرمایا جسے مدینہ طیبہ میں مرنے کی استطاعت ہو وُہ ضرور مدینہ پاک میں مرے کریں ایسے لوگوں کی سفارش کروں گا جو مدینہ میں مرے گا ترمذی اور احمد نے روایت کیا۔

ان دونوں احادیثِ مبارکہ سے مدینہ طیبہ کی حسن مجاورت واضح طور پر ثابت ہے۔ ویسے بھی مجاور بننا جائز ہے مترجم (مجاور اس کو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے۔ تالے کھولنے اور بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے۔ یہ مجاوری صحابہ کرام سے ثابت ہے۔ سیدہ عائشہ رضی مسلمانوں کی ماں ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر انور کی منتظم اور چابی بردار تھیں جب صحابہ کرام رضی کو زیارت کرنا ہوتی تو سیدہ عائشہ رضی سے ہی دروازہ کھلوا کر زیارت کرتے تھے۔ (مشکوٰۃ شریف باب الدفن) آج تک روضۃ الرسول پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو مشرک اور ناجائز نہیں کہا ہے۔)

اعتراض :-

کہا جاتا ہے کہ انبیائے علیہم السلام اور اولیائے کرام کے مزارات سے ملحقہ عمارات مکانات اور ارد گرد کے جنگل بوٹے وغیرہ کا بطور تبرک ادب کرنا محض باطل ہے اور اس جنگل وغیرہ سے شاخیں کاٹنے کو ممنوع قرار دینا بھی شرک ہے۔

غریب نواز حق بات جیسے ہو بیان فرمایئے اور اللہ تعالیٰ سے اجر پایئے۔

جواب :-

انبیاء اور اولیائے صالحین کے مقامات کا ادب کرنا جائز بلکہ سنت ہے مشائخ عظام کے آستانِ عالیہ متبرک مقامات ہیں وہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا اور ان مقامات کی زیارت کرنا اور ان کو متبرک سمجھنا جائز مستحب اور مستحسن ہے کیونکہ یہی وُہ مبارک ہستیاں ہیں جن کی شان میں کثرت سے احادیث وارد ہیں۔ مثلاً اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ قوم میں شیخ وقت کا مرتبہ اس طرح ہے جس طرح امت میں نبی کا۔ (جامع صغیر سیوطی ج ۲ ص ۴۳)

اَنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَۃُ الْاَنْبِیَاءِ (رواہ ابوداؤد۔ مشکوٰۃ شریف جز ص ۱ جامع صغیر ص ۶۹ ج ۲)

علمائے حق، انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں۔ وَمَا مِن نَبِیِّ اِلَّا وَنَظِیرُہٗ فِی اُمَّتِی رواہ (جامع صغیر ۲ صہ ۶۹) ہر نبی کی نظیر میری اُمت میں پائی جاتی ہے۔

عَنْ عَلِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمَدِیْنَۃُ حَرَامٌ مَابَیْنَ عَیْرٍ اِلٰی ثَوْرٍ فَمَنْ اَحْدَثَ فِیْہِ حَدَثًا اَوْ اٰوٰی مُحْدِثًا فَعَلَیْہِ لَعْنَۃُ اللّٰہِ وَ الْمَلٰئِکَۃِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ لَا یُقْبَلُ مِنْہُ صَرْفٌ وَلَا عَدْلٌ مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ مشکوٰۃ شریف بَابُ حَرَمِ الْمَدِیْنَۃِ حَرَّمَہَا اللّٰہُ تَعَالٰی الفصل الاوّل صہ ۲۳۸۔

حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں کہ ۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ مدینہ طیبہ عیر سے لے کر ثور تک حرم ہے جس شخص نے ان حدود معینہ میں کوئی خلاف شرع کا کام کیا یعنی بدعت سیئہ اختیار کی یا اس شہر میں کسی مجرم کو پناہ دی اُس پر اللہ تعالیٰ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے نہ اس سے فرائض قبول ہوں گے اور نہ نوافل ۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اِبْرَاھِیْمَ حَرَّمَ مَکَّۃَ فَجَعَلَھَا حَرَامًا وَاِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِیْنَۃَ حَرَامًا مَابَیْنَ مَاْزِمَیْھَا اَنْ لَا یُھْرَقَ فِیْھَا دَمٌ وَلَا یُحْمَلُ فِیْھَا سِلَاحُ الْقِتَالِ وَلَا تُخْبَطُ فِیْھَا شَجَرَۃٌ اِلَّا الْعَلَفُ (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف باب حرم المدینۃ فصل اول ۔)

حضرت ابو سعید کی روایت ہے نبی پاکؐ نے فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اور میں نے مدینہ طیبہ کو اس کے دونوں اطراف میں حرم بنا دیا ہے ۔ نہ اس میں خون بہایا جائے نہ ہتھیار اٹھائے جائیں اور نہ کوئی درخت کاٹنا چاہیئے سوائے گھاس کے ۔

[ اکثر اہل محبت کی عادت ہے کہ اپنے بزرگوں کی چیزیں برکت یا یادگار کیلئے نہایت اہتمام اور ذوق وشوق سے رکھتے ہیں ۔ مقصد صرف برکت حاصل کرنا ہے آج بھی بعض صالحین اولیاء عظام اور پہلے زمانہ میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی تھی، نماز پڑھتے ہیں ۔ لہٰذا اجمیری اور جیلانی دو نامور بزرگوں کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنا ان کی زیارت کرنا اور انہیں متبرک سمجھنا سنت صحابہؓ سے ثابت ہے : عَنْ صَالِحِ بْنِ دِرْھَمٍ یَقُوْلُ انْطَلَقْنَا حَاجِیْنَ فَاِذَا رَجُلٌ فَقَالَ

اِلٰی جَنْبِکُمْ قَرْیَۃٌ یُقَالُ لَہٗ الْاُبِلِّیَہ، قُلْنَا نَعَمْ قَالَ مَنْ یَضْمَنُ لِیْ مِنْکُمْ اَنْ یُصَلِّیْ فِیْ مَسْجِدِ الْعِشَارِ رَکْعَتَیْنِ اَوْ اَرْبَعًا یَقُوْلُ ھٰذَا لِاَبِیْ ھُرَیْرَۃَ........

رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ شریف ص )

صالح بن درہم سے روایت ہے کہ ہم حج کرنے چلے ایک مرد ہمیں ملا اور کہا کہ تمہارے قرب میں کوئی بستی ہے جس کا نام املیہ ہے ہم نے کہا جی ہاں۔ کہا کہ تم میں سے کون ذمہ داری قبول کرتا ہے کہ وہ میری طرف سے مسجد عشار میں دو رکعت یا چار رکعات نماز پڑھے اور کہلائے کہ یہ ابوہریرہؓ کیلئے ہے..... الخ

اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں ایک یہ کہ جس طرح عبادت مالیہ کا ثواب پہنچتا ہے۔ اسی طرح عبادت بدنیہ کا بھی پہنچتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس طرح میت کو ثواب مل جاتا ہے اسی طرح زندہ کو بھی پہنچتا ہے۔ کیونکہ یہ شخص ابوہریرہؓ تھے اور اس وقت زندہ تھے۔

اور اس حدیث مبارکہ سے امکنہ فاضلہ میں عبادت کا اہتمام بھی ثابت ہوتا ہے۔ اہل محبت اپنے مشائخ کے رہنے یا ان کی عبادت کی جگہوں کو متبرک سمجھ کر قصداً وہاں ذکر و طاعت کا اہتمام کرتے ہیں ان مقامات کا متبرک ہونا تو ظاہر ہے اور مقام متبرک میں عبادت کا اہتمام بھی اس حدیث سے ثابت ہے۔ (مترجم) ]

سوال۔ زیارت قبور کیلئے دور دور سے سفر کر کے آنا شریعت مقدسہ میں شرک کا حکم رکھتا ہے؟

جواب۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام و اولیاء کرام کی مزارات کی زیارت کیلئے سفر کرنا شرک نہیں بلکہ افضل و احسن کام ہے۔ احادیث مقدسہ اور فقہ کی کتب سے ایسا سفر کرنا ثابت ہے۔ فتح القدیر میں آیا ہے۔ قَالَ مَشَائِخُنَا زِیَارَۃُ الْقُبُوْرِ مِنْ اَفْضَلِ الْمَنْدُوْبَاتِ مشائخ عظام نے فرمایا کہ مستحبات میں بدرجہ اولیٰ مستحب کام، زیارت قبور ہے۔ اور شرح المختار میں آیا ہے۔ اِنَّھَا قَرِیْبَۃٌ مِنَ الْوَاجِبِ لِمَنْ لَہٗ وُسْعَۃٌ، جو شخص صاحب وسعت ہو اس کے لئے قبور کی زیارت مستحب ہے اور واجب کے

قریب قریب ہے۔

محدث دارقطنی اور بزاز نے سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث روایت کی ہے مَنْ جَاءَنِیْ زَائِرًا لَا تَحْمِلُہٗ اِلَّا زِیَارَتِیْ کَانَ حَقًّا عَلَیَّ اَنْ اَکُوْنَ لَہٗ شَفِیْعًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ جو شخص خالص میری زیارت کو آئے اور اُسے سوائے اس کام کے اور کوئی ضرورت نہ ہو تو مجھ پر حق ہے کہ میں قیامت کے روز اس کی سفارش کروں۔

وَاَخْرَجَ الدَّارُقُطْنِیُّ مَنْ حَجَّ وَزَارَ قَبْرِیْ کَانَ کَمَنْ زَارَنِیْ فِیْ حَیَاتِیْ دارقطنی نے اخراج کیا کہ نبی پاک فرماتے ہیں جو شخص حج کرے اور میری قبر انور کی زیارت کرے تو وہ شخص ایسے ہے جیسا کہ اُس نے میری زندگی میں میری زیارت کی ہو۔ اس مسئلہ میں اولیائے کرام رضوان اللہ علیہم بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہیں۔ حدیث میں آیا ہے "اَلشَّیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَالنَّبِیِّ فِیْ اُمَّتِہٖ" اپنی قوم میں شیخ وقت ایسے ہے جیسا کہ نبی اپنی اُمت میں ہو۔ لہٰذا ان کی مزارات کیلئے دُور دراز سفر کرکے آنا سعادت دارین ہے۔

[ جاننا چاہیئے کہ سفر کا حکم اس کے مقصد کے تابع ہوتا ہے یعنی حرام کام کیلئے سفر کرنا حرام اور جائز کام کیلئے جائز اور سُنت کام کیلئے سُنت فرض کام کیلئے فرض ہے مثلاً حج فرض کیلئے سفر بھی فرض جہاد و تجارت کیلئے سفر سُنت۔ روضۃ الرسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کیلئے سفر کرنا واجب ہے چونکہ یہ زیارت قریب واجب ہے۔ دوستوں سے ملاقات شادی بیاہ اطباء سے علاج وغیرہ کیلئے سفر کرنا جائز ہے کیونکہ یہ سب امور جائز ہیں چوری ڈکیتی کیلئے سفر حرام ہے۔ غرضیکہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کا مقصد دیکھو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سُنت ہے لہٰذا اس کے لئے سفر بھی سُنت ہی میں شمار ہوگا۔ (مترجم) ]

اعتراض۔

مشکوٰۃ شریف باب المساجد میں ہے۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلَّا اِلٰی ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی وَمَسْجِدِیْ ھٰذَا مُتَّفَقٌ عَلَیْہِ۔ ابوسعید خدری کی روایت ہے۔ نبی پاک نے فرمایا کہ تین مسجدوں کے سوا اور کسی طرف کجاوے نہ باندھے جائیں یعنی سفر نہ کیا

جائے (وُہ تین مساجد یہ ہیں) ایک مسجد حرام دوسری مسجد اقصیٰ اَور تیسری میری اپنی یہ مسجد۔ اِس حدیث سے معلوم ہُوا کہ ان تین مسجدوں کے سوا اَور کسی طرف سفر کرنا ناجائز ہے جیسا کہ زیارت قبُور اَور مشاہد مُبارکہ۔

جواب:۔

اِس حدیثِ مُبارکہ کا مقصد و مفہُوم صحیح طور پر سمجھنے کے لئے مندرجہ ذیل دلائل پر غور و فکر کرنا لازمی ہے:

تمام مساجد (جو کہ عبادت گاہ ہیں) مراتب میں مساوی ہوتی ہیں درجات میں غیر متفاوت ہیں۔ اہلِ اسلام کے شہروں میں سے کوئی بھی شہر مسجد سے خالی نہیں لہٰذا ایک مسجد کو چھوڑ کر دوسری مسجد کی طرف یہ سوچ کر سفر کرنا کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ لغو ہے اَور ضائع مگر سیّد الناس والانام صلی اللہ علیہ وسلم نے "اِلّا اِلیٰ ثلاثۃ مَسَاجد" فرما کر تین مسجدوں کو مُستثنیٰ قرار دے دیا کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ سے زیادہ ملتا ہے۔ لہٰذا ان تین مساجد میں زیادتی ثواب کی نیّت کرکے دُور دراز سے سفر کرکے آنا چونکہ فائدہ مند ہے۔ لہٰذا جائز ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ یہ نفی نہی کے حکم میں ہے کہ تم مساجد کی زیارت بانیت زیادتی ثواب کے صرف ان تین مساجد کی طرف سفر کرو۔ ان تین مساجد کے علاوہ اَور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا کرو۔ کوئی فائدہ نہیں باقی سب مساجد رُتبہ اور مرتبہ میں برابر ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ........ اس حدیث میں مُستثنیٰ مفرغ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مُستثنیٰ اَور مُستثنیٰ مِنہ دونوں ہم جنس ہیں۔ اندریں صُورت حدیث دراصل یُوں ہوگی کہ لَا تُشَدُّ الرِّحَالُ اِلیٰ مَسْجِدٍ اِلَّا اِلیٰ ثَلٰثَۃِ مَسَاجِدَ یعنی تین مسجدوں کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر نہ کیا جائے۔ البتہ مسجد کے علاوہ اور مقامات و مشاہد مُبارکہ یعنی قبُور النور تو وُہ اس کلام کے مفہوم میں شامل ہی نہیں کیونکہ انبیاء و اولیاء کی زیارات برابر برابر نہیں اُن کے برکات متفاوت بقدرِ درجات ہیں۔ لہٰذا ان کی زیارت کیلئے دُور دراز سے سفر کرنے کو جائز قرار نہ دینا بہت بُری فہم ہے جس سے اللہ تعالیٰ پناہ دے۔ آمین۔

[ حدیث شد الرحال کا یہ مطلب کبھی نہیں لیا گیا کہ ان مساجد ثلٰثہ کے علاوہ اور کسی

طرف بھی حصول ثواب کی خاطر سفر ممنوع ہے۔ ہمیشہ یہی معنی لئے جاتے رہے کہ ان مقدس مساجد میں عبادت کا ثواب علی المراتب زیادہ ملتا ہے۔ اور دنیا کی باقی مساجد ثواب میں برابر ہیں کسی کو کسی پر فضیلت نہیں چنانچہ اس مفہوم کی تائید مسند امام احمد کی روائیت سے ہے۔

لَا يَنْبَغِي لِلْمُصَلِّي اَنْ يَشُدَّ الرِّحَالَ اِلٰى مَسْجِدٍ يَبْتَغِيْ فِيْهِ الصَّلٰوةَ غَيْرِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَالْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى وَمَسْجِدِيْ۔

(فتح الباری عینی)

جناب ملا علی قاری مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ مرقات شرح مشکوۃ شریف اسی حدیث کے تحت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب احیاء علوم الدین سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَفِیْ اِحْیَاءِ الْعُلُوْمِ ذَهَبَ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ اِلَى الْاِسْتِدْلَالِ عَلَى الْمَنْعِ مِنَ الرِّحْلَةِ لِزِيَارَةِ الْمَشَاهِدِ وَقُبُوْرِ الْعُلَمَاءِ وَالصَّالِحِيْنَ۔ وَمَا تَبَيَّنَ لِيْ اَنَّ الْاَمْرَ لَيْسَ كَذَالِكَ بَلِ الزِّيَارَةُ مَاْمُوْرٌ بِهَا بِخَبَرِ كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُوْرِ اَلَا فَزُوْرُوْهَا اِنَّمَا وَرَدَ النَّهْيُ عَنِ الشَّدِّ لِغَيْرِ الثَّلٰثَةِ مِنَ الْمَسَاجِدِ لِتَمَاثُلِهَا اَمَّا الْمَشَاهِدُ فَلَا تُسَاوِيْ بَلْ بَرَكَةُ زِيَارَتِهَا عَلٰى قَدْرِ دَرَجَاتِهِمْ عِنْدَ اللّٰهِ ثُمَّ لَيْتَ شِعْرِيْ هَلْ نَمْنَعُ ذَالِكَ الْقَائِلَ عَنْ شَدِّ الرِّحَالِ اِلٰى قُبُوْرِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْاَوْلِيَاءِ فِيْ مَعْنَاهُمْ فَلَا يَبْعُدُ اَنْ يَكُوْنَ ذَالِكَ مِنْ اَغْرَاضِ الرَّاحِلَةِ كَمَا اَنَّ زِيَارَةَ الْعُلَمَاءِ فِي الْحَيٰوةِ مِنَ الْمَقَاصِدِ

انتھی کلام المرقات۔

احیاء العلوم غزالی میں آیا ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور علماء و صالحین کی قبور الور کی

زیارت کیلئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں۔

لیکن جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ یہ ہے کہ حکم ایسا نہیں بلکہ زیارت قبور کا حکم تو نبی پاک نے دیا ہے اس حدیث کی وجہ سے کہ میں تمہیں قبروں کی زیارت سے منع کرتا تھا خبردار قبروں کی زیارت کیا کریں۔

ان تین مساجد کے علاوہ باقی مسجدوں کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا ہے کہ مرتبہ اور درجہ میں باقی سب مساجد برابر ہیں لیکن مقامات متبرکہ اور مشاہد مقدسہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات عند اللہ متفاوت ہیں۔ کیا یہ مشاہد و مقامات کی زیارت سے منع کرنے والا انبیاء علیہم السلام کی مقدس قبور کی زیارت سے منع کرے گا جبکہ اس سے منع کرنا سخت مشکل اور دشوار ہے۔ رہے اولیاء کرام تو وہ بھی انبیاء علیہم السلام کے حکم میں ہیں۔ پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرکے زیارت کرنے میں خاص غرض ہو جیسا کہ علماء کرام کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا ہوتی ہے۔

المختصر جب دینی اور دنیاوی کاموں کیلئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ اور یہ بھی طے ہے کہ زیارت قبور صالحین ایک دینی کام ہے۔ اگر اس کے لئے سفر کیا جاتا ہے تو کیوں حرام ہو؟ (مترجم) ]

اعتراض کیا جاتا ہے کہ غیر خدا (خواہ نبی ہو یا ولی) کی نذر و نیاز ناجائز ہے اور غیر خدا سے مدد مانگنا اور اعانت چاہنا بھی شرک ہے لہٰذا نذر و نیاز اور استعانت سے اجتناب کیا جائے۔

جواب:۔

انبیاء و اولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق موافق ہے اور ہم اس مسئلہ (استمداد و استعانت) کی تشریح و توضیح پہلے ہی سولہویں مکتوب میں واضح طور کر چکے ہیں۔

اولیاء کرام کے نام کی نذر ماننا شریعت پاک میں، اس کے جواز کی بہت وجوہ پائی جاتی ہیں چنانچہ علامہ وجیہ الدین گجراتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اِعْلَمْ اَنَّ نُذُوْرَاتِ الْاَوْلِیَاءِ ھَلْ ھِیَ

وَاجِبَۃٌ اَمْ لَا؟ فَالْجَوَابُ لَا، بَلْ اِنَّہٗ مِنْ آدَابِ الْمُرِیْدِیْنَ یُقْسَمُ لِاَوْلَادِہِمْ سَوِیًّا ذَکَرًا کَانَ اَوْ اُنْثٰی وَلَا یُقْسَمُ عَلٰی طَرِیْقِ الْفَرَائِضِ وَقِیْلَ یُقْسَمُ عَلٰی طَرِیْقِ الْفَرَائِضِ

انتہیٰ کلامہ۔

جاننا چاہیئے کہ نذر اولیاء اللہ کی حقیقت کیا ہے؟ واجب ہیں یا نہیں؟ جواب دیا گیا کہ واجب نہیں بلکہ مریدوں کے آداب میں سے ہے۔ اور مصرف اس نذر کا (نذر کنندگان کے نزدیک) ان اولیاء اللہ کی اولاد (رشتہ دار اور خدام اور برادرانِ طریقت اور ان جیسے لوگ ہیں) مذکر مونث برابر ہیں اور یہ نذر برابر برابر تقسیم ہوا کرتی ہے فرائض کے علم کے طور پر نہیں۔ بعض کے نزدیک یہ نذر علم فرائض کے اصولوں کے مطابق اولاد میں تقسیم ہوا کرتی ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

جاننا چاہیئے کہ "لفظ نذر" مشترک ہے نذر شرعی اور نذر عرفی میں نذر شرعی وہ نذر ہے جس میں غیر واجب چیز کو ازروئے تقرب الی اللہ اپنے اوپر واجب کر لیا جائے۔ ایسی نذر عبادت ہے اور اللہ تعالیٰ کیلئے خاص ہے۔ جو نذر اولیاء اللہ کیلئے ازروئے تقرب ہو بعض لوگ اسے ممنوع قرار دیتے ہیں اور کچھ لوگ اولیاء اللہ کیلئے مانی ہوئی نذر کو نذر خداوندی سمجھ لیتے ہیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ فنا ذات پاک میں فانی اور بقائے ذات او شانہٗ کے ساتھ باقی ہیں یعنی فنا فی اللہ اور بقا باللہ کا مقام حاصل کر چکے ہیں تو اس معنی میں اولیاء اللہ کیلئے نذر جائز ہے اگرچہ ازروئے تقرب ہو۔

نذر عرفی وہ ہے جو بطور ہدیہ و تحفہ ہو اور ایصال ثواب کیلئے ہو جو آجکل عُرف عام میں بزرگوں کے فاتحہ کو نذر و نیاز کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں اس لئے کہ عُرف یہ ہے کہ بزرگوں کی خدمت میں جو پیش کیا جاتا ہے اُسے نذر و نیاز کہتے ہیں جس کی تین صورتیں ہیں:

اول:۔ اے اللہ اگر میری یہ مشکل حل کر دی جائے تو میں حسبِ توفیق اللہ تعالیٰ کے نام کا بکرا دوں گا۔ اور ثواب اس کا ولی اللہ کو بخشوں گا۔ پھر بعد حصولِ حاجت بکرا لے کر ولی اللہ کی قبر کے نزدیک ذبح کر کے خدام و مسافرین کو کھلا دے۔

دوم:۔ اے اللہ تعالیٰ کے محبوب ولی، بارگاہِ خداوندی میں میری مشکل حل ہو جانے کی

دُعا فرمایئے بصورت حل مشکلات میں تمہارے نام کا بکرا، اللہ تعالیٰ کیلئے خیرات کروں گا اور تیرے فقراء میں تقسیم کروں گا۔

سوم :- یہ کہ ولی اللہ کو بارگاہِ بے نیاز میں وسیلہ اور سفارشی بنایا جائے بایں صورت کہ یا اللہ اس بزرگ صالح کی رُوح پُر فتوح کی برکت کے صدقہ اور اپنی بے غایت عنایت و مہربانی کے طفیل میری یہ مشکل آسان فرمادے میں حسبِ توفیق بکرا نذر تیرے حضور پیش کروں گا اور اس ولی اللہ کی قبر کے قریب ذبح کر کے اس کا اجر و ثواب اس بزرگ صالح کی رُوح کو ایصالِ ثواب کروں گا جس سے تیری یا اللہ خوشنودی حاصل ہو۔

جمیع فقہا اور محدثین اِن تینوں صورتوں کو جائز قرار دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ ایفائے نذر واجب ہے اور ذبیحہ حلال ہے۔ کذا فی ارشاد الفادین:

[ وصال یافتہ اولیاء اللہ کی نذر :- اگر اس کے یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی رُوح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے۔ اور جو نذر بمعنی تقرب ان کے نام پر ہو تو حرام ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ صـ۵۴) رسالہ نذریہ میں شاہ رفیع الدین فرماتے ہیں لفظ نذر کہ اینجا مستعمل است نہ بر معنی شرعی است۔ چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان مے برند نذر و نیاز گویند۔ اولیاء اللہ کے نام کی جو "نذر" مانی جاتی ہے وہ نذر شرعی نہیں بلکہ عرفی ہے۔ جس کے معنی ہیں نذرانہ جو آجکل عرف عام میں مستعمل ہے۔ مولوی صاحبان پیر اُستاد طبیب ڈاکٹر اور وکیل کیلئے مستعمل ہوتا ہے۔ نذر نیاز نذرانہ۔ یہ عبادت نہیں ہے۔ موقع استعمال کو دیکھ کر اس کے معنی کا تعین ہو جاتا ہے جیسے لفظ صلوٰۃ نماز کے لئے بھی ہے جو عبادت ہے اور درود کیلئے بھی جو بارگاہِ رسالت میں ہدیہ تحفہ اور نذرانہ ہے۔ موقع استعمال سے نماز اور درود کے معنی کا تعین ہو جاتا ہے۔ اسی طرح نذر کا بھی موقع استعمال سے ایصالِ ثواب ہدیہ تحفہ کا عبادت و تقرب کا تعین ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ کوئی مسلمان نذر برائے عبادت نہیں کرتا بلکہ صرف ایصالِ ثواب مقصود ہوتا ہے۔ (مترجم) ]

اعتراض :-

عرب کے مشرکین، حصولِ مطلب کیلئے، بتوں کو وسیلہ سفارشی بنا کر دُعا طلب کیا

کرتے تھے جن کے متعلق اللہ تعالیٰ خود خبر دیتا ہے۔ (قرآن مجید سورۃ زمر آیت نمبر ۳ پارہ ۲۳) وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰىؕ اِنَّ اللّٰهَ یَحْكُمُ بَیْنَهُمْ فِیْ مَا هُمْ فِیْهِ یَخْتَلِفُوْنَ۔ اور وہ جنہوں نے اس کے سوا اور والی بنائے (کہتے ہیں) ہم تو صرف اتنی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں گے۔ اللہ ان میں فیصلہ کر دے گا اس بات کا جس میں اختلاف کر رہے ہیں۔

مسلمان قوم انبیاء اولیاء کو وسیلہ بنانیوالے اور مشرک بت پرست، بتوں کو وسیلہ بنانیوالے۔ دونو برابر ہیں کوئی فرق نہیں مشرکین عرب بھی معطی مطلق اور قادر برحق اللہ تعالیٰ کو سمجھتے تھے اور بتوں کو صرف اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں وسیلہ اور سفارشی سمجھتے تھے اسی طرح بعینہٖ مسلمان بھی مطالب کے حصول میں بزرگ ہستیوں کو وسیلہ و ذریعہ قرار دیتے ہیں اندریں حالت ان کے اور مشرکین عرب کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ [illegible] بالا آیت جس طرح مشرکین کے حق میں وارد ہوئی اسی طرح بدعتی ٹولہ کیلئے بھی وارد ہے

الجواب:۔

یہ مسئلہ بھی معرکۃ الآراء ہے اس لئے اس پر بھی مکمل تحقیق ہوگی۔ ہم اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ برحق معبود ہے اور معطی مطلق اس کی ذات ہے۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام صرف اور صرف وسیلہ و شفیع ہیں۔ ان کی عبادت نہیں کی جاتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (پارہ ۶ رکوع ) اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تاکہ تم فلاح پا جاؤ۔

واقعہ یہ ہے کہ مشرکین، اپنے بتوں کی پوجا اور عبادت کرتے تھے ساتھ ہی ان کو وسیلہ و سفارشی بھی سمجھتے تھے۔ لہٰذا ان کم بختوں نے سرتابی کی اور خدا کے باغی اور مشرک ٹھہرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَالَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِیَآءَ مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَاۤ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى اور وہ جنہوں نے اس (اللہ) کے سوا دوسرے والی بنا لئے (کہتے ہیں)

ہم تو انہیں صرف اتنی سی بات کیلئے پوجتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے پاس نزدیک کر دیں گے۔
مشرکین نے اپنے بتوں کو الٰہ یعنی ان کے معبودِ حقیقی ہونے کا اعتقاد کیا اسی لئے وہ مشرک قرار پا گئے اگر وہ ان بتوں کو معبود نہ ٹھہرا تے صرف وسیلہ سمجھتے تو ہرگز مشرک قرار نہ دیئے جاتے۔ اور آیت مندرجہ کی تحقیق یہ ہے کہ کلمہ "لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" کا تعلق "مانعبدھم" سے ہے "اتخذوا من دونہ اولیاء" سے نہیں ہے۔
درحقیقت ہوا یہ ہے کہ بعض مخالفین نے "لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" کا تعلق "اِتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖ" سے جوڑ دیا اور "مَا نَعْبُدُھُمْ" کو درمیان سے ہٹا دیا اور اہلِ سنت وجماعت پر بہتان باندھ لیا جبکہ قرآنی آیات سے واضح ہوتا ہے کہ مشرکین عرب توحید کے انکاری تھے انہیں اللہ تعالیٰ کے ایک ہونے میں اعتقاد ہی نہیں تھا وہ کہتے تھے اَجَعَلَ الْاٰلِھَۃَ اِلٰھًا وَّاحِدًا" کیا محمدؐ نے سب معبودوں کو ایک معبود بنا لیا وہ تمام کفار "الٰھکم الٰہ واحد" سن کر حیران رہ گئے۔ اس حیرانگی سے پتہ چلتا ہے کہ وہ توحید کے انکاری تھے۔
بالفرض اگر مشرکین، اپنے بتوں کو معبودِ حقیقی نہ سمجھتے تھے تو پھر کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ سے انکار اور قرآنی آیات درج بالا سے حیرانگی، چہ معنی دارد؟
تفسیر عزیزی میں ہے کہ ابن جریر اور ابن المنذر، ابن ابی الصالح اور ابو الشیخ نے روایت کیا ہے کہ جب "اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ" آیت پاک، نازل ہوئی تو مکہ معظمہ کے کفار نے سنا اور حیران رہ گئے اور کہنے لگے کیف یسع للناس الٰہ واحد وان محمدا لیقول "الٰھکم واحد" فلیاتنا بآیۃ ان کان من الصادقین۔ سب لوگوں کیلئے ایک خدا کیسے پورا ہوگا؟ جبکہ محمد کہتا ہے کہ تمہارا معبود ایک معبود ہے، اگر وہ سچا ہے تو ہمیں دلیل سے سمجھاوے۔

---

[ قرآن مجید کے مطالعہ اور احادیثِ مبارکہ میں غور سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین میں دو چیزیں پائی جاتی تھیں (۱) بتوں کی عبادت کرنا (۲) ان کو شفیع اور وسیلہ بنانا اور سمجھنا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان دونو میں شرک کیا ہے۔ معبود بنانا یا وسیلہ سمجھنا یا دونوں شرعی معیار کو پیشِ نظر

رکھ کر معلوم ہوتا ہے کہ صرف معبود سمجھنا اور ان بتوں کی عبادت کرنا ہی شرک ہے۔ انہیں شفیع اور وسیلہ سمجھنا شرک نہیں۔ اس لئے کہ وسیلہ ہونا سفارشی ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی صفت نہیں بلکہ یہ صفت صرف مخلوق کیلئے خاص ہے کیونکہ شفیع کیلئے مشفوع الیہ کا ہونا ضروری ہے۔ خدا کے سوا اور کوئی مشفوع الیہ نہیں ہو سکتا۔ اور اگر خدا کو شفیع سمجھا جائے گا تو خدا کے سوا کوئی اور مشفوع الیہ ڈھونڈھنا ہوگا وھذا باطل پس معلوم ہوا کہ کسی کو شفیع وسیلہ بنانا شرک نہیں ہے اس لئے کہ شفیع ہونا خدا کی صفت نہیں۔

لیکن کسی کو شفیع بنانے میں بندہ آزاد نہیں رکھا گیا کہ اپنی مرضی سے جس کو چاہے شفیع بنالے۔ شفیع اس کو ہی سمجھ سکتے ہیں جس کو خدا نے شفیع بنایا ہو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس کی شفاعت قبول کرنے کا اذن دیا ہو جیسے فرمایا مَنْ ذَالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّا بِاِذْنِہٖ۔ پس نبی ولی صالحین کو خدا نے شفیع بنایا ہے اور حضور پاک اور آپ کے صحابہ کرامؓ کے عمل نے اس کی خبر دی ہے لہٰذا ان ماذون لوگوں کو شفیع سمجھنا حق ہے اور بتوں کو شفیع نہیں بنایا گیا ان کو وسیلہ اور شفیع بنانا باطل ہے۔

چونکہ کفار نے اپنی مرضی سے بتوں کو شفیع سمجھ لیا اس لئے ان کی مذمت کی گئی اور صحابہ کرام نے حضور کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو شفیع سمجھا ان کی مذمت نہ خدا نے کی نہ رسول نے بلکہ رسول کریم نے صاف فرمایا اَنَا اَوَّلُ شَافِعٍ سب سے پہلا سفارشی میں ہی ہوں شَفَاعَتِیْ لِاَھْلِ الْکَبَائِرِ مِنْ اُمَّتِیْ میں ہی امت کے بڑے بڑوں گنہگاروں کی سفارش کروں گا۔

اب آیت پاک "مَانَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَا اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی" کا مطلب سمجھ لیجئے کہ شرک بتوں کی عبادت ہے اور انہی بتوں کو وسیلہ واسطہ سفارشی اور قرب خداوندی کا ذریعہ سمجھنا باطل محض ہے۔ مشرکین کو کیا حق ہے کہ خدا کی خدائی میں رہ کر جس کو چاہیں وسیلہ واسطہ بنالیں۔ وسیلہ سفارشی وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے شفیع بننے کی اجازت دی۔ خدا نے بتوں کو وسیلہ نہیں بنایا ہے لہٰذا ان کو وسیلہ سمجھنا خیال خام اور باطل تام ہے۔ انبیاء اولیاء کو اللہ رسول نے وسیلہ بنایا لہٰذا ان کو وسیلہ بنانا عین حق اور ایمان ہے۔

ہم اہل سنت وجماعت خدا کے حکم کے تابع ہیں جیسا حکم دیا بسر وچشم حکم دیا

بُتوں کو وسیلہ شفیع نہ سمجھ نہ سمجھا۔ فرمایا تمہارے شفیع و وسیلہ انبیاء اولیاء ہیں، مان لیا مشرکین سے کہا کہ بُتوں کو وسیلہ نہ سمجھو کم بختوں نے سرتابی کی باغی ہُوئے بُتوں کو وسیلہ بنالیا

وَاللّٰہُ یَحکُم بَینَھُم یَومَ القِیَامَۃِ

اللہ تعالیٰ قیامت کے دِن اُن کے درمیان فاصلہ کرے گا۔ المختصر بات یہ ہے کہ خُدا کے سوا کسی کی بھی عبادت کرنا خواہ مجسّم ہو یا خُدا کے نام کا بُت ہو شرک ہے کیونکہ عبادت غیر اللہ کی مطلقاً شرک ہے۔ خواہ اجسام کی کرے یا ارواح کی کرے یا دونوں کی ایک ساتھ لیکن استعانت اور استمداد شفاعت وسیلہ سمجھنا شرک نہیں بشرطیکہ اللہ تعالیٰ کا منشأ اور اس کا اِذن ہو۔

جاننا چاہیئے کہ شرک کا معنٰی صرف بُت پرستوں پر اور مجوسیوں پر صادق آتا ہے نہ کہ اہلِ سُنّت وجماعت پر۔ کیونکہ اہلِ سُنّت، انبیاء علیہم السّلام اور اولیائے کرام کو بارگاہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ میں وسیلہ اور شفیع بناتے ہیں انہیں معبود نہیں جانتے۔

شرح عقائد نسفی میں ہے۔ الاشراک ھو الشرک فی الالوھیۃ (۱) بمعنی وجوب الوجود کما للمجوس (۲) اوبمعنی استحقاق العبادۃ کما لعبدۃ الاصنام

شرک کے معنی ہیں غیر خُدا کو الوہیت میں شریک کرنا جو دو صُورت میں ہوسکتا ہے (۱) غیر خُدا کو واجب الوجود (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ تک رہے گا۔) اور اس کی صفتوں کو ذاتی قدیم ازلی ابدی سمجھے جیسا کہ مجوس کا عقیدہ ہے یا غیر خُدا کو عبادت کا مستحق یعنی معبُود جانے جیسا کہ بُت پرستوں کا عقیدہ ہے اور یہی وُہ شرک ہے جس سے بحث کی جارہی ہے یہ صریح کُفر ہے آیتِ کریمہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغفِرُ اَن یُّشرَکَ بِہٖ وَیَغفِرُ مَا دُونَ ذٰلِکَ لِمَن یَّشَاءُ۔ کا مطلب یہ ہے کہ غیر خُدا کی طرف توجہ والتفات نہ کی جائے کہ شرک

خفی ہے اور شرک خفی طاعت وعبادت کر کے بخش دیا جاتا ہے جیسا کہ حدیث پاک میں آیا ہے اَلطِّیَرَۃُ شِرْکٌ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یُذْھِبُہٗ بِالتَّوَکُّلِ پرندوں کو اُڑا کر فال لینا شرک خفی ہے لیکن توکل جیسی طاعت وعبادت کے طفیل اللہ تعالیٰ یہ شرک دفع کر دیتا ہے۔ اگر شرک خفی کفر قرار پاتا تو توکل سے اس کی بخشش نہ ہوتی هکذا فی ارشاد الغاوین

---

[ توحید و شرک :۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ یہ کلمہ توحید ہے لا حرف نفی ہے

اِلٰہ منفی اور اِلَّا حرف استثناء ہے اللہ مثبت ہے۔ لا سے جس کی نفی کی گئی الا سے اسی کا اثبات کیا گیا ہے۔ الہ بمعنی مالوہ یعنی معبود کے معنی میں ہے غیر کے معبود ہونے کی نفی کی گئی ہے اور اسی معبود ہونے کا اللہ سے اثبات کیا گیا ہے۔ "لا و الا" قاعدہ کے تحت حصر کا فائدہ دیتے ہیں یہی حصر، توحید ہے جس کے سادہ طور پر یہ معنی ہوئے کہ معبود صرف اللہ ہے پس اس کلمہ سے توحید معبودیت ثابت ہوتی ہے۔ یہ توحید کی ایک قسم ہے۔

بیان توحید میں کلمہ جلالت ذکر کیا گیا ہے جو علم ذات ہے تاکہ یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ معبود کون ہے جو اللہ ہے اور کلمہ جلالت "اللہ" علم ہے اس ذات کا جو واجب الوجود اور اس کی صفات کاملہ ہیں۔ کامل صفات کا معنی یہ ہے کہ وہ بھی قدیم ہیں ذاتی ہیں کسی کی عطا سے نہیں فنا ہوجانے والی بھی نہیں۔

اور ایسا معبود جو واجب الوجود ہو تمام صفات کمال کا جامع ہو، صرف ایک ہی ہو سکتا ہے۔ یہ دوسری قسم کی توحید ہوئی یعنی توحید وجوب ذات وصفات۔

(۱) توحید معبود (۲) توحید وجوب ذات وصفات۔ پس کلمہ طیبہ کے معنی ہوئے کہ معبود وہ ہی ایک ہے جو واجب الوجود اور جامع صفات کمالیہ ہے۔ اور اس کی صفتیں سب ذاتی غیر عطائی اور قدیم ہیں۔

شرک توحید کی ضد ہے تو لامحالہ معنی یہ ہوئے کہ غیر خدا کو یا تو واجب الوجود اور اس کی صفات کو ذاتی قدیم ازلی ابدی سمجھے یا معبود جانے۔

یاد رکھیئے توحید حاصل نہ ہوگی جب تک توحید کی دونوں قسموں (توحید معبودیت اور

توحید وجوب الوجود) پر ایمان نہ ہو لیکن شرک کیلئے یہ ضروری نہیں کہ دونو اقسام مجتمع ہوں بلکہ غیر خُدا کو اگر کوئی واجب الوجود نہ مانے مگر معبود سمجھتا ہے تو وُہ مشرک ہوگا اگر غیر خدا کو واجب الوجود قدیم مانتا ہے مگر معبود نہیں مانتا تو بھی شرک ہوگا۔ اگر کوئی غیر خُدا کو نہ واجب الوجود مانتا ہے نہ معبود جانتا ہے مگر اس کی صفتوں کو ازلی ابدی قدیم ذاتی مانتا ہے۔ تو وُہ بھی مشرک ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ کوئی غیر خُدا کو نہ واجب الوجود مانتا ہے نہ اس کی صفات کو ذاتی قدیم جانتا ہے اور نہ معبود سمجھتا ہے بلکہ اس کو بندہ مخلوق یقین کرتا ہے اور اس کی صفات کو عطائے الٰہی سے ممکن حادث کہتا ہے۔ تو اسے ہرگز مشرک نہ کہا جائے گا۔ اس لئے کہ اس نے نہ واجب الوجود میں شرک کیا نہ معبود بنا کر مشرک ہُوا ہے یعنی اس غیر خُدا کی ذات اور اس کی صفتوں کو ویسے نہ مانا جیسے خُدا کی ذات وصفات ہیں۔ (مترجم) ]

---

اعتراض ۔ تقویۃ الایمان کے حوالے سے ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ولی اللہ اور انبیاء علیہم السلام کو غیب دان کہنا سمجھنا شرک ہے اور یوں کہنا بھی کفر کہ جب میں ولی اللہ کا نام زبان پر لیتا ہوں تو اُسے خبر ہو جاتی ہے جیسا کہ کسی شاعر کا کہنا ہے۔

ممکن نہیں کہ خیر البشر کو خبر نہ ہو

جواب ۔ مشہور مفسرین اور صالحین کا فیصلہ ہے کہ غیب دو قسم ہے۔ غیب مطلق اور غیب اضافی ، غیب مطلق ، اللہ تعالیٰ کا مخصوص غیب ہے اور دوسری قسم غیب اضافی ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص نہیں ہے۔ غیب اضافی کا مطلب یہ ہے کہ بعض کیلئے غیب اور بعض کیلئے غیب نہیں بلکہ کھُلم کھُلا موجود ہو جیسا کہ جسمانی حالت شلاً بھُوک پیاس اور شہوت وخواہش وغیرہ جو کہ انسان کے لئے شہادت ہے معلوم ہے اور انسان کے نزدیک غائب نامعلوم اور غیر مفہوم جیسا کہ برزخ کا عالم ، جنت جہنم اور

قبر و حشر اور ہر وہ چیز جو ملکوتی جہان سے تعلق رکھتی ہو۔

اِس تفصیل کے بعد، غیب اوّل یعنی غیب مطلق جو کہ خاصہ خدا ہے۔ ربّ تعالیٰ اِس غیب پر کسی کو مطلع نہیں فرماتا سوائے برگزیدہ رسُول کے۔ اور دوسری قسم غیب اضافی کہ رب سے خاص نہیں ہے اِس پر رسُولِ پاک کے علاوہ اولیاءِ کرام کو بھی مطلع فرما دیتا ہے اِس لئے کہا جاتا ہے کہ "کامل وصالح روحانیت" تمام عالم ملکوت پر اور برزخ میں رہتے ہوئے، عالم دُنیا کے تمام زندہ مخلوق بلکہ تحت الثریٰ سے لے کر فوق الثریا تک تمام عالم پر اللہ تعالیٰ کی عطاؤں سے پُوری طرح باخبر ہے۔

اولیا دانند یکیک مو بمو !

زانکہ پر ہستند از اسرارِ ہُو!

چنانچہ طحاوی شریف اور دیگر تمام معتبر کُتب حدیث و تفسیر میں بالصراحت موجود ہے کہ لوح و قلم کا علم بھی غیب مطلق نہیں جس کو اللہ تعالیٰ کا خاص غیب کہا جائے کیونکہ اخبار صحیحہ میں سیّدنا اسرافیل علیہ السلام اور بعض اولیاءِ کرام کیلئے لوح و قلم کے علم پر اطلاع یاب ہونا تو بکثرت منقول ہے۔ کیا لوگ نہیں جانتے کہ قرآن مجید میں وَعَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّھَا وارد ہے۔ نیز شاہ عبدالعزیز جو اس گروہ کے مقتداء ہیں وُہ اپنی تفسیر میں آیت کریمہ وَیَکُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْکُمْ شَہِیْدًا کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ صحیح احادیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہر نبی کو اپنی اُمت کے اعمال پر مطلع فرمایا ہے کہ فلاں آج کے دن اس طرح کرے گا اور فلاں اس طرح حتیٰ کہ قیامت کے دن تک یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہے گا اور گواہی و شہادت بھی رواں رہے گی۔

---

[ جناب مُلّا علی قاری حل العقدہ شرح قصیدہ بُردہ میں فرماتے ہیں۔ کہ لوح و قلم کا علم، حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے دریاؤں کی ایک نہر ہے اور آپ کے علم کے سطروں کا وُہ ایک حرف ہے۔ قصیدہ بردہ شریف ملاحظہ ہو۔

فَاِنَّ مِنْ جُوْدِکَ الدُّنْیَا وَضَرَّتَھَا    وَمِنْ عُلُوْمِکَ عِلْمَ اللَّوْحِ وَالْقَلَمِ

شاہ عبدالعزیز صاحب۔ المحدث الدہلوی تفسیر عزیزی میں اسی آیت کے ماتحت لکھتے ہیں، رسول علیہ السلام مطلع است بنور نبوت بردین ہر متدین بدین خود، کہ در کدامیں درجہ از دین من رسیدہ وحقیقت ایمان او چیست وحجابے کہ بداں از ترقی محجوب ماندہ است، کدام است پس او مے شناسد گناہاں شمارا واعمال جد ونیک شمارا واخلاق ونفاق شمارا لہذا شہادت او در دنیا بحکم شرع درحق امت مقبول وواجب العمل است۔

جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے نور نبوت کی وجہ سے ہر دیندار کے دین کو جانتے ہیں کہ وہ دین کے کس درجہ تک پہنچا ہے۔ اور اس کے ایمان کی حقیقت کیا ہے اور کون سا حجاب اسے ترقی سے مانع ہے پس حضور علیہ السلام تمہارے گناہوں کو اور تمہارے ایمانی درجات کو، نیک وبد اعمال اور تمہارے اخلاق ونفاق کو پہچانتے ہیں۔ لہذا ان کی گواہی دنیا میں بحکم شرعی امت کے حق میں قبول اور واجب العمل ہے۔ (مترجم) ]

جناب ملا علی القاری المکی رحمہ اللہ تعالی کی مرقات شرح مشکوۃ الجزو الاول ص۶۲ میں آیا ہے۔

لِلْغَيْبِ مَبَادِئُ وَلَوَاحِقُ. فَمَبَادِيهِ لَا يَطَّلِعُ عَلَيْهِ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ وَأَمَّا اللَّوَاحِقُ فَهُوَ مَا أَظْهَرَهُ اللهُ عَلَى بَعْضِ أَحِبَّائِهِ لَوْحَتَهُ وَخَرَجَ ذَالِكَ عَنِ الْغَيْبِ الْمُطْلَقِ وَصَارَ غَيْبًا إِضَافِيًا وَذَالِكَ إِذَا تَنَوَّرَ الرُّوحُ الْقُدْسِيَّةُ وَازْدَادَ نُورَانِيَّتُهَا وَإِشْرَاقُهَا بِالْإِعْرَاضِ عَنْ ظُلْمَةِ عَالَمِ الْحِسِّ وَتَجْلِيَةِ مِرْآةِ الْقَلْبِ عَنْ صَدَاءِ الطَّبِيعَةِ وَالْمُوَاظَبَةِ عَلَى الْعِلْمِ وَالْعَمَلِ وَفَيَضَانِ الْأَنْوَارِ الْإِلٰهِيَّةِ حَتّٰى يَقْوَى النُّورُ وَيَنْبَسِطَ فِي فَضَاءِ قَلْبِهِ فَتَنْعَكِسُ فِيهِ النُّقُوشُ الْمُرْتَسِمَةُ فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَيَطَّلِعُ عَلَى الْمُغَيَّبَاتِ وَيَتَصَرَّفُ فِي أَجْسَامِ الْعَالَمِ السُّفْلِيِّ بَلْ يَتَجَلّٰى

حِيْنَئِذٍ الْفَيَّاضُ الْمُطْلَقُ بِمَعْرِفَتِهٖ الَّتِيْ هِيَ اَشْرَفُ الْعَطَايَا فَكَيْفَ بِغَيْرِهَا ۱۲

غیب کے لئے کچھ مبادی اور کچھ لواحق ہوتے ہیں غیب کے مبادی پر تو نہ ملک مقرب اور نہ نبی مرسل اطلاع پاتا ہے البتہ لواحق میں سے کچھ چیزیں اللہ تعالیٰ اپنے بعض احباب پر ظاہر فرما دیتا ہے کہ اس لاحقہ کی لوح کو اس کے سامنے فرما دیتا ہے۔ اس طرح یہ لاحقہ غیب مطلق کے دائرہ سے خارج ہو کر غیب اضافی کے زمرے میں آجاتا ہے۔ اور یہ اس طرح کہ جب قدسی رُوح منور ہو جاتی ہے تو اس کی نورانیت اور اشراق میں اضافہ ہوتا ہے اس طرح کہ وُہ عالم حس کی ظلمت سے اعراض کر کے قلب کو طبیعت کے مقابلے جلا بخشتا اور علم و عمل پر مواظبت اختیار کرتا ہے اور ساتھ ہی اس پر انوار کلیہ کا فیضان ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ نور قوی ہو کر اس کے قلب کی فضا میں پھیل جاتا ہے تو اس وقت اس قلب میں لوح محفوظ میں مرتسم نقوش اپنا عکس ڈالتے ہیں اس وقت وُہ شخص غیب کی چیزوں پر اطلاع پاتا اور عالم اجسام یعنی عالم سفلی میں تصرف کرتا ہے بلکہ اس قلب پر اس وقت اس معرفتہ کے باعث فیاض مطلق جل جلالہ جلوہ گری فرماتا ہے جو معرفت کہ تمام عطیات سے بالاتر ہوتی ہے تو دوسری چیزوں کے متعلق کیا کہنا۔

کتاب شرح برزخ لمولانا عبدُ الشکور صاحب السالمی میں ہے۔

رُوِيَ فِي الْاَخْبَارِ اَنَّ الْاِنْسَانَ اِذَا يُصِيْبُ عَلَيْهِ اَمْرٌ فَيُنَادِيْ وَلِيًّا مِنْ اَوْلِيَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى فَاِنْ كَانَ حَيًّا يُسْمِعُهُ الرِّيْحُ فِيْ طُرْفَةِ عَيْنٍ اَوْ يَعْلَمُهُ الْوَلِيُّ بِكَشْفِ الْقُلُوْبِ وَاِنْ كَانَ مَيْتًا فَتُسْمِعُهُ الْمَلٰئِكَةُ وَيُعِيْنُ لَهٗ بِالشَّفَاعَةِ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عَلَيْهِ الْمَشَائِخُ ۱۲

احادیث مقدسہ میں مروی ہے کہ انسان جب مشکل میں گھر جائے تو اللہ تعالیٰ کے دوستوں میں سے کسی ایک کو آواز دیکر بلائے۔ اگر وُہ ولی اللہ زندہ ہے تو اسے پلک جھپکتے ہی ہوا سُنا دیگی یا وُہ ولی اللہ خود کشف سے جان لے گا اور اگر ولی اللہ (منادی) مر چکا ہے تو فرشتے اسے سنوا دیں گے اور وُہ ولی اس مدد خواہ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور شفاعت کر کے اس کی مدد کریں گے۔ مشائخ عظام کا یہی عقیدہ ہے۔

اعتراض :۔ مرنے کے بعد، شعور و ادراک اور پہچان وشنید، باقی نہیں رہتی اور نہ مرنے والے، اپنی قبر پر زیارت کیلئے آنیوالوں کو پہچانتے ہیں نہ ان کے کلام وسلام کو سنتے ہیں تو پھر ان کی مزارات پر جانے سے کیا فائدہ؟ بَیِّنُوا وَ تُوجَرُوا (یہ اعتراض سمع موتی کے متعلق ہے۔

جواب :۔ سماعِ موتیٰ میں اصل راہ حق یہ ہے کہ

مرنے کے بعد، شعور و ادراک اور پہچان وشنید وغیرہ یہ سب صفات، میت میں باقی ہوتے ہیں جس پر اہلِ سُنّت وجماعت اور اہلِ فلسفہ کا اتفاق ہے۔ شرع شریف میں آیات واحادیث متواترہ بکثرت ناطق ہیں کہ قبر کا عذاب و ثواب برحق ہے ذی فہم اور صاحبِ علم کے لئے تحریر وتقریر کی ضرورت ہی نہیں حتیٰ کہ کتب کلامیہ میں قبر کے عذاب و ثواب کے انکاری کو کافر تک کہا گیا ہے اور یہ بھی طے ہے کہ قبر کا عذاب و ثواب، بغیر ادراک وشعور نہیں ہو سکتا ہے۔

چنانچہ بخاری ومسلم میں یہ روایت موجود ہے جب جنگِ بدر کے کفار مقتولین کو بدر کے کنویں میں ڈال دیا گیا تو رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنویں پر تشریف لائے اور انہیں ان کے باپوں کے نام لے لے کر پکارا کہ یَا فُلَانُ بنُ فُلَانٍ۔ یَا فُلَانُ بنُ فُلَانٍ هَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا فَاِنِّي قَدْ وَجَدْتُ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا قَالَ عُمَرُ يَارَسُولَ اللّٰهِ مَا تُكَلِّمُ مِنْ اَجْسَادٍ لَا اَرْوَاحَ فِيهَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ لِمَا اَقُولُ، مِنْهُمْ وَفِي رِوَايَةٍ مَا اَنْتُمْ بِاَسْمَعَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لَا يُجِيبُونَ ـــــــ متفق علیہ وزاد البخاری قَالَ قَتَادَةُ اَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰى اَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ تَوْبِيخًا وَتَصْغِيرًا وَنَقْمَةً وَ حَسْرَةً وَنَدَمًا ـ (مشکوٰۃ شریف ص۳۴۵ باب حکم الاسراء باب اول)

اے فلاں بن فلاں ـــ کیا تم نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو برحق پایا۔ یقیناً میں نے اپنے پروردگار کے وعدہ کو برحق پایا امیر عمر رضی اللہ عنہ، نے عرض کیا یا رسُول اللہ یہ تو جسم ہیں اور ان میں ارواح موجود نہیں ہیں۔ آپ ان سے کلام کر رہے ہیں؟

جواباً ارشاد فرمایا قسم بخدا تم میری بات ان سے زیادہ سننے والے نہیں ہو۔ لیکن وہ (سن کر) جواب نہیں دے سکتے ہیں۔ بخاری و مسلم۔ مگر بخاری نے مزید کہا قتادہ کا قول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر لیا تھا کہ انہیں نبی پاک کی بات سُنادی یہ سب ان کی تحقیر و توہین وغیرہ مقصود تھی۔

تفسیر کشاف میں آیا ہے کہ صحابہ کرام سے جواباً سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا: لَقَدْ عَلِمُوا اَنَّ مَا وَعَدَهُمْ رَبُّهُمْ حَقًّا قسم بخدا یہ سب مقتولین جان چکے ہیں کہ رب کا وعدہ برحق ہے۔ قَالَتْ عَائِشَةُ وَالنَّاسُ يَقُولُونَ لَقَدْ سَمِعُوا مَا قُلْتُ لَهُمْ وَاِنَّمَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ عَلِمُوا۔ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں صحابہ کرام کہتے ہیں کہ مقتولین نے سید دوعالم کی بات سُن لی ہے۔ حالانکہ نبی پاک نے لَقَدْ سَمِعُوا نہیں فرمایا بلکہ لَقَدْ عَلِمُوا فرمایا ہے مقتول لوگ جان چکے ہیں۔ الخ یعنی کہ انہیں علم ہے سمع نہیں ہے۔ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ

---

[ حدیث نمبر ۲۴۳ کے تحت التکشف میں مولانا تھانوی صاحب نے لکھ کر فرماتے ہیں مسئلہ سماع موتیٰ یہ مسئلہ اختلافی ہے بعض لوگ اس حدیث (يَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ) سے اثبات کرتے ہیں اور بعض نے آیت لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور مَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ سے نفی کی ہے۔ مثبتین نے آیت کا جواب دیا ہے کہ یہاں موتیٰ سے کفار مراد ہیں کہ استعارۃً ان کو موتیٰ کہدیا پس آیت کو مبحث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ نافیین نے اس کا جواب دیا ہے گو آیت میں استعارہ ہے مگر مستعار منہ (موتیٰ) میں حقیقی معنی پایا جانا ضروری ہے پس موتی بالمعنی الحقیقی کیلئے عدم سماع ثابت ہوگیا مثبتین نے جواب دیا کہ اس قاعدہ سے صرف اتنا لازم آتا ہے کہ موتیٰ پر موتی کا صدق بالمعنی الحقیقی ہے اس سے لاتسمع کا حقیقت پر محمول ہونا لازم نہیں آتا بلکہ اسمیں مجازاً اطلاق المطلق علی المقید ہے۔ اور سماع سے مُراد سماع نافع ہے پس معنی یہ ہیں کہ موتیٰ بالمعنی الحقیقی سے سماع نافع منفی ہے اور ضرورت اس حمل علی المجاز کی جمع بین النصوص ہے اور قرینہ اس کا خود مشاہدہ

ہے۔ کفار میں نفس سماع کے منفی نہ ہونے کا۔ بلکہ سماع نافع کے منفی ہونے کا ہے (مترجم)

---

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ (پارہ اوّل رکوع ۲)

لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ۚ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ

جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مُردہ نہ کہو وُہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی زندگی کو نہیں سمجھتے۔ اسی طرح قرآن مجید کی سُورہ آل عمران آیت ۱۶۹-۱۷۰ پارہ ۴ رکوع میں وارد ہے۔ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔ بلکہ انہیں کشف کے ذریعہ پس ماندہ لوگوں کے احوال سے خوشخبری دی جاتی ہے۔

ارشاد ہُوا: وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۔ اور خوشیاں منا رہے ہیں اپنے پچھلوں کی جو ابھی ان سے نہ ملے کہ ان پر نہ کچھ اندیشہ ہے اور نہ کچھ غم۔

درج بالا احادیث وآیات مُبارکہ کی روشنی میں واضح ہوجاتا ہے کہ مرنے والوں کو ادراک وشعور حاصل ہے۔

جمہور فلاسفہ بھی مرنے والوں کے لئے ادراک وشعور اور پہچان وشنید کے قائل ہیں سوائے جالینوس کے، لہٰذا فلاسفہ میں اسے شمار نہیں کیا جاتا۔

جاننا چاہیئے کہ جسم کیلئے دائمی اور ہمیشہ کے لئے پگھل جانا اور گھل جانا ہے۔ اجزا الگ الگ ہوجاتے ہیں۔ مگر رُوح کے لئے شعور وادراک اور شنید ومعرفت، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ترقی پذیر ہوتا ہے۔ لہٰذا رُوح کا بدن سے جُدا ہوجانے میں، روح کیلئے شعور وادراک میں کیا فرق ہوسکتا ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ۔

فائدہ :۔ معلوم رہے کہ قبر اور عالم برزخ میں ارواح کے احوال ملائکہ کی طرح ہیں کہ شکل وصورت کے توسط سے وُہ بدنی کام کیا کرتی ہیں اور حیوانی ونفسانی افعال کا مصدر بنتی ہیں بغیر اس کے کہ نفس نباتی کو ہمراہ رکھتی ہوں۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ فرشتوں کے لئے

اعمال کے موافق جزا و سزا اور تنعیم و عذاب نہیں ہوتا اور ارواح کے لئے اعمال کے مطابق جزا و سزا اور تنعیم و عذاب ہوا کرتا ہے۔

جناب مولانا ابو شکور السالمی اپنی کتاب شرح برزخ میں فرماتے ہیں کہ جہان فانی سے دار جاودانی کو جانے والے لوگ، اپنے زائرین کے کلام کو سنتے ہیں ان کے حالات جانتے ہیں، کامل ارواح، مدد اور اعانت بھی کرتے ہیں۔ ان کی عبارت کے الفاظ یہ ہیں۔ اِنَّ الْمَیِّتَ لَیَسْمَعُ کَلَامَ الزَّائِرِیْنَ وَیَعْرِفُ اَحْوَالَھُمْ فَلَا یَبْعُدُ اَنْ یُّعِیْنَ لِلْمُتَحَیِّرِ فِیْ اَمْرِہٖ اِنْ کَانَ لَہٗ ذٰلِکَ الْمَکَانُ عِنْدَ اللّٰہِ تَعَالٰی! اس میں شک نہیں ہے کہ مُردہ، زیارت کرنیوالوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کے حالات جانتا ہے۔ تو کوئی بعید نہیں کہ وہ پریشان حال لوگوں کی (باذن اللہ) مدد بھی کر سکیں اگر انہیں عند اللہ وہ مرتبہ و مقام حاصل ہو۔

مولانا نظام الدین گنجوی نظامی سکندر نامہ میں فرماتے ہیں۔

مرا زندہ پندار چوں خویشتن
مَن آیم بجاں گر تو آئی بہ تن !!

مجھے اپنی طرح زندہ جانیئے میں روحانی طور پر تیرا استقبال کروں گا اگر تم مجھے ظاہری بدن کی صورت میں ملنے آؤ گے!

سوال :۔ اولیاء کرام کے مقامات و مکانات اور ان کے کلام وغیرہ کو باعث برکت جاننا اور ان کی نشست و برخاست اور جائے عبادت، پر عبادت کرنا شرع شریف میں کیا حکم رکھتا ہے۔

جواب :۔ ایسی اشیاء سے برکت پانا اور انہیں تبرکاً استعمال میں لانا، ثواب عظیم اور اجر فخم کا باعث ہے جیسا کہ تفسیر عزیزی میں زیر آیتہ "صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ" موجود ہے کہ اولیاء اللہ کی نشست و برخاست کے مقامات، ان کے کلام انفاس و افعال میں، ان کی نسل و نسب اور دوست و احباب میں، لگاتار متواتر، برکت کا ظہور ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ لکھا ہے :

بالجملہ از مضمون این سورۃ معلوم مے شود کہ عبادت و طاعت را بسبب

اوقات نیک و مقامات متبرک و حضور اجتماع صالحین در ایجاب ثواب و ایراث برکات و انوار، عزتے عظیم حاصل مے شود۔ (سورۃ القدر تفسیر عزیزی)
یہ مضمون سورۃ القدر کی تفسیر میں بھی موجود ہے۔

خلاصہ اینکہ اس سورۃ کے مضمون سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادت و بندگی میں، نیک اوقات اور متبرک مقامات اور اہل اللہ کی محفل مجالس میں حاضری کے سبب، جہاں ثواب اور برکات کا فیضان ہوتا ہے۔ ساتھ ساتھ مزید عزت و عظمت بھی حاصل ہوتی ہے۔

تفسیر مظہری میں بھی یہ مضمون مقام ابراہیم کے زیر آیت پایا جاتا ہے۔

اعتراض:۔ تقویۃ الایمان مؤلفہ محمد اسمٰعیل الدہلوی میں ایک حدیث نقل کر کے "فائدہ" لکھا ہے کہ مجھے ایک دن مر کر مٹی میں مل جانا ہے تو ـــ یہ کیا ہے؟

جواب:۔ عفواً باللہ! مضمون بالا میں حدیث نہ کبھی دیکھی اور نہ سُنی ہے۔ نہ بطریق صحیح اور نہ بسند ضعیف۔ البتہ تقویۃ الایمان کے مؤلف نے قیس بن سعد کی حدیث سے یہ مطلب نکال لیا ہے جو کہ مفہومِ حدیث سے سینکڑوں منازل اور ہزاروں مراحل دُور ہے۔

درحقیقت حدیث پاک اسطرح بیان کی گئی ہے کہ ایک دن قیس بن سعد نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا اکثر لوگ اپنے سرداروں کو سجدہ کرتے ہیں حکم ہو تو ہم غلام بھی آپ کے قدموں کی دُھول پہ سجدہ ریز ہو جایا کریں۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فصاحت آمیز مُبارک زبان سے ارشاد فرمایا۔

اَرَاَیْتَ لَوْمَرَرْتَ بِقَبْرِیْ اَکُنْتَ تَسْجُدُ لَہٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا (مشکوٰۃ شریف)
اے قیس بن سعد تمہارا کیا خیال ہے اگر میری قبر انور پہ تمہارا گذر ہو تو اسے سجدہ کرو گے، میں نے کہا نہیں تو فرمایا" ایسا کام نہ کرو"

مؤلف تقویۃ الایمان نے اس حدیث کے نیچے مندرجہ بالا مفہوم و مطلب کا غیر ضروری اضافہ کر دیا ہے۔ ایسا اضافہ جو حدیث پاک کے مفہوم و مطالب سے کوسوں دُور ہے۔

اہلِ اسلام کے نزدیک صحیح عقیدہ، حدیثِ نبوی کے موافق یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے جسم مبارک مٹی پر حرام کر دیئے گئے ہیں کہ انہیں مٹی کھا سکے۔ روزِ قیامت تک ان کے مبارک جسم محفوظ و مامون ہیں۔ اندریں حالت، ہمیں لازم ہے کہ جان و دل، ان کُتوں کی خاکِ پا پر قربان کر دیں جو مدینہ منورہ کی گلیوں میں گذر بسر کر رہے ہیں۔

دل و جان بتمنائے وصالش حیران ۔ سرِ من خاک سرکوئے رسولِ عربی

آپ کے وصل وصال کی آرزو میں میرا دل اور میری جان حیرت زدہ ہے۔ خدا کرے کہ رسولِ عربی کے گلی کوچوں کی خاک پر میرا سر قربان ہو۔

اعتراض ۔ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام، صحابہ کرام تابعین تبع تابعین (قرونِ ثلثہ) کے زمانوں کے بعد ایجاد ہوا وہ بدعت ہے کفر اور حرام ہے اس میں خیر و برکت کی توقع عبث اور رائیگاں ہے۔ چنانچہ عرس، میلاد تیجا، چالیسواں وغیرہ نوحادث شدہ رسوم ہیں اور بدعات پیدا کر کے لوگوں کو گمراہی کے کنوئیں میں دھکیلا جا رہا ہے۔ جبکہ قرونِ ثلثہ میں درج بالا امور میں سے کسی کا ذکر تک نہیں ملتا۔

جواب ۔ ہر وہ کام جو قرونِ ثلثہ کے بعد وقوع پذیر ہو اسے بدعت کہتے ہیں۔ لیکن اسے حرام اور کفر کہا جائے تو یہ خرابی ہے۔ مقولہ مشہور ہے اگر کسی چیز سے پیار ہو جائے تو اس کا ذکر زباں زد ہو جاتا ہے۔

حق بات یہ ہے کہ بدعت دو طرح کی ہے بدعتِ حسنہ اور بدعتِ سیئہ اب یاد رکھنا چاہیئے کہ بدعتِ حسنہ تین طرح کی ہے۔ بدعتِ جائز، بدعتِ مستحب اور بدعتِ واجب اور بدعت سیئہ دو طرح کی ہے۔ بدعتِ مکروہ و بدعتِ حرام یعنی بدعت کل پانچ قسم ہے اس تقسیم کی تفصیل ملاحظہ ہو جو مرقات "باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ" میں صفحہ ۲۱۶

اَلْبِدْعَۃُ اِمَّا وَاجِبَۃٌ کَتَعَلُّمِ النَّحْوِ وَتَدْوِیْنِ اُصُوْلِ الْفِقْہِ وَاِمَّا مُحَرَّمَۃٌ کَمَذْھَبِ الْجَبْرِیَّۃِ وَالْقَدْرِیَّۃِ اِمَّا مَنْدُوْبَۃٌ کَاِحْدَاثِ الرَّوَابِطِ وَالْمَدَارِسِ وَکُلِّ اِحْسَانٍ لَمْ یُعْھَدْ فِی الصَّدْرِ الْاَوَّلِ وَکَالتَّرَاوِیْحِ اَیْ بِالْجَمَاعَۃِ الْعَامَّۃِ وَاِمَّا مَکْرُوْھَۃٌ

كَزَخْرَفَةِ الْمَسَاجِدِ وَاَمَّا مُبَاحَةٌ كَالْمُصَافَحَةِ عَقِيْبَ الصُّبْحِ وَالْعَصْرِ وَالتَّوَسُّعِ فِي الْمَاٰكِلِ وَالْمَشَارِبِ۔ عَنْهَا (مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ صـ۲۱۶ مطبوعہ ملتان)

بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو سیکھنا اور فقہ کے اصول کی تدوین کرنا۔

یا تو حرام ہے جیسے جبریہ اور قدریہ کا مذہب یا مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا بنانا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانے میں نہ تھی اور جیسے نماز تراویح۔

یا مکروہ ہے جیسے مساجد کو فخریہ زیب و زینت دے کر آراستہ کرنا۔

یا جائز ہے جیسے فجر و عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔ (ملا علی القاری المکی المرقات باب اعتصام الکتاب والسنت)

عَنْ جَرِيْرٍ ـــــــ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْئٌ وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَعَلَيْهِ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْئٌ (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف کتاب العلم)

نبی پاک ﷺ نے فرمایا جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کر دے اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس شخص کا بھی جو اس طریق پر عمل کرے گا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم بھی نہ ہو گا اور جو کوئی اسلام میں برا طریقہ جاری کرے تو اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان لوگوں کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں سے کچھ کمی نہ ہو گی۔

معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر نکالنا باعث اجر و ثواب ہے اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب ہے۔ بعض علماء کا یوں کہنا کہ قرون ثلثہ کے بعد کی اچھی ایجادات بھی حرام بدعت اور کفر ہیں ان سے خیر کی امید نہ رکھی جائے، باطل محض ہے۔ بلکہ ازمنۂ ثلثہ کے بعد کی اچھی ایجادات میں بھی خیر و برکت پائی جاتی ہے جیسا کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔

اُمَّتِيْ كَمَثَلِ غَيْثٍ لَا يُدْرٰى اَوَّلُهَا خَيْرٌ اَوْ اَوْسَطُهَا اَوْ اٰخِرُهَا رواہ

میری امت کی مثال برسات جیسی ہے نہیں پتہ چل سکتا کہ اول، اوسط یا

آخر میں بھلائی ہے یعنی از اول تا آخر بھلائی ہی بھلائی ہے۔

شاہ عبدالعزیز المحدث الدہلوی تفسیر عزیزی اور فتاوی عزیزیہ میں فرماتے ہیں۔

اول آنکہ یک روز معین نمودہ یک شخص یا دو شخص با ہیئت اجتماعیہ مردماں کثیر محض بنا بر زیارت و استغفار روند، این قدر از روے احادیث ثابت است۔

پہلا طریقہ یہ ہے کہ (عرس کیلئے) ایک دن مقرر کر لیا جائے اس میں ایک شخص دو شخص یا بہت لوگ جمع ہو کر محض زیارت اور اللہ تعالیٰ سے بخشش کی نیت کر کے چلے جائیں تو اسقدر روایات سے ثابت ہے۔

و در تفسیر دُر منثور نقل نمودہ کہ بر سر سال، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بر مقابر بر فتند و دعا برائے اہل قبور مے نمودند این قدر ثابت و مستحب است

و دوم آنکہ بہ ہیئت اجتماعیہ مردمان جمع شوند و ختم کلام اللہ کنند فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم در مردمان حاضرین نمایند این قسم معمول در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نبود اگر کسے باین طور کند باک نیست زیرا کہ درین قسم قبح نیست بلکہ فائدہ اموات و احیا است۔ (فتاوی عزیزی)

دوسرا طریق عرس کے لئے یہ ہے کہ بہت سے لوگ اجتماعی شکل میں جمع ہو کر کلام اللہ کا ختم کریں اور شرینی و طعام پر فاتحہ پڑھ کر حاضرین میں تقسیم کر دیں۔ ایسی صورت اگرچہ حضور پاک، خلفائے راشدین کے مبارک دور میں نہ تھی مگر اس میں حرج کوئی نہیں ہے۔ کیونکہ ایسی صورت (عرس) میں کوئی برائی نہیں پائی جاتی بلکہ اس میں زندوں اور مردوں دونوں کیلئے فائدہ ہی فائدہ ہے۔

شیخ محقق عبدالحق دہلوی "ماثبت بالسنۃ" میں فرماتے ہیں:

قَالَ ابْنُ الْجَزَرِیِّ فَاِذَا کَانَ هٰذَا اَبُوْلَهَب اَلْکَافِرُ الَّذِیْ نَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِذَمِّهٖ جُوْزِیَ فِی النَّارِ بِفَرْحِهٖ لَيْلَةَ الْمَوْلِدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ فَمَا حَالُ الْمُسْلِمِ مِنْ اُمَّتِهٖ لِيُسَرَّ بِمَوْلِدِهٖ وَيَبْذُلُ مَا تَصِلُ اِلَيْهِ قُدْرَتُهٗ فِیْ مُحَبَّتِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ۔ لَعُمْرِیْ

اِنَّمَا کَانَ جَزَاءُہٗ مِنَ اللّٰہِ الْکَرِیْمِ اَنْ یُّدْخِلَہٗ بِفَضْلِہِ الْعَمِیْمِ جَنَّاتِ النَّعِیْمِ۔ وَلَا یَزَالُ اَہْلُ الْاِسْلَامِ یَحْتَفِلُوْنَ بِشَہْرِ مَوْلِدِہٖ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَیُطْعِمُوْنَ الْوَلَائِمَ وَیَتَصَدَّقُوْنَ فِیْ لَیَالِیْہِ بِاَنْوَاعِ الصَّدَقَاتِ وَیُظْہِرُوْنَ السُّرُوْرَ وَیَزِیْدُوْنَ فِی الْمَبَرَّاتِ وَیَعْتَنُوْنَ بِقِرَاءَتِ مَوْلِدِہِ الْکَرِیْمِ وَیَظْہَرُ عَلَیْہِمْ مِنْ بَرَکَاتِہٖ کُلُّ فَضْلٍ عَمِیْمٍ وَمِمَّا جُرِّبَ مِنْ خَوَاصِّہٖ اَنَّہٗ اَمَانٌ فِیْ ذٰلِکَ الْعَامِ وَبُشْرٰی عَاجِلٌ بِنَیْلِ الْبُغْیَۃِ وَالْمَرَامِ رَحِمَ اللّٰہُ امْرَءً اِتَّخَذَ لَیَالِیْ شَہْرِ مَوْلِدِہِ الْمُبَارَکِ اَعْیَادًا لِیَکُوْنَ اَشَدَّ عَلٰی مَنْ فِیْ قَلْبِہٖ مَرَضٌ وَعِنَادٌ۔ (ما ثبت من السنۃ وشہر ربیع الاوّل)

ابن جوزی کہتے ہیں جبکہ ابولہب کافر کو جس کی مذمت میں قرآن نازل ہوا، اس خوشی کا یہ صلہ ملا کہ اُس نے حضور علیہ السلام کی پیدائش پر مسرت کا اظہار کیا تھا۔ تو اس مسلمان کا کیا حال ہوگا جو آپ کی اُمت میں ہو کر آپ کی پیدائش کی خوشی کرتے ہیں اور آپ کی محبت میں جتنا ہو سکتا ہے خرچ کرتے ہیں۔ مجھے اپنے زندگی کی قسم! یقیناً خداوند کریم کی طرف سے اسکی یہی جزا ہوگی کہ وہ اپنے فضل و کرم سے جنت کے باغوں میں داخل فرمائے گا۔

ہمیشہ سے ہی مسلمان حضور علیہ السلام کی ولادت مبارکہ کے مہینہ میں محافل (میلاد) منعقد کرتے ہیں اور طعام و شرینی بنا پکا کر اس مہینہ کی راتوں میں طرح طرح کے تحفہ جات خوب تقسیم کرتے ہیں اور ان لوگوں پر اس عمل کی برکت سے ہر قسم کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ اس محفل میلاد کے خصوصی تجربات میں سے یہ ہے کہ وہ سال بھر تک امان پاتے ہیں اور حاجت روائی مقصود برآری کی بڑی بشارت ہے پس اللہ تعالیٰ اس شخص پر بے پایاں رحمت نازل فرمائے جس نے میلاد شریف کے مہینہ کی دن رات کو عید بنایا۔

علامہ سعید الدین گاذرونی اپنے رسالہ میں فرماتے ہیں، ایک جماعت، بارہ ربیع الاوّل شریف کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یوم وصال مناتے ہیں اور دوسری جماعت اس دن ہجرت رسول عربی کا جشن مناتے ہیں۔ آپ اسی تاریخ کو ہجرت فرما کر مدینہ منورہ جلوہ گر

ہوئے تھے۔ اور دونوں فریق بارہ ربیع الاوّل کو لذیذ و لطیف کھانے پکا کر ایصالِ ثواب کی نیت سے سید الکائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور پیش کرتے ہیں اور فقراء و مساکین کو کھانے کھلاتے ہیں۔ یہ مدینہ منورہ کے دو گروہ ہیں۔

بعینہ اسیطرح مکہ معظمہ میں بھی دو گروہ ہیں ایک گروہ بارہ ربیع الاوّل شریف کو محفل میلاد شریف میں شریک ہوتے ہیں اور اسے ذریعہ برکت سمجھ کر ہر سال محفلِ میلاد منعقد کرتے ہیں اور دوسرا گروہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت مقدسہ کا جشن مناتا ہے۔

اور اگر کچھ مزید اطلاع و مطالعہ مطلوب ہو تو غلام کبریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ارشاد الغاوین پڑھ لیں۔

(متعلقہ صـ ۲۴، سطر نمبر ۶)

سوال:۔ اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ادب صرف بڑے بھائی جتنا کرنا چاہیئے تو ہم اس کا کیا جواب دیں؟ گذارش بحضور یہ ہے کہ آپ ارشاد فرمائیں کہ اس مسئلہ میں طریقِ صواب کیا ہے؟

جواب:۔ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ ایسی گفتگو اور ایسا کلام کفرِ محض ہے، نعوذ باللہ منہا۔ اس لئے کہ اس قسم کے کلام میں اہانتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے۔ اور جو شخص پیغمبروں میں سے کسی بھی پیغمبر کی اہانت کا مرتکب ہو، وہ کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس نے نبی علیہ السلام کے درجہ کو بڑے بھائی کے درجہ سے کمتر بتایا۔ اس لئے کہ حضور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس نے مشبّہ اور بڑے بھائی کو مشبّہ بہ قرار دیا۔ اور علمِ معانی میں یہ بات مقرر اور طے شدہ ہے کہ مشبّہ کا درجہ مشبّہ بہ کے درجہ سے کم تر ہے۔

عجیب بات تو یہ ہے کہ قرآن مجید فرقانِ حمید میں بے شمار مقامات پر اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نہایت بلند رتبہ القابات سے یاد فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ، وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ، وَمَنْ اَطَاعَ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ، وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ط۔ لہٰذا مفسرین سے پوچھا جائے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایسے عزت افزائی کے کلمات کون سے بھائی کے حق میں نازل فرمائے ہیں؟ نعوذ باللہ

حدیث شریف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ مِثْلُ الْوَالِدِ لِوَلَدِہٖ" کہ میں اپنی امت کے لئے مثل باپ کے ہوں اپنے بیٹے کے لئے۔ جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درجہ اپنے بڑے بھائی کے برابر بتایا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معنوی باپ ہونے کے درجہ سے منحرف ہوئے، وہ اسی اقرار اور انکار کی وجہ سے عاق ہو گئے۔ اور شرعاً جو اپنے باپ کو بھائی کہے تو فقہا نے اسے عاق کا حکم دیا ہے اور اس کی نماز، اس کے روزے اور اس کی عبادت نامقبول ہے۔ اس کے پیچھے نماز ناجائز اور اس کی گواہی غیر معتبر ہے۔ پس اہلِ سنت کے لئے لازم ہے کہ ان سے صحبت نہ رکھے اور ان کی کتابیں نہ پڑھے۔

سوال:۔ اگر کوئی شخص کہے کہ سابقہ اور حالیہ بزرگانِ دین کی تصانیف اور اقوال پڑھنے اور سننے میں ایسے کلمات آئے ہیں، جنہیں علماء ظاہر شریعت کے مطابق اہلِ سنت کے

خلاف سمجھتے ہیں۔ پس بعض علماء نے ان کلمات کو ان کی محویت اور سکر کی حالت پر محمول فرمایا ہے اور بعض نے انہیں لغو قرار دیا ہے اور بعض نے ماضی کے علماء حقہ مثلاً حضرت شیخ محی الدین ابن عربی، حضرت شیخ فریدالدین عطار، حضرت مولانا جلال الدین رومی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی اور دیگر مشائخ کبار رحمۃ اللہ علیہم اجمعین، کے مشکل اور مغلق فرمانوں کو کفر کا درجہ دیا ہے ۔

اے شیخ رہ بگو کہ طریقِ صواب چیست!

جواب :۔ صحیح حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو کسی ایسے شخص کو کافر کہے، جو حقیقتاً کافر نہ ہو، تو کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ ملا علی قاری نے شرح "فقہ اکبر" میں استاد ابواسحاق کا قول نقل کیا ہے۔ اِسی طرح قہستانی نے "شرح قصیدۂ امالی" میں لکھا ہے اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے "تکمیل الایمان" میں یہی حکم فرمایا ہے۔ نیز شیخ ابوشکور سالمی نے "تمہید" میں ارشاد فرمایا ہے کہ اگر کوئی گالی کے طور پر کسی کو کافر کہے گا تو خود کافر ہو گا۔

فائدہ :۔ جاننا چاہیے کہ جب عام لوگوں کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے تو اہل اللہ کو کافر قرار دینے والا بطریقِ اولیٰ کافر ہو گا، کہ اہل اللہ تو فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مدارج طے کر چکے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کے عالی درجات کلمات میں مجاز اور استعارہ بکثرت استعمال ہوا ہے۔ اور حقیقت میں ان کے کلمات سے کوئی کلمہ بھی شرع شریف اور اہل سنت و جماعت کے عقائد کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ قرآن و سنت کے عین مطابق و موافق ہوتا ہے :

سخن کہ بشنوی از اہلِ دل، مگو کہ خطاست
سخن شناس نہ ای دلبرا، خطا اینجاست

اللہ والوں کی باتیں سن کر مت کہیئے کہ غلط ہیں۔ اے میرے محبوب تمہیں سخن شناسی حاصل نہیں ہے اور یہ بہت بڑی خطا ہے۔

علامہ قاضی پانی پتی کا "تفسیر مظہری" میں ایمان افروز بیان سنئیے اور سر دھنیے۔ ارشاد

فرماتے ہیں :

فَالطَّرِيْقُ السَّوِيُّ لِلْعَوَامِ عِنْدَ مُطَالِعَةِ كُتُبِهِمْ وَسِمَاعِ كَلَامِهِمْ عَدَمُ الْإِنْكَارِ وَحَمْلِهِ عَلٰى ظَاهِرِ الشَّرِيْعَةِ مَهْمَا اَمْكَنَ بِالتَّاوِيْلَاتِ۔ فَاِنَّ كَلَامَهُمْ رُمُوْزٌ وَاِشَارَاتٌ اَوْ تَفْوِيْضُ عِلْمِهٖ اِلٰى عَلَّامِ الْغُيُوْبِ كَمَا شَانُ الْمُتَشَابِهَاتِ فَاِنَّ فِيْ كَلَامِهِمْ مَجَازَاتٌ وَاِسْتِعَارَاتٌ مَصْرُوْفَةٌ عَنِ الظَّوَاهِرِ وَلَيْسَ شَيْئٌ مِنْهَا مُخَالِفُ الشَّرْعِ بَلْ لُبُّ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ رَزَقَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى مِنْهُ بِفَضْلِهٖ وَمَنِّهٖ

عوام الناس کے لئے سیدھی راہ یہ ہے کہ صاحبِ سکر لوگوں کی تصانیف اور ان کا کلام پڑھتے سُنتے وقت، اُن کا انکار نہ کریں بلکہ

۱۔ ان کی تاویل صحیح کر کے ظاہر شریعت پر محمول کرنے میں کوشش کریں۔ کیونکہ ان کا کلام اور تصانیف بھید و اسرار اور اشارات سے عبارت ہے۔

۲۔ یا اُسے اللہ تعالیٰ غیب جاننے والے کیطرف سپرد کر دیں جیساکہ آیات متشابہات کا حکم ہے اور یہی اعتقاد رکھا جائے کہ ان کے کلام اور تحریر میں مجاز و استعارہ کا استعمال ہوا ہے اور وہاں ظاہری معنی مُراد نہیں ہیں۔

اندریں حالت اہل اللہ کی کوئی بات خلافِ شرع نہیں ہو گی بلکہ قرآن و حدیث کا مغز اور خلاصہ قرار پائے گا۔ اللہ ہم سب کو ان کے کلام کو سمجھنے کی توفیق نصیب فرماوے اور وہ بھی اپنے فضل و کرم کے طفیل آمین۔

كَذَا فِي الْمِرْقَاةِ لِعَلِيِّ الْقَارِيْ :

اولیاء اطفال حق اند اے پسر ۔ حاضر و غائب ازیشان کن حذر
گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ! ۔ گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اولیاء اللہ، اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں۔ ان کے روبرو اور غائبانہ، ہر حالت میں ان کے بارے احتیاط چاہیئے۔ ان کی بات حقیقۃً، اللہ تعالیٰ کا بول ہے اگرچہ بظاہر اللہ کا بندہ بول رہا ہے۔ شیخ کامل کی دُعا، عام دُعا نہیں۔ شیخ کامل، فانی فی اللہ ہے اور اس کا بولنا، اللہ تعالیٰ کا بولنا ہے۔ (مثنوی دوم)

# مکتوب ۱۷

بجناب ہدایت مآب حضرت غریب نواز حفظ اللہ جلالتکم

بعد از تحیۃ تسلیم۔ ہمارے ارد گرد بعض اہلِ علم لوگوں کا کہنا ہے "سماع مطلق حرام ہے،" اور سُننے والا گنہگار ہے لیکن سماع کو حلال و جائز قرار دینے والا کافر ہے۔ سماع کو حرام کہنے والے لوگوں نے منسوخ و تاویل شدہ آیات، اور موضوع احادیث کو اپنے مدعیٰ کیلئے سند بنالیا ہے۔ نتیجہ یہ ہُوا کہ اکثر لوگ سیدھی راہ سے بھٹک گئے اور اپنے مشائخ کرام اور پیرانِ عظام سے بے اعتقاد بن بیٹھے ہیں۔ اور سُننے والے اسلاف و اخلاف کو گنہگار اور سماع کے جواز و استحباب سمجھنے والے قائلین کو کافر کا حکم بے باک دیا جاتا ہے۔ البتہ بعض ایسے لوگ جو آنوالا شان کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں وہ مشائخ کے اقوال و افعال کو حالتِ سکر پر محمول کرتے ہیں اور ان کے اقوال و افعال کو قابلِ عمل نہ ہونے کی وجہ سے حالتِ سُکر قرار دیتے ہیں۔ باوجودیکہ شیخ کامل کے اقوال و افعال دنیا کے لیے حجت تسلیم ہوتے ہیں جسطرح ارشاد ہے کہ "اَلشَّیْخُ مَنْ یُّحْیِی السُّنَّۃَ وَیُمِیْتُ الْبِدْعَۃَ وَیَکُوْنُ اَفْعَالُہٗ وَاَقْوَالُہٗ حُجَّۃً لِلنَّاسِ"۔ شیخ سے مُراد دراصل ایک ایسا فرد کامل ہوتا ہے، جو سُنت کو زندہ کرے اور بدعت کو ختم کرے اور اس کے اقوال و افعال لوگوں کے لئے حجت ہوں۔

عالی جاہ! آپ کے اکثر حواشی نشین بڑے بڑے عالم فاضل لوگ ہُوا کرتے ہیں۔ براہِ نوازش و کرم بخشی، متبحر علماء فضلاء سے فتویٰ لیا جائے کہ سماع کس وضع سے حرام اور کس طرح جائز حلال و مستحب ہے تاکہ حق و ناحق میں امتیاز ہو۔ اپنی مُہر اور دستخط بھی ثبت فرما دیں تاکہ ہر خاص و عام، حسبِ تحریر آں عالاشان پیر دستگیر روشن ضمیر، ہدایت پائیں اور خصوصاً آنوالا شان کے خاندان کے متوسلین، اپنے پیرانِ عظام کی روش پر محکم اور مستحکم ہو
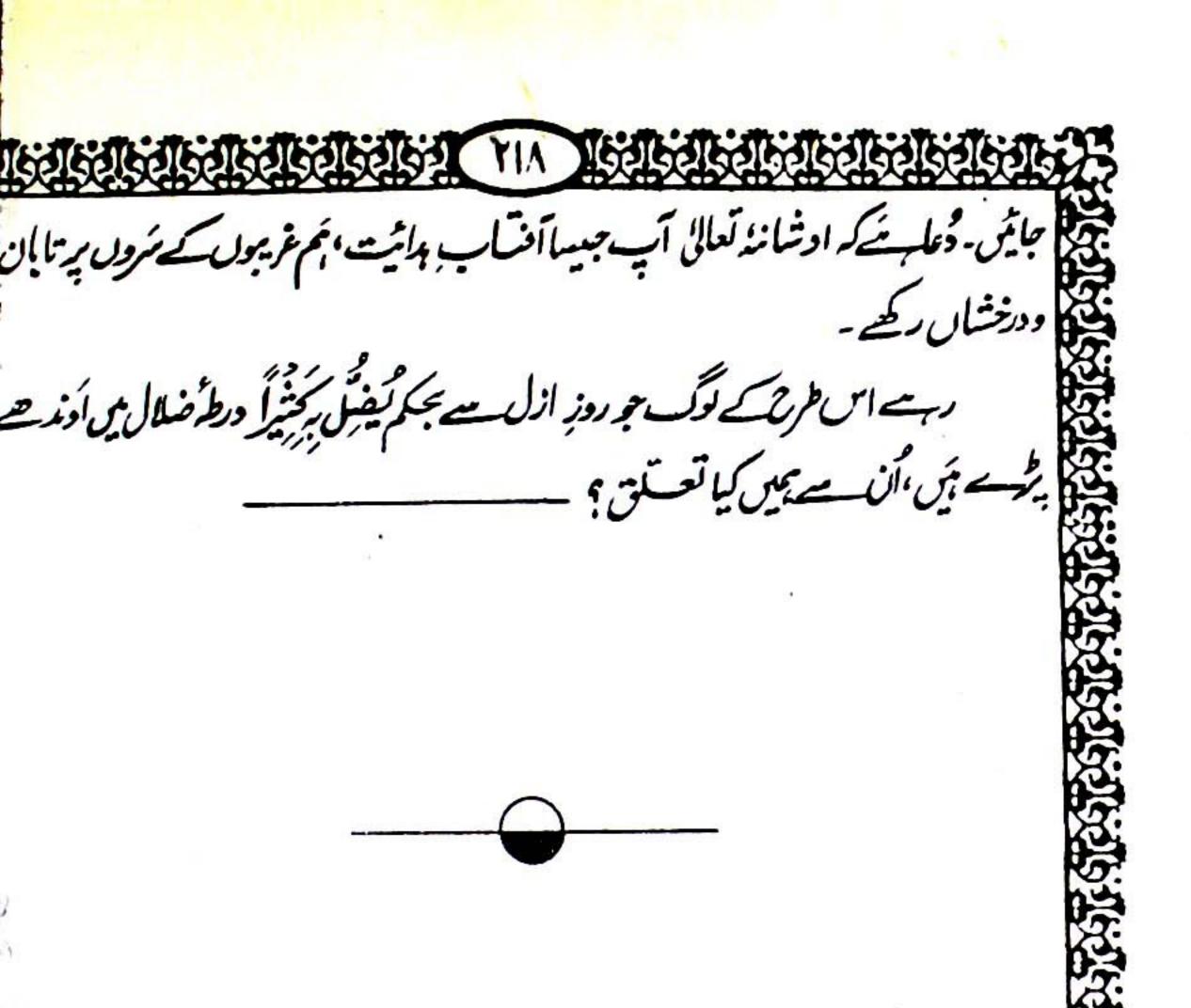
جائیں۔ دُعا ہے کہ ادشانہٗ تعالیٰ آپ جیسا آفتاب ہدائیت، ہم غریبوں کے سروں پر تابان
و درخشاں رکھے۔

رہے اس طرح کے لوگ جو روزِ ازل سے بحکم یُضِلُّ بِہٖ کَثِیۡرًا درطۂ ضلال میں اوندھے
پڑے ہیں، اُن سے ہمیں کیا تعلق؟ ـــــــــــــــــــــــ

# جواب (۱۷)

برخوردار عمر دراز ہو بعد از سلام سنّت خیرالانام علیہ الصلوٰۃ والسلام

پیرانِ عظام کی کتابوں میں لکھا ہے کہ سماع مطلق حرام نہیں ہے اس مسئلہ سماع میں اگرچہ علمائے کرام کو اختلاف ہے۔ مگر مشائخ فرماتے ہیں وصول الی اللہ کا سہل اور آسان ترین راستہ "قوالی" ہے بلکہ فرائض و واجبات اور سنن و تلاوت قرآن کی طرح سماع بھی افضل عبادت سمجھا جاتا ہے۔ بشرطیکہ کبھی کبھار ہو۔ حضرت شیخ محمد رحمہ اللہ کی بعض تصانیف میں اسی طرح آیا ہے۔

آداب السالکین میں مؤلف کتاب فرماتے ہیں کہ: خواجگانِ چشت ہر وقت دو رکن میں مشغول رہا کرتے ہیں۔ رکن اول نماز ہے تو دوسرا رکن ہے "قوالی" فرق صرف یہ ہے کہ رکن اول نماز میں خودی برقرار ہوتی ہے۔ کہ ابتدا سے انتہا تک ہوش و حواس صحیح ہونے چاہئیں بلکہ قیام قرأت، رکوع، سجود، تسبیح، ترتیب، قعدہ اولین و آخرین وغیرہ کی خبر رہے۔ یعنی نماز فاسد نہ ہو جائے اور دوسرا رکن جو سماع ہے تمام کا تمام حیرت و بیہوشی طاری کرتا ہے۔ سماع والوں پر بے خودی کے دورے پڑتے ہیں اور ان کے دل سے سوائے حق سبحانہٗ تعالیٰ کے سب چیزیں محو ہو جاتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ سماع کے درجات میں ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ماسوائے اللہ کو جلا کر راکھ کر دے۔ دراصل سوائے محبت کے سماع والوں کے دل میں اور کوئی خیال نہیں آتا لہٰذا خودی اور بے خودی کے مراتب میں عظیم فرق پایا جاتا ہے۔ جسے صاحب فہم سمجھ سکتے ہیں باقی نہیں۔

فائدہ:۔ سید الاولین والآخرین کا ارشاد ہے: "لِیْ مَعَ اللّٰہِ وَقْتٌ لَا یَسَعُنِیْ فِیْہِ مَلَکٌ مُقَرَّبٌ وَلَا نَبِیٌّ مُرْسَلٌ" میرے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور ایک وقت مخصوص ہے جس میں مقرب فرشتہ کی رسائی ہے نہ نبی مرسل کی پہنچ ہے۔

عجب رمزلیست در معشوق و عاشق
کراماً کاتبیں را ہم خبر نیست!

عاشق و معشوق میں ایک مخفی سا عجیب تعلق ہوتا ہے جس کی کراماً کاتبین کو بھی خبر نہیں ہو پاتی۔

آیاتِ قرآنیہ میں رسول اللہ کی اطاعت و اتباع کا حکم پایا جاتا ہے اور حق بھی یہی ہے کہ اطاعت و اتباع رسول، دین اور اسلام کی بنیاد ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (پارہ ۳ رکوع) اے میرے رسول آپ فرما دیں کہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو تاکہ محبت کرے تم سے اللہ تعالیٰ اور تمہارے گناہ بخش دے۔ اور اللہ بخشنے والا ہے۔ مہربان ہے۔

قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْكٰفِرِیْنَ (پارہ رکوع )
اے میرے رسول! آپ فرما دیں کہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا۔ پھر وہ اگر اعتراض کریں تو اللہ کو کافروں سے محبت نہیں ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ یَرْجُوا اللّٰهَ وَالْیَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا (پارہ ۲۱ رکوع )

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اِنَّ الَّذِیْنَ یَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا یُفْلِحُوْنَ (پارہ رکوع )

احادیث مبارکہ۔ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ رواہ البخاری (مشکوٰۃ شریف کتاب العلم فصل اول)
حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں رسول پاک نے فرمایا جس شخص نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا وہ اپنی جائے نشست جہنم میں بنالے اس کو بخاری نے روایت کیا۔

عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ

کِتَابُ اللّٰہِ وَخَیْرُ الْھَدْیِ، ھَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا وَکُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (رواہ مسلم مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام)

سیدنا جابر کی روایت ہے رسولِ پاک نے فرمایا حمد و درود کے بعد سب سے اچھی بات، اللہ کی کتاب ہے اور سب سے بہتر ہدایت، محمد کی ہدایت ہے۔ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور سب کاموں میں برا کام، نئے کام ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے۔

عَنْ مَالِکِ بْنِ اَنَسٍ مُرْسَلًا قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا کِتَابُ اللّٰہِ وَسُنَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِنَّ الدِّیْنَ بَدَءَ غَرِیْبًا وَسَیَعُوْدُ غَرِیْبًا فِیْ رِوَایَۃٍ کَمَا بَدَءَ فَطُوْبٰی لِلْغُرَبَاءِ وَھُمُ الَّذِیْنَ یُصْلِحُوْنَ مَا اَفْسَدَ النَّاسُ مِنْ بَعْدِیْ مِنْ سُنَّتِیْ رَوَاہُ فِی الْمُوَطَّا (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام فصل ثالث)

مالک بن انس سے روایت مرسل ہیں رسول اللہ نے فرمایا میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں جب تک تم ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو گے (وہ کیا ہیں) ایک اللہ کی کتاب اور دوسری سنت رسول۔ بے شک دین، ابتداءً غریبوں میں ظاہر ہوا اور آخر غریبوں میں رہے گا۔ ایسے غریب لوگ خوش قسمت ہیں جو کہ میرے بعد، میری اس سنت میں اصلاح اور درستگی کر دیں گے جس میں میرے بعد لوگوں نے فساد برپا کر رکھا ہو گا۔

ترمذی نے روایت کیا، عن ابی ھریرۃ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَہٗ اَجْرُ مِائَۃِ شَھِیْدٍ (رواہ البیہقی مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام فصل دوم)

ابو ہریرہ نے روایت کیا سرکارِ دو عالم کا ارشاد ہے میری اُمت میں فساد ہوتے وقت جس شخص نے میری سنت پر مضبوطی سے عمل کیا اس کیلئے سو شہیدوں کا ثواب ہے۔

عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَکُوْنُ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ دَجَّالُوْنَ کَذَّابُوْنَ یَاْتُوْنَکُمْ مِنَ الْاَحَادِیْثِ بِمَا لَمْ تَسْمَعُوْا اَنْتُمْ وَلَا اٰبَاؤُکُمْ فَاِیَّاکُمْ وَاِیَّاھُمْ لَا یُضِلُّوْنَکُمْ وَلَا یَفْتِنُوْنَکُمْ (رواہ مسلم مشکوٰۃ باب اعتصام فصل اول)

جناب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آخر زمانہ میں جھوٹے دجال (مکار) تمہارے

پاس وُہ حدیث لے آئیں گے جنہیں نہ تم نے کبھی سُنا اور نہ تمہارے باپ دادا نے۔ ان سے دُور رہنا تاکہ وُہ تمہیں گمراہ کریں اور فتنہ میں نہ ڈالیں۔

عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ اُمَّتِیْ یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ اِلَّا مَنْ اَبَانِیْ قَالَ مَنْ اَطَاعَنِیْ دَخَلَ الْجَنَّۃَ وَمَنْ عَصَانِیْ فَقَدْ اَبَانِیْ (رواہ البخاری)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روائیت ہے رسُول پاک نے فرمایا میری ساری اُمت بہشت میں داخل ہوگی مگر منکرین جو جنت نہیں جائیں گے۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی وُہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میرا کہنا نہ مانا اس نے میرا انکار کیا۔ بخاری نے روائیت کیا۔

المختصر رب العالمین نے اپنا رسُول بھیجا اور تمام دُنیا والوں کو بتا دیا کہ اگر جنت کے طلبگار ہو تو میرے رسُول کی اطاعت کرو۔ گناہوں کی آمرزش چاہتے ہو تو میرے رسُول کی اطاعت کرو۔ خُود رحمت العالمین نے تاکید کر کے حکم دیا میرے ساتھ جنت جانا چاہتے ہو تو میری اتباع کرو سو شہید کا ثواب چاہتے ہو تو میری مُردہ سُنت کو زندہ کرو۔

تھوڑی سی تمہید کے بعد آمدم برسر مطلب پس وُہ جو کوتاہ اندیش نگوں بخت اور بدطینت ہیں واقعی اُنہوں نے غلو سے کام لیا اور فتوی جھاڑ دیا "سماع مطلق حرام ہے" اور مزید ظلم کیا کہ اُنہوں نے سُننے والوں اور ان سے راضی رہنے والوں تک کو کافر کہہ دیا۔ جبکہ یہی فتوائے کُفر واپس ان کی طرف لوٹ جایا کرتا ہے۔

اہلِ سُنت وجماعت پہ لازم ہے ایسے مُنکرین کا علمی طور پر سدِباب کریں۔

اس مختصر سے پیش لفظ کے ساتھ "سماع" کے متعلق چند سطور پر مشتمل ایک مقالہ پیش کرتا ہُوں جس کی تالیف کا شرف اس دُعاگو کو حاصل ہے۔ یہ مقالہ ہے جس میں سماع کی مخالفت کرنے والوں کیلئے دفاع ہے اور مرض لاعلاج عناد کے لئے کامیاب علاج کی نہائیت کامیاب اور مُخلصانہ کوشش کی گئی ہے۔ آیاتِ قُرآنیہ (احادیث نبویہ اقوال ثقہ اور فقہا کی روایات، سماع و قوالی کے جواز میں بیان کی گئی ہیں۔ شک کرنیوالوں کو ایسے کام میں شک کرنا چاہیئے اور مزید تحقیق و تدقیق کرنی چاہیئے۔ صرف اس اُمید پر کہ ثواب دارین ہو اللہ کی رضا و خوشنودی مطلوب ہو اور قیامت کے دن شفیع المذنبین کی شفاعت مبارکہ

وافر حصہ ملے آمین۔

فائدہ: حق کے طلبگار وہ علماء جو دین کے راستوں پر چلتے ہیں یعنی اہلِ سُنّت وجماعت ان کے تین گروہ ہیں۔ اوّل محدثین، دوم فقہا اور سوم صُوفیاء کرام۔ فقہا تو محدثین کو اہل الظواہر کہتے ہیں کیونکہ محدثین نے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ظاہری قول و فعل کا مکمل اہتمام کیا اور صحیح حدیث کو ضعیف حدیث سے جدا کرنے میں مصروف رہے۔ الخ

اور محدثین کرام، فقہائے اسلام کو اہلِ الرائے کہتے ہیں کیونکہ انہوں نے اپنے فہم و استنباط کی قوت اور گہری نظر پر عمل کیا اور ظاہراً خبرِ واحد کو ترک کر دیا پس فقہاء کے نزدیک اجتہاد و استنباط پر عمل کرنا جائز ہے اگرچہ اس کے خلاف خبرِ واحد کیوں نہ پائی جائے جو کہ باسناد صحیح ثقہ راویوں کی روایت ہو مگر محدثین کے ہاں معاملہ اُلٹ ہے۔

اب رہا صاف دل صُوفیاء کا گروہ، ان دونوں گروہوں میں سے اجود و اجلی ہیں کہ بوقت اختلاف بیٹھ کے اس مذہب کو قبول کرتے ہیں جو بہتر و برتر ہو۔ ماسوا اللہ سے توجہ ہٹا کر صرف اللہ تعالیٰ سے لو لگانے والے صُوفیاء کرام "فقہا و محدثین کے آپس کے اختلاف میں" کسی ایک کا مذہب معین قبول نہیں کرتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخفی رموز و حقائق اس گروہ پر منکشف کر دیئے ہیں لہٰذا سب سے بہتر و برتر مذہب خُود چن لیتے ہیں اَلصُّوفِی لَا مَذْهَبَ لَهٗ، اَیِ الْمَذْهَبُ الْمُعَیَّنُ صُوفی معین مذہب کا پابند نہیں ہوا کرتا اور صُوفیاء کرام اپنے اس دعوےٰ پر دلیل پکڑتے ہیں۔ باین حدیث مبارکہ "اِخْتِلَافُ اُمَّتِیْ سِعَتُہٗ فِی الدِّیْنِ" میری اُمت کا باہمی اختلاف، دین میں وسعت کا باعث ہے۔ مذہب معین کا اختیار کرنا صُوفیاء کے نزدیک تنگ نظری ہے اور وسیع امر میں تنگی کرنا اور اسے کسی ایک شی میں مقید کر دینا، دین میں منع ہے۔ عاقل بالغ کو کسی ایک مذہب کا پابند کر دینا، حرج میں ڈالنے کے مترادف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اعرابی کو محدود دُعا کرنے سے روک دیا گیا۔ اس نے کہا تھا اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَ مُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ بِغَیْرِنَا اَحَدًا اَوْ کَمَا قَالَ: اے اللہ! صرف مجھ پر اور حضرت محمد پر رحم فرما اور ہمارے بغیر اور کسی پر رحم نہ فرما۔ تو رحمت العالمین نے تنبیہ فرمائی: لَقَدْ تَحَجَّرْتَ وَاسِعًا اَیْ

تَفیقت" بیشک تُو نے (اے اعرابی) ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔

احادیثِ مقدسہ کی روشنی میں ثابت ہُوا کہ ایک مخصوص مذہب کو اپنا لینا سراسر تکلف اور حرج ہے جو کہ عوام کا مخصوص طریق ہے۔ مگر صُوفیائے کرام قدس اللہ اسرارہم ایسی بندش کے قطعاً روادار نہیں۔

فائدہ:۔ صُوفیاء کرام کے لئے ایک معین مذہب نہ ہونے کی تائید میں کتاب و سُنت اور اجماعِ اُمت ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (پارہ ۱۴ رکوع) اے لوگو! اللہ والوں سے پُوچھ لو اگر تمہیں علم نہیں۔ آیت میں سوال میں تعین نہ کرنا اس امر کی دلالت ہے کہ مذہب میں تعین نہیں ہے۔

ارشادِ رسُول ہے۔ اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ (رواہ البیہقی) میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی ہو ہدایت مل جاتی ہے۔ اس حدیث میں غیر معین صحابی کی اقتداء کا حکم، اس امر کی نشاندہی ہے کہ مذہب معین کا اختیار ضروری نہیں ہے۔

اجماعِ اُمت تو ظاہر ہے کیونکہ عُلمائے مجتہدین کے اقوال پر غور و فکر کرنا واجب ہے تاکہ راجح و مرجوح اور قوی و ضعیف میں فرق کیا جا سکے جس کا نتیجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ رشد و ہدایت میں زیادتی حاصل ہو جیسا کہ ارشاد ہے طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ طلب کردن علم شد بر تو فرض، مذہب معین اختیار کرنے میں درجِ بالا مسدود ہو جاتا ہے۔

قیاس بھی علیٰ ہذا القیاس اسی چیز کا تقاضا کرتا ہے کہ جب مذہب معین اختیار کر لیا جائے تو اس کا مقصد و معنی یہی ہے کہ مذہب معین کو بلا مرجح ترجیح دی گئی ہے جو کہ عاقل بالغ کے حق میں حرج ہے۔ پس اے بھائیو جان لو کہ ان دونو گروہ فقہاء اسلام اور محدثین عظام میں جب کسی ایک امر میں اختلاف پیدا ہو جائے تو صُوفیاء کرام رضوان اللہ علیہم ان دونوں سے ہٹ کر وُہی فیصلہ کر لیتے ہیں جو سب سے زیادہ بہتر و برتر ہو۔

راجح ہو، مرجوح نہ ہو۔ قوی ہو ضعیف نہ ہو۔

اندریں حالت ان پر فقہا کرام کی روایات حجت نہیں بن سکتیں۔ محقق فخرالدین زراوی نے اس باب میں اسیطرح تحقیق فرمائی ہے یاد رہے کہ علامہ زراوی دہلی کے بہت بڑے عالم اور سلطان المشائخ شاہ نظام الدین محبوب الٰہی کے سب سے بڑے خلیفہ اور جید عالم ہیں۔

فائدہ۔ جاننا چاہیئے کہ "سماع" کا لفظ مشترک ہے بعض کے نزدیک یہ اسم جامد ہے اسی طرح تاج الاسامی میں ہے اور اس کا معنی ہے سُرور و خوشی، اور جمہور علماء کے نزدیک مصدر ہے، مادہ 'س م ع' ہے جس کے معنی ہیں سُننا اور اس لفظ کا استعمال مسموع کے معنی میں ہوا ہے جیساکہ کہا جاتا ہے۔ ھٰذا الکتاب سماعٌ ای مسموعٌ یہ سُنی ہوئی کتاب ہے۔ اور اصطلاحاً وہ آواز مُراد ہے جس کا سُننا بھلا معلوم ہو اور کسی روحانی ترکیب کے لئے مقرر کیا گیا ہو۔ جس میں اچھی آواز، مناسب لحن اور شوق انگیز شعر ہوں بشرطیکہ یہ اشعار خلافِ شرع نہ ہوں۔ صاف ظاہر ہے کہ اصطلاحی معنی میں لغوی معنی کی رعایت بھی موجود ہے۔

لغوی اور اصطلاحی معنی کے بعد یہ فیصلہ ہے کہ سماع فی حد ذاتہ قطعاً حرام نہیں ہے۔ محدثین، فقہا اور صوفیاء کرام کے نزدیک سماع مباح ہے۔ ہاں جو موزون کلام لایعنی ہو، لہو ولعب اور خلافِ شرع امور پر مشتمل ہو۔ جاہل اور فاسق اکٹھے ہوں۔ شرابی اور شہوت آمیز مل کر محفل جمائیں، تو ایسی قوالی کو سماع نہیں کہا جاتا بلکہ اس کا نام ہے "غنا"۔ سماع اور چیز ہے اور غنا دوسری چیز ہے۔ غنا حرام ہے اور سماع مستحب و مستحسن ہے جو کہ رقت قلبی اور گدازی دل کا موجب ہے وشتان بینھما

چنانچہ اسی رمز کو سمجھانے کی کوشش میں مثال دی جارہی ہے مثلاً کسی شخص نے قسم اٹھائی کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا لیکن امام اعظم رحمتہ اللہ کے نزدیک شخص مذکور مچھلی کھانے سے حانث نہیں ہوگا۔ دلیل یُوں دی گئی کہ لحم، اِلتحامٌ سے اخذ کیا گیا ہے جس میں شدت کے معنی پائے جاتے ہیں چونکہ مچھلی کے گوشت میں شدت نہیں ہے لہٰذا مچھلی پر لحم کا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔

علیٰ ہٰذا القیاس سماع پر بھی غنا کا حکم نہیں لگ سکتا کیونکہ سماع مطلق اور غنا اس کی مقید صورت ہے۔ مطلق اور مقید دونوں دو علیحدہ علیحدہ حکم رکھتے ہیں اسی طرح سماع اور غنا بھی دو علیحدہ علیحدہ حکم رکھتے ہیں وہ یہ کہ غنا حرام ہے اور سماع مستحب مستحسن اور مباح ہے۔ کیونکہ وہ ایک روحانی ترکیب پر مشتمل ہے جس میں اچھی آواز، مناسب لحن ہو اور شوق انگیز کلام ہو جس کا سننا شرع شریف میں جائز ہے ممنوع نہیں۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ اس فن کا نام "موسیقی" ہے لفظ موٗ سریانی لغت میں ہوا کو کہتے ہیں اور سیقی گرہ کے معنی دیتا ہے اس فن کے لوگ ہوا کو گرہ لگاتے ہیں اسی مناسبت سے اس فن کا نام "موسیقی" ہے۔

مناقب فخریہ میں آیا ہے نواب غازی الدین مرحوم، مورخین سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک شاگرد فیثاغورث فیلسوف تھا اس نے ایک رات خواب دیکھا کہ کوئی آدمی اسے آواز دے کر کہہ رہا ہے کہ کل صبح دریا کے کنارے چلے جانا وہاں تمہیں ایک علم کا انکشاف ہوگا۔ حسب القا والہام، فیثاغورث فیلسوف صبح ہوتے ہی دریا کے کنارے چل پڑے وہاں ایک منظر دیکھا لوہار پہاڑ سے لوہا نکال لائے ہیں اور اسے مطرقہ (سندان) سے کوٹ رہے ہیں اور ضرب پڑنے سے جو آواز نکل رہی تھی اسے موسیقی سمجھ کر وعظ و نصیحت کے طور پر فیلسوف فیثاغورث نے ایک قصیدہ ترتیب دیا موسیقی کی طرز کے موافق ساز بھی بنا کر گانا شروع کر دیا۔ قصیدہ سن کر بنو اسرائیل کے دلوں میں ایک بے چینی اور بے قراری سی پیدا ہوگئی اور ان کے معمول کے خلاف ان سے حرکات ظاہر ہونے لگیں اور بنو اسرائیل ان نغمات کی تاثیر سے از خود رفتہ ہو جانے لگے تھے۔ واللہ اعلم بالصواب

گروہ صوفیا کا اس پر اتفاق ہے کہ اہل سماع کیلئے بالذات اور اہل سماع جیسی صورت بنا کر سننے والوں کے لئے ان کے طفیل میں، سماع مباح ہے۔ کیونکہ سماع روح کے لئے تازیانہ ہے۔ حقائق و معارف تک رسائی کیلئے، سماع دراصل بہترین تصرف اور تسلط رکھتا ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اَلسَّمَاعُ مِعْرَاجُ الْاَوْلِیَاءِ مَخْصُوْصًا عَلٰی نَفْسِہٖ۔ اس سلسلہ میں کسی خوش بخت نے کیا ہی اچھا فرمایا ہے۔

دِل وقتِ سماع بوئے دِلدار بُرد | جانبر السرا پردۂ اسرار بُرد
این نغمہ چوں مرکب است مرروح ترا | بردار و خوش بمحفل یار بُرد

سماع و قوالی میں، محبوب کی خوشبو دِل میں بس جاتی ہے اور جان و رُوح کو اسرار و رموز کے خیمہ میں پہنچا دیتی ہے۔ نغمہ ایک سواری ہے جو رُوح کو سوار کرکے خوشی خوشی یار کی محفل میں پہنچاتی ہے۔

اور بعض محققین فرماتے ہیں فیلسوف فیثاغورث نے ریاضت و مجاہدہ کرکے دِل وجان کو صاف کرلیا اور آسمانوں تک عروج کر گئے آسمان اور بروج کی حرکت کے موافق و مطابق علم موسیقی کا استخراج کیا جن کے لئے مقامات کا تعین اور ساعات کی مطابقت اور موافقت لازم قرار پائی۔

اور تیسرے قول میں بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ پہلے زمانہ میں ایک پرندہ قُقنُس نامی تھا حکماء اور فلاسفروں نے اس کی آواز سے موسیقی کا استخراج فرمایا ہے۔ بات کچھ یوں ہے کہ قُقنُس کی چونچ میں تین سو ساٹھ سُوراخ ہوتے ہیں جب پرندہ مذکور بُوڑھا ہوجاتا ہے تو خُود لکڑیاں جمع کرکے ان پر بیٹھ کر سوراخ دار چونچ سے آوازیں نکالتا ہے۔ آواز کی حدت و گرمی سے لکڑیوں میں آگ جل اُٹھتی ہے۔ چنانچہ وُہ پرندہ اپنی ہی آگ میں جل کر راکھ ہوجاتا ہے۔ جب کبھی بارش برستی ہے تو وُہی راکھ، انڈہ کی شکل اختیار کرلیتی ہے اور اسی انڈہ سے مدتوں بعد ایک دوسرا پرندہ قُقنُس پیدا ہوجاتا ہے۔ فارسی والے اسی پرندہ کا نام بتلاتے ہیں "آتش زن" خلاصہ اینکہ یہی وُہ پرندہ ہے جس کی چونچ سوراخ دار ہے اور تین سو ساٹھ سوراخ ہونے کے ناطے ہر سوراخ سے ایک ذوق دار علیحدہ علیحدہ "سُر" نکلتا ہے جس سے حکماء نے "موسیقی" کا فن تخلیق فرمایا ہے۔ (فتبارکَ اللہ احسن الخالقین (از کشف برہان موید ملہ اور لطائف) واللہ اعلم بالصواب۔

چوتھے قول میں کہتے ہیں کہ ہندوستان کی سرزمین کچھ زیادہ عشق خیز واقع ہُوئی ہے اور قائم اللیل صائم النہار درویشوں کا اکثر قیام گاہ رہی ہے اور ان کا وہاں قیام، صرف لِلّٰہ تھا صرف اللہ کی رضا کے لئے اللہ کا نام بلند کرنے کے لئے تھا۔ البتہ پُرانے دور میں درویشوں کے طفیل اوقات کی تاثیر بھی بہت تیز تھی۔ چنانچہ "بیجو نامی" ایک عابد و صالح شخص نے پہاڑ پر بیٹھ کر گانا شروع کیا تو پہاڑ ریزہ ریزہ ہوگیا۔ گھنگھرو جو کہ اس عابد و زاہد

کے ہاتھوں میں تھے اسے اس پگھلے ہوئے پہاڑوں میں ڈال دیا۔ جب گانا ختم ہوا تو پہاڑ
آہستہ آہستہ اصلی حالت میں عود کر آیا۔ مگر وہ گھنگھرالی آواز پہاڑ میں اب تک گونج رہی ہے
دیکھنے والے اور سننے والے سبھی لوگ حیران رہ جاتے ہیں۔ پھر جب کبھی دوسرے دن عا
یہ کسی صحرا میں نغمہ سرا ہوا تو ہرن اور سب وحشی جانوروں نے اس کے آگے ماتھا ٹیک د
ایک تسبیح جو اس کے ہاتھ میں تھی ہرن کی گردن میں ڈال دی نغمہ ختم ہوتے ہی وہ مست و بیخود
جانور تسبیح گردن میں ڈالے، دور بھاگ جاتے تھے۔ تماشہ بین حیرت میں رہ جاتے خوش الحانی
ایک غیر مترقبہ نعمت ہے۔

چونکہ اس زمانے میں یہ علم موسیقی نہایت کم ہمت اور کمینہ صفت لوگوں نے سیکھ لیا ہے
اور اسے ذریعہ معاش بھی بنا لیا اس لئے اس فن کی تاثیر اور اس کی روح اٹھ گئی ہے جب بھی
کبھی موسیقی سے کوئی متاثر ہوتا ہے تو اسی اصلی اثر کا ثمر اور نتیجہ ہوتا ہے۔

منقول ہے کہ کسی ایک ملک میں یہ رواج پایا جاتا ہے جب بادشاہ وقت فوت ہو
جائے اور اس کی اولاد صغیر سن ہو تو سماع کی محفل اس کے پنگھوڑے کے قریب سجائی جاتی
ہے۔ اگر وہ بچہ پنگھوڑے میں لیٹے لیٹے سماع کی طرف رغبت کر لیتا ہے تو تخت و تاج
اس کے سپرد کر دیا جاتا ہے ورنہ اس کے رشتہ داروں میں جس کو راغب پاتے ہیں وہی تاج و
تخت اسے دے دیتے ہیں۔

اوصاف سماع را حدے پیدا نیست — ایں بادہ تند درخور مینا نیست
بس کن نظام بس کہ ایں نغمہ مست — ہر چند جزیں کار دل شیدا نیست

سماع کے اوصاف حد و شمار سے باہر ہیں اور یہ ایسی سخت قسم کی شراب ہے جو
صراحی میں رکھنے کے لائق نہیں۔ نظام خاموش رہ کیونکہ یہ مست کر دینے والا نغمہ ہے جس کو
سن کر شیدا دل باقی کاموں سے باز آیا۔ اَلسَّمَاعُ شَیْئٌ عَظِیْمٌ۔ سماع عظیم شئے ہے۔
منقول ہے تذکرۃ الاتقیاء چشتیہ کے حوالے سے کہ سلطان المشائخ محبوب الٰہی
قدس سرہٗ پوربی راگ بہت پسند فرماتے تھے جب پسندیدگی کی وجہ پوچھی گئی کہ کیا سبب ہے
ایسا کہ پوربی راگ سن کر دل میں بے چینی اور بے قراری سی ہونے لگتی ہے اور آپ کے

معمول کے خلاف آپ سے حرکات و سکنات ظاہر ہونے لگتے ہیں تو فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں آدم علیہ السلام کی ذریت سے اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ فرمایا تو اس کا خطاب اور اس کی حلاوت میرے روحانی کانوں میں اب تک باقی رہ گیا ہے جو کہ پوربی راگ میں تھا لامحالہ پوربی راگ سنتا ہوں تو مجھے اس خطاب کی پوربی آواز کی لذت یاد آجاتی ہے۔ اور اسی ذوق میں ایسی حرکت کرنے لگتا ہوں۔ اکثر و بیشتر سلطان المشائخ کی زبان پر یہ جملہ جاری ساری رہتا۔ "من پیر شدم پوربی پیر نہ شد" مجھے بڑھاپا آگیا مگر پوربی یونہی جوان ہے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ سماع (جب خلاف شریعت کی تمام باتوں سے خالی ہو) تو عرس ولیمہ مسافر کی وطن واپسی، عقیقہ، پیدائش، ختنہ، صالحین کی رقت قلبی، حفظ قرآن اور خصوصاً شادی کے وقت ایسی متشرعہ قوالی مباح ہے۔ بلکہ سنت ہے چنانچہ قرآن مجید احادیث نبویہ اقوال مشائخ اور روایات مجتہدین واضح دلائل موجود ہیں۔

آیاتِ قرآنیہ:۔

(۱) فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَهٗ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ هَدٰىهُمُ اللّٰهُ وَ اُولٰٓئِكَ هُمْ اُولُوا الْاَلْبَابِ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۶)

خوشی مناؤ ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں یہی ہیں جن کو اللہ نے ہدایت فرمائی اور یہی ہیں جن کو عقل ہے۔

اس آیت کریمہ میں لفظ القول تعمیم و استغراق کا مقتضی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی صوت جس کے سننے پر مدح فرمائی اور یہ صوت حسن عام ہے کیونکہ شے کی اپنی ذات پر فضیلت نہیں ہوا کرتی۔ لہٰذا اس سے مراد جنس قول ہے جو قول الٰہی اور کلام مخلوق دونوں کو مشتمل ہے۔ اور اگر القول میں الف لام مضاف الیہ سے بدل ہو جیسا کہ امام زاہدی نے مراد لی ہے اور معنی کیا یَسْتَمِعُوْنَ قَوْلِیْ تو اس صورت میں مخلوق کی شعر و شاعری جس وقت کلام الٰہی کے موافق ہوگی تو کلام الٰہی کے حکم میں داخل ہوگی۔

(۲) وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ (پارہ ۲۹ رکوع ۲)

اور تمہارے لئے کان اور آنکھ اور دل بنائے تم بہت تھوڑی شکرگزاری کرتے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے بندوں پر اپنا احسان جتلایا کہ تمہیں "سمع" دی گئی ہے سمع یعنی سم
ہے جو تمام سُنی جانے والی باتوں کو شامل ہے بشرطیکہ وُہ فسق و فجور کی طرف نہ بلائیں۔ ایسی حال
میں وُہ سماع اور قوالی جو کہ شرعی ممنوعات سے خالی ہو سمع میں شامل ہے اور اس کے حکم میں بھ
داخل ہے۔ یعنی احسانِ خداوندی ہے۔

(۳) وَاُحِلَّ لَکُمُ الطَّیِّبَاتُ (پارہ ۶ رکوع ۵) اور تمہارے لئے پاک چیزیں حلال ہوئیں طیبا
سے مُراد ہر وُہ پاک چیز ہے جس سے رُوح اور دِل کو خُوشی اور راحت ملتی ہو بشرطیکہ اس
حُرمت پر نص نہ آئی ہو چونکہ اَصْلُ الْاَشْیَاءِ الْاِبَاحَۃُ۔ یعنی ہر چیز کی اصل، پاکیزگی ہے لہٰ
سماع اور قوالی نہ صرف طاہر ہے بلکہ طیب اور مباح ہے اس سے دل کو خوشی اور رُوح کو
راحت ملتی ہے اسی طرح دَلَالَۃُ النَّصِّ کے تحت سماع اور قوالی حلال ہے۔

سوال۔ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّشْتَرِیْ لَھْوَ الْحَدِیْثِ لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِغَیْ
عِلْمٍ وَّیَتَّخِذَھَا ھُزُوًا اُولٰٓئِکَ لَھُمْ عَذَابٌ مُّھِیْنٌ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۰)

• اور کچھ لوگ کھیل کی باتیں خریدتے ہیں کہ اللہ کی راہ سے بہکا دیں بے سمجھے اور اسے ہنسی
اُن کے لئے ذِلّت کا عذاب ہے۔

وَقَوْلُہٗ وَاَنْتُمْ سَامِدُوْنَ، اور تم کھیل میں پڑے ہو (پارہ ۲۷ رکوع ۷)

وَقَوْلُہٗ تَعَالٰی وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْھُمْ بِصَوْتِکَ (پارہ ۱۵ رکوع ۷)

اور ڈگمگا دے ان میں سے جس پر قُدرت پائے اپنی آواز سے۔

یہ سب آیات صراحۃً دلالت کرتی ہیں کہ غنا حرام ہے کیونکہ غنا لَھْوُ الْحَدِیْث ہے

جواب۔ نصوص مذکورہ بالا قابلِ تاویل ہیں اور ان کا مطلب و مُراد معین کرنے میں مفسرین
سے بہت سے اقوال مروی ہیں۔ مثلاً

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ لھو الحدیث سے مُراد ہے سحر و کہانت اور اَنْتُمْ سَامِدُوْن
میں مسمود سے مُراد ہے لھو و لعب اور استہزا ہے اور تیسری آیت میں "بِصَوْتِکَ" سے مُراد
ایسی آواز ہے جو فسق و فجور کی طرف بُلائے۔

کچھ مفسرین کا خیال ہے کہ ان سبھی آیات میں غنا (گانا بجانا) مراد ہے۔ بعض مفسرین

کا معنی متعین کر کے اس پر عمل کرنا اور بعض دوسرے مفسرین کی تفسیر یکسر چھوڑ دینا قرین انصاف اور ضروری نہیں ہے۔ اور اگر مخالفین اور منکرین سماع کی تفسیر و تاویل تسلیم کر لی جائے تب بھی اختلاف میں موافقت پیدا کرنا ممکن ہے۔ "جب کلمہ لَھْوَ الْحَدِیْثِ" میں اتنے احتمالات پائے جاتے ہیں تو وہ اپنے مفہوم پر قطعی الدلالت نہ رہا اور حرمت غنا کے لئے قطعی الدلالت والثبوت کی ضرورت ہے۔ لہٰذا آیتِ کریمہ سے غنا کی حرمت ثابت نہیں ہوئی۔

اختلاف ختم کرانے کی صورت یوں ممکن ہے کہ یہاں جاہلیت والا غنا (گانا بجانا) مراد لیا جائے ۔۔۔ یعنی ایسا کلام جس میں کفار کی جنگوں کے حالات ہوں آپس میں عشق و حسن و حسن کا تذکرہ ہو اور بتوں کی تعریفوں پر کلام مشتمل ہو اور یہ سب چیزیں لھو و لہب میں داخل ہیں جن کا دیکھنا سننا ممنوع ہے کہ فساد کی طرف بلاتا ہے۔ ہمارے اس بیان کے تحت پہلی آیت کا آخری جملہ "لِیُضِلَّ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" واضح دلیل ہے جس کا مطلب یہ ہوگا کہ وہ جاہل اور ناداں آدمی اس دلفریب چیز (لھو الحدیث) کو خریدتا ہے تاکہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے بھٹکا دے۔ یعنی لھو الحدیث سے مراد ہے بری اور فضول و بیہودہ باتیں مثلاً گپ شپ خرافات ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے، ناول، گانا بجانا اور اس طرح کی دوسری چیزیں مراد ہیں۔

پس ایسا سماع جو عبرت کے کان کھول دے اور ماسوائے اللہ سے توجہ ہٹا کر اللہ کی طرف بلائے وہ سماع درجِ بالا "لھو الحدیث" کے حکم سے خارج ہے چنانچہ منقول ہے جب عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا اس آیتِ مقدسہ میں لھو الحدیث سے کیا مراد ہے؟ تو انہوں نے تین مرتبہ زور دے کر فرمایا: ھُوَ وَاللّٰہِ الْغِنَاءُ خدا کی قسم اس سے مراد گانا بجانا ہے۔

فَائدہ:۔ خالص کلام منظوم سننا حرام نہیں ہے کیونکہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شعر سنے ہیں اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم بھی شاعری کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے سے شعر سنتے تھے۔ پس وہ حرام نہیں۔

(مترجم) حضرت عمر بن ثرید سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سوار تھا۔ سرکارِ دو عالمؐ نے مجھ سے فرمایا کہ کیا تجھے امیہ بن ابی الصلت کے کچھ اشعار یاد ہیں۔ میں نے عرض کی ہاں حضور! یاد ہیں فرمایا کہ پڑھو میں نے ایک شعر پڑھا۔

حضور نے فرمایا اور پڑھو اور پڑھو یہاں تک کہ میں نے سو شعر پڑھے۔ (مشکوٰۃ شریف)

ایسا غنا جو لہو ولعب کیلئے ہو وہ ناجائز ہے جیسے کسی نازک اندام اور خوش گلو کا مجرا ہو اور کوئی چرب لسان قصہ گو ایران و توران کے کفار کی کہانیاں سنا رہا ہو اور لوگ ان ثقافتی سرگرمیوں میں غرق ہو کر اس موڈ میں نہ رہیں کہ خدا اور رسول اور اخلاق وآخرت غرضیکہ دین اسلام کیلئے استہزا ہے اور مسلمین کے دلوں میں بے فکر و اخلاق کو غارت کر دینے والی باتیں جو کہ غنا کے حکم میں ہیں حرام ہیں۔ اور جب سماع ضروریات شرعیہ کیلئے ہو جس میں رقت قلب عشق الٰہی اور معرفت باری کی صفات حسنہ پائی جاتی ہوں تو وہ سماع تمام ممنوعہ عوارض سے پاک وصاف ہونے کے سبب مباح اور حلال ہے اور اسی پر تمام علماء کا اتفاق ہے جناب مولانا فخر الدین الزرادی رحمۃ اللہ علیہ سے اسی طرح منقول ہے۔

دوسری بحث سنت رسول اللہ وآثار صحابہ میں۔

سماع کے جائز و مسنون ہونے پر چند روایات صحیحہ پیش کرتا ہوں۔

(۱) عن الربیع بنت المعوذ بن عفراء (یہ انصاری صحابیات میں سے ہیں بلند پایہ اور عظیم المرتبت تھیں عمر دراز ملی تھی) قالت جاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم فدخل حین بنی علی فجلس علی فراشی کمجلسک منی فجعلت جویریات لنا یضربن بالدف ویندبن من قتل من آبائی یوم بدر اذ قالت احداھن وفینا نبی یعلم ما فی غد فقال دعی ھذہ وقولی بالذی کنت تقولین (بخاری مشکوٰۃ ص۲۷۱) ورواہ ابن ماجہ اور ترمذی نے اس حدیث کو روایت کر کے فرمایا ہذا حدیث حسن صحیح۔

معوذ بن عفرا کی بیٹی ربیع کی شادی ہو گئی اور وہ کہتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر تشریف لائے اور میرے بستر پر بیٹھ گئے جس طرح اے میرے مخاطب تم مجھ سے کچھ فاصلے پر تشریف فرما ہو۔ ہماری عورتیں اندریں اثنا دف بجانے لگیں اور ہمارے آباؤ اجداد جو کہ جنگ بدر میں شہید کر دیئے گئے تھے۔ ان کا مرثیہ پڑھنے لگیں (ندبہ کے معنی ہیں میت کے اوصاف حمیدہ اور برگزیدہ عادات کو بیان کرنا یعنی لڑکیاں اس لڑکی کے والد کا مرثیہ پڑھنے لگیں جو جنگ بدر میں ابو جہل کے ہاتھوں شربت شہادت نوش کر چکے تھے) اچانک دوران

مرثیہ خوانی ایک لڑکی نے کہا "وَفِینَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِی غَدٍ" ہمارے درمیان نبی کریم تشریف فرما ہیں جو کل آئندہ کی بات کو جانتے ہیں۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا یہ چھوڑ دو اور وہی گائے جاؤ جو پہلے کہہ اور گا رہی تھیں۔ بخاری نے روایت کیا۔

شیخ عبدالحق المحدث الدہلوی اس حدیث کے تحت اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں۔ ایں حدیث دلالت وارد براں کہ ضرب دف والنشاء اشعار جائز است وظاہر آنست کہ بغناء بود ودر امثال این مقام مباح است زیرا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آن زنان رامنع نہ کرد بلکہ فرمود بگوئید آن راکہ میگفتید۔

[اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ دف بجانا اور اشعار گانا اور سننا جائز ہے اور صاف ظاہر ہے کہ اشعار گائے جا رہے تھے اور ایسے موقع ومحل (عرس، ولیمہ، عید، ولادت، حفظ القرآن، مسافر کی وطن واپسی پر عقیقہ وغیرہ تسکین طفل، گھڑ دوڑ۔ قطع فصل، اعلان صوم وغیرہا من ضروریات شرعیہ) میں گانا بجانا اور دف بجانا وسننا جائز ہیں کیونکہ نبی پاک نے ان لڑکیوں کو منع نہیں فرمایا بلکہ حکم دیا کہ وہ ہی گایا جائے جو پہلے تم گا رہی تھیں۔ (مترجم)]

(۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنْکَحَتْ عَائِشَۃُ ذَاتَ قَرَابَۃٍ لَھَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَھْدَیْتُمُ الْفَتَاۃَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَھَا مَنْ تُغَنِّیْ قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِیْھِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَھَا مَنْ یَقُوْلُ اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّاکُمْ رواہ ابن ماجہ، مشکوٰۃ شریف کتاب النکاح ص۲۷۲

حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت میں ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ نے اپنی کسی رشتہ دار لڑکی کا نکاح انصار میں کر دیا۔ رسول پاک تشریف لائے فرمایا کیا تم نے دلہن کو کوئی تحفہ بھی دیا تو تمام گھر والوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا کیا تم نے اس لڑکی کے ساتھ گانے بجانے والی عورتیں بھیجی ہیں تو سیدہ عائشہ نے عرض کیا جی نہیں فرمایا انصار ایسی قوم ہے جن میں غزلیت پائی جاتی ہے۔ کاش اس لڑکی کے ساتھ کچھ عورتیں بھیجی ہوتیں جو سمدھیانے جا کر شعر پڑھتی ہوتیں۔ "اَتَیْنَاکُمْ اَتَیْنَاکُمْ فَحَیَّانَا وَحَیَّاکُمْ" ہم تمہارے پاس آئے ہم تمہارے پاس آ گئے اللہ ہمیں زندہ رکھے اور تمہیں بھی جلائے رکھے یعنی عمر دراز دے۔ آمین۔

شیخ الدہلوی فرماتے ہیں کہ درج بالا اشعار اس غزل کا ہے جو انصار لوگ اپنی شادیوں کے موقع پر پڑھا کرتے تھے اور حاشیہ پر درج کیا کہ اس غزل کا آخری شعر یوں ہے۔

وَلَوْلَا الْحِنْطَةُ الْحَمْرَاءُ لَمْ تَسْمَنْ عَذَارَاكُمْ!

اگر سُرخ رنگ گندم نہ ہو تو تمہاری جوانیاں مستی میں نہ آسکیں۔

(۳) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ زُفَّتْ إِمْرَأَةٌ إِلَىٰ رَجُلٍ مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَإِنَّ الْأَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ

(رواہ البخاری مشکوٰۃ ۲۷۱)

سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کسی عورت کی انصار کے جوان سے شادی ہو گئی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے پاس سرود نہ تھے کیونکہ انصار کو سرود بہت پسند ہیں اس کو بخاری نے روایت کیا۔

لھو کھیل کو کہتے ہیں مگر درج حدیث میں اس سے مراد سرود ہے۔ اندریں معنی معلوم ہوتا ہے کہ شادی بیاہ اور ولیمہ میں سرود سُننا مباح ہے مزید برآں نبی پاک نے یہ بات قائم رکھی کہ انصار کو سرود اچھے لگتے ہیں اور ظاہر عبارت سے مفہوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں دف وغیرہ ہر وقت موجود رہا کرتے تھے کہ جو چیز اچھی لگتی ہو وہ دائماً رہا کرتی ہے۔

[ حاصل کلام یہ ہے کہ دف بجانا اور غنا کرنا مخصوص اوقات میں لھو ولعب کرنا جائز ہے۔ اور کتب لغت سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دف آلہ لھو ہونے کے سبب معازف میں داخل ہے پس مطلق کی حرمت مستلزم ہے حرف دف کو وَاللَّازِمُ بَاطِلٌ فَالْمَلْزُومُ بَاطِلٌ یعنی دف کی حرمت باطل ہے۔ لہٰذا حرمت معازف بھی اسی کے مثل ہے۔ (مترجم) ]

(۴) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِي جَارِيَةٌ مِنَ الْأَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَائِشَةُ أَلَا تُغَنِّينَ فَإِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْأَنْصَارِ يُحِبُّونَ الْغِنَاءَ رَوَاهُ ابْنُ حِبَّانَ فِي صَحِيحِهِ۔ مشکوٰۃ شریف ۲۷۲۔

حضرت عائشہ صدیقہ فرماتی ہیں میری ایک انصاریہ لونڈی تھی جس کی میں نے شادی کر

دی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہ تم نے گانے بجانے اور دف ڈھول کا کیوں انتظام نہیں کیا ہے بے شک یہ انصار کا قبیلہ گانا بجانا پسند کرتا ہے۔

[ اس حدیث سے ثابت ہے کہ غنا سننا اور خود غنا کرنا انصار کا پسندیدہ کام تھا۔ اگر یہ مراد ہوتی کہ انصار سننے کو بہت دوست رکھتے تھے تو یُحِبُّوْنَ الْغِنَاء نہ فرماتے اس کے بجائے یُحِبُّوْنَ سَمَاعَ الْغِنَاءِ فرماتے مگر آپ نے یُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ فرمایا جس سے ثابت ہوا کہ انصار غنا کرنے کو اور سننے کو دونوں باتوں کو دوست رکھتے تھے اور یحبّون صیغہ جمع مذکر غائب کا ہے جو مردوں کی غنا پر ہے۔

پس اگر مردوں کیلئے غنا حرام ہوتا تو حضور انصار کو منع فرماتے کہ غنا مردوں کے واسطے حرام ہے۔ تم اس کو کیوں دوست رکھتے ہو حضور کا منع نہ فرمانا صحیح دلیل ہے اس امر کی کہ جس طرح عورتوں کے لئے غنا جائز ہے۔ مردوں کے لئے بھی جائز ہے۔ (مترجم) ]

(۵) عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا اَنَّ اَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا جَارِيَتَانِ فِيْ اَيَّامِ مِنٰى تُدَفِّفَانِ وَتَضْرِبَانِ وَفِيْ رِوَايَةٍ تُغَنِّيَانِ بِمَا تَقَاوَلَتِ الْاَنْصَارُ يَوْمَ بُعَاثٍ وَالنَّبِيُّ مُتَغَشٍّ بِثَوْبِهٖ فَانْتَهَرَهُمَا اَبُوْ بَكْرٍ فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ وَجْهِهٖ فَقَالَ دَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ فَاِنَّهَا اَيَّامُ عِيْدٍ (تِلْكَ اَيَّامُ مِنٰى) رواہ البخاری و عن ابن ماجہ اِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ (مشکوۃ شریف صـ ۱۲۶ باب العیدین)

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ابوبکرؓ تشریف لائے تو میرے پاس دو لونڈیاں منیٰ کے دنوں میں دف بجا رہی تھیں اور پاؤں زمین پر مار رہی تھیں اور ایک روایت میں ہے کہ وہ رجزیں گا رہی تھیں جو کہ جنگ بعاث کے دن انصار نے مشاعرہ کیا تھا اور تفاخر کیا تھا نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم چادر اوڑھے ہوئے آرام فرما رہے تھے پس ابوبکر الصدیقؓ نے ان دونوں لڑکیوں کو دھمکا کر گانے بجانے سے روک دیا۔ پس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رخِ انور سے پردہ کھول کر فرمایا اے ابوبکر ان کو گانے دو یہ عید کے دن ہیں۔ ابن ماجہ کی روایت میں ہے بیشک ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

پس اگر دف بجانا اور گانا مطلقاً حرام ہوتا تو نبی پاک مسلمان لڑکیوں کو حرام کام کرتے دیکھ کر کبھی خاموش نہ رہتے لیکن حضور ان کے اس فعل پر راضی رہے بلکہ ابوبکر الصدیق کو جو گانے بجانے سے منع کر رہے تھے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ اے ابوبکر انہیں کچھ نہ کہو سبحان اللہ سرکار نے تو منع کرنے والے کو منع فرمایا اب اس کو حرام کہنا کس قدر ظلم صریح ہے۔

درج بالا احادیث میں ابوبکر الصدیق کا لڑکیوں کو دھمکا کر گانے بجانے سے روکنا، گویا کہ ابوبکر الصدیق کی طرف سے کراہت کا اظہار ہے۔ اس لئے کہ بچیوں کا گانا بجانا جاہلیت والے دور کا تھا۔ اس گانے بجانے میں جنگ کفار کے واقعات تھے جس پر فاسق و فاجر لوگوں کا جمع ہو کر اسے سننے کا امکان تھا۔ یعنی اجتماع و استماع وہ چیز ہے جس سے انسان لھو ولعب میں مشغول ہو جاتا ہے۔ اور فسق و فجور کی طرف بلایا جاتا ہے۔ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسے تسلیم کرنا بنا بر اصل کے تھا وھو الصوت الحسن والکلام الموزون المشحون من الحکمۃ والموعظۃ وحب اللہ ورسولہ،

[ حضرات صوفیاء کرام کا کہنا ہے کہ صدیق اکبر کا منع فرمانا اس وجہ سے نہ تھا کہ گانا بجانا حرام ہے بلکہ اس وجہ سے تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے" لاترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی" اپنی آوازیں نبی پاک کی آواز سے اونچی نہ کرو ورنہ اعمال رائیگاں جائیں گے چونکہ وہ دونوں لڑکیاں، نبی پاک کے حضور گانا گانے میں آواز اونچی کر رہی تھیں۔ صدیق اکبر نے ادب ملحوظ کئے انہیں روک دیا اور یہ سوچا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حضور شاغل ہیں اس واسطے نہیں روکا ہوگا۔ اب مجھے حق ہے کہ انہیں روک کر یہ مسئلہ سمجھا دوں تو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سمجھایا کہ میرے ساتھ آواز پست رکھنی یہ میرا حق ہے جسے میں اپنا حق بخش دوں تو پھر کوئی گناہ نہیں جیسا کہ حضرت ثابت بن قیس کو بخش دیا گیا ہے۔ ان لڑکیوں کو بھی عید کے دنوں میں یہ بے ادبی معاف کر دی گئی تاکہ خوشی کر لیں کیونکہ صاحب حق، جب

اپنا حق کسی کو دیدے تو اللہ تعالیٰ بھی مواخذہ نہیں فرماتے تب ہی

تو نبی پاک نے فرمایا انہیں اپنی حالت پہ چھوڑ دو اے ابو بکر لیکن سیدِ دو عالم

صلی اللہ علیہ وسلم کا منع فرمانا "فَدَعْهُمَا يَا اَبَا بَكْرٍ" صاف صاف بتلا رہا ہے کہ

ایسا گانا بجانا مباح ہے جس میں اچھی آواز ہو مناسب لحن ہو اور شوق انگیز

مضامین پر مشتمل اشعار کہے گئے ہوں جو حکمت اور عظمت اللہ و رسول کی

عشق و محبت میں ڈوبے ہوں۔ (مترجم) ]

البتہ جاہلیت والا گانا صرف اس لئے حرام ہے کہ اس میں لھو و لعب اور فسق و فجور کی طرف بلاوا ہوتا ہے۔ (اور اس کے برعکس) جو سماع اور جو کلام بابرکت ہو انعامات ربانی کا ذکر ہو اسلام و ایمان کو دلوں میں مضبوط کر دینے والا کلام ہو اور ایسا کلام جو انسانوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور دار السلام میں سے آنیوالا ہو، واقعی ایسا کلام سُننا اور اس کا گانا بجانا مستحب ہے مستحسن ہے بلکہ خداوندی احسان سے ہے جیسا کہ مقولہ مشہور ہے کہ "اَلسَّمَاعُ يُحَرِّكُ الْقُلُوْبَ اِلٰى عَالِمِ الْغُيُوْبِ" سماع غیب جاننے والے اللہ تعالیٰ کی طرف دلوں کو حرکت میں لاتا ہے۔

سوال و اعتراض :۔ ان تمام روایات سے صرف شادی بیاہ اور عید والے دن گانا بجانا یعنی لھو کی اجازت ثابت ہوئی اس مخصوص رُخصت سے ہر وقت جواز سماع تو ثابت نہ ہوا؟

جواب" یہ ہے کہ عید کا لفظ اعادۃ السرور کا معنی دیتا ہے۔ یعنی ہر وُہ دن جس میں مسرت و شادمانی ہر سال لوٹ کر آتی ہے۔ ثابت ہوا کہ ہر وُہ دن جس میں خوشی و مسرت لوٹ آئے۔ عید کا دن ہوتا ہے اور اسی معنی کی تائید میں قرآن کریم میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَاٰخِرِنَا وَاٰيَةً مِّنْكَ ۔ (پارہ ۷، رکوع ۵)

اے ہمارے پروردگار! ہم پر آسمان سے طعام نازل فرما کہ وُہ دن ہمارے اگلے اور پچھلے لوگوں کے لئے عید اور تیری طرف سے خاص نشانی ہوگا۔

اس آیتِ پاک میں "عید" سے مُراد باتفاق جمہور مسرت و شادمانی کا لوٹ آنا ہے تو ثابت ہوتا ہے ہر وُہ دن جس میں خوشی و مسرت اور راحت کو دہرایا جائے وُہ دن عید کا دن ہوتا ہے۔ اور حدیث مُبارک میں نبی پاک نے انصار کی صفت میں فرمایا کہ انصار کا قبیلہ گانا گانا اور گانا سُننا

دونوں کو پسند کرتا ہے۔ اس سے دلیل ملتی ہے کہ غنا مطلقاً مباح ہے چاہے شادی وعید ہو یا نہ ہو جبکہ انصار عظیم المرتبت اصحاب رسول ہیں جن کی شان میں قرآن فرماتا ہے۔ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَكَرَّهَ اِلَيْكُمُ الْكُفْرَ وَالْفُسُوْقَ وَالْعِصْيَانَ ۔ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۳) لیکن اللہ نے تمہیں ایمان کی محبت دے دی اور اسے تمہارے دلوں میں مزین فرما دیا اور کفر اور فسق اور نافرمانی سے تمہیں متنفر کر دیا۔

اب اگر غنا معصیت ہوتا تو اصحاب کرام اسے مکروہ سمجھتے نہ کہ اسے پسند کرتے تو قرآن مجید اور حدیث سے ثابت ہوا کہ غنا سننا اور خود غنا کرنا ہر وقت مستحب ہے صرف شادی بیاہ اور ولیمہ وعیدین کیلئے مخصوص نہیں کیونکہ جو پسندیدہ چیز ہو وہ ہر وقت پسندیدہ ہوتی ہے نہ یہ کہ کبھی محبوب ہو اور کبھی مکروہ۔ پس سماع تمام اوقات کو مشتمل ہوگا۔

فائدہ :۔ سماع وغنا محمود کی مذمت وحرمت میں بعض فقہا کی احادیث روائت کیا کرتے ہیں مگر ان میں سے ایک بھی صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ امام المحدثین مجدالدین فیروز آبادی اپنی کتاب "صراط مستقیم المعروف بہ سفر السعادت" میں فرماتے ہیں: ودر ذم سماع حدیثے صحیح ثابت نشدہ یعنی گانے بجانے کی حرمت میں کوئی حدیث صحیح وارد نہیں ہے۔

اور کچھ فقہاء کا جو خیال ہے کہ گانا بجانا حرام ہے گانے بجانے کی محفل میں بیٹھنا گناہ ہے اور اس سے لذت پانا کفر ہے۔ تو

یہ قول بعض دوسرے فقیہوں کا تو ہو سکتا ہے اہل سنت وجماعت کا ہرگز نہیں کیونکہ حرام چیز سے لذت پانا کفر نہیں ہوا کرتا خواہ زنا ہی کیوں نہ ہو۔ لہٰذا اس قول پر عقیدہ کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔

اعتراض :۔ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَوْتَانِ مَلْعُوْنَانِ صَوْتُ النَّوْحَةِ عِنْدَ الْمُصِيْبَةِ وَصَوْتُ مِزْمَارٍ عِنْدَ الْغِنَاءِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روائت ہے کہ دو آوازیں ملعون ہیں ایک مصیبت کے وقت نوحہ کرنے کی آواز، دوسری آواز ہے غنا کے وقت مزمار کی۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ غنا حرام ہے۔

جواب :۔ اس روائت کا کسی حدیث کی کتاب میں نام ونشان تک نہیں ملتا حیرت ہے

کہ منکرین ایسی بے اصل باتوں سے مقابلہ پر آتے ہیں اور ذرا نہیں شرماتے اگر بالفرض کہیں اس روایت کا وجود ہو تو جواب یہ ہے کہ یہ روایت دو مقامات کے علاوہ باقی اوقات و احوال میں دلیل اباحت ہے ورنہ تخصیص باطل ہو جائے گی لہٰذا ان دو آوازوں کو مصیبت اور مزمار سے مقید کر کے بتلا دیا گیا ہے کہ ان دو حالات کے علاوہ باقی ہر حالت میں سماع و غنا، مباح ہے۔

اعتراض:۔ حضور نے فرمایا، اَلْغِنٰی حَرَامٌ وَالتَّلَذُّذُ بِهَا كُفْرٌ وَالْجُلُوْسُ عَلَيْهَا فِسْقٌ، غنا حرام ہے اور اس کے ساتھ لذت حاصل کرنا کفر ہے اور اس پر بیٹھنا فسق ہے۔ اس حدیث سے حرمت غنا اظہر من الشمس ہے۔

جواب:۔ اوّلاً یہ حدیث کسی سند صحیح سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک مرفوع نہیں اور یہ روایت ایسی بے ڈھنگی سی ہے جس کو دیکھ کر طبیعت تسلیم نہیں کرتی کہ اَفْصَحُ الْعَرَبِ وَالْعَجَمِ کی یہ حدیث ہو یہاں قابل غور امر یہ ہے کہ جب ایک شخص نے غنا کے ساتھ لذت حاصل کی تو کافر تو ہو گیا اس کے بعد وہ شخص جلوس کرتا ہے جو نتیجہ فسق ہے۔ تو کیا اب وہ شخص کافر ہونے کے بعد فاسق ہو گیا؟ گویا کہ اس روایت سے مطلب یہ ہوا کہ سماع سے لذت حاصل کرنے والا کافر ہے اور اس پر جلوس کرنے والا، قوالی سننے والا گنہگار مومن ہے اب آپ خود ہی سوچ سکتے ہیں کہ کفر کے بعد کفر کرنے سے کفر بڑھتا ہے یا وہ کفر سے نکل کر ایمان کے درجے میں آ گیا ہے۔

پس یہ روایت نہ روایتہً درست ہے اور نہ درایتہً اس لئے اس روایت کو سرکار کی طرف منسوب کرنا گستاخی و سوءِ ادبی کے مترادف ہوگا۔ پس قول در ج بالا اہل ہوا کا عقیدہ تو ہو سکتا ہے جس پر اعتقاد نہیں رکھا جاتا۔ اہل سنت و جماعت کا قول نہیں ہو سکتا۔

نوٹ:۔ اعتراضات اور بھی بہت کچھ ہوا کرتے ہیں مگر لِلْعَاقِلِ تَكْفِيْهِ الْاِشَارَةُ۔

<u>بحث سوم قیاس مجتہدین واقوال ائمہ اربعہ وفقہا کرام</u>:۔

امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ ذم سماع کے بارے میں کوئی حدیث صحیح نہیں

ہے۔ امام سخاوی "المقاصد الحسنۃ فی الاحادیث المشتھرۃ" میں فرماتے ہیں حرمت سماع میں بعض فقہاء نے جن جن احادیث سے استدلال فرمایا، سب کی سب غیر صحیح ہیں اور ان کی کوئی اصل نہیں ہے۔

شیخ ابن حجر عسقلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں حرمت سماع کے بارے میں بعض متاخرین نے جتنی احادیث نقل کی ہیں وہ سب بے اصل ہیں۔ اگر اس باب میں کوئی صحیح حدیث ملتی تو مجتہدین ضرور اُن کو دلیل بناتے جبکہ حرمت سماع میں کسی قسم کی کوئی حدیث نہیں مل پائی نہ صحیح نہ حسن نہ ضعیف۔ بلکہ بعض متاخرین کیلئے جن جن احادیث کو بطور استدلال پیش کیا گیا ہے وہ یا تو موضوع ہیں یا ان کا کہیں ثبوت نہیں ملتا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہم، ان تمام احادیث کو خاطر میں لائے ہی نہیں ہیں۔

ابن عربی، حرمت سماع میں بعض فقہا کی احادیث منقولہ کا ذکر کر کے فرماتے ہیں کہ یہ سب موضوع ہیں۔

ابن طاہر نے اسی طرح فرمایا بلکہ بعض شافعی المسلک حضرات یہاں تک کہہ گئے کہ حرمت سماع کی حدیثیں، منکرین سماع کی کتابوں کے بغیر اور کہیں نہیں مل پاتیں۔

شیخ عارف باللہ ابوطالب مکی رحمۃ اللہ علیہ، قوت القلوب میں فرماتے ہیں۔ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خلفائے راشدین صحابہ کبار تابعین تبع تابعین آئمہ اربعین آئمہ اثنا عشر چار سو چالیس مشائخ کبار، دو ہزار اولیاء اللہ ایک سو بیس فقہا ایک ہزار علماء اور لاکھوں کی تعداد عامۃ المؤمنین نے غنا گایا اور سنا۔ (ابن ہمام مکی، جواز، سماع)

جاننا چاہیئے کہ شیخ ابوطالب اور ابن ہمام مکی کی بات پختہ اور مضبوط ہے۔ ان دونوں میں علم و عرفان کی وفرت اور حال کی کثرت پائی جاتی ہے سلف صالحین کے حالات سے پوری طرح باخبر تھے اور مزید فرمایا کہ منکرین سماع، سماع غنا کو مطلق حرام کہہ کر تین مصیبتوں میں سے کسی ایک میں ضرور پھنس جاتے ہیں۔

ایک یہ کہ سنن و آثار سے جاہل ہے۔ دوم یہ کہ وہ مباحات کو حرام قرار دینے کی افترا پردازی کرتا ہے۔ سوم یہ کہ وہ بے ذوق اور گندی طبیعت رکھتا ہے وہ ایسے ہے جیسے گدھے پر کتابوں کا بوجھ لاد دیا جائے۔

ایک کتاب بیان الفقر میں مروی ہے: عَنْ عُثْمَانَ كَانَتْ عِنْدَهٗ جَارِيَتَانِ تُغَنِّيَانِ فَلَمَّا كَانَ وَقْتُ السَّحْرِ قَالَ وَعَيْنَ هٰذَا وَقْتُ الْاِسْتِغْفَارِ بے شک عثمان غنی کے پاس دو لونڈیاں تھیں جو گاتی تھیں پس جب سحر کا وقت ہوتا تو آپ فرماتے اب گانا بند کرو یہ استغفار کا وقت ہے۔

شیخ عبدالرحمن السلمی نے اپنی سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ غنا کے متعلق سوال حضرت ابن عمر سے پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا شراب کے ساتھ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں ہے ——؟

امام شافعی کی تہذیب میں تحریر ہے۔ امیر المومنین عمر بن الخطاب اپنے گھر اکیلے تھے دو ایک شعر ترنم سے پڑھ رہے تھے۔ سیدنا عبدالرحمن بن عوف نے گھر میں داخل ہونے کی اجازت مانگی تب بھی آپ ترنم میں تھے تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا آپ نے میری ترنم بھری آواز سن لی تھی فرمایا جی ہاں محترم! ہم بھی جب اپنے گھروں میں تھکان و ملال سے آزردہ دل ہو جاتے ہیں تو تنہائی میں اچھی آواز مناسب لحن اور شوق انگیز اشعار سے دل بہلا لیا کرتے ہیں۔

الحمد للہ احادیث و اقوال سادات سے ثابت ہوا کہ جناب رسول اکرم بنفس نفیس اور آپکے چاروں خلفائے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین نے باجے کے ساتھ غنا سنی آپ کے دیگر صحابہ کرام انصار و مہاجرین نے بھی اسی طرح حضور اور آپ کے خلفاء کی اتباع کی اور غنا سنی۔ اس کے بعد جو شخص غنا کو حرام کہے گا وہ اس آیت کا مصداق ہوگا۔ وَمَنْ يَّتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ۔

امام غزالی احیائے العلوم میں فرماتے ہیں، یونس بن عبد العلی نے امام شافعی سے پوچھا اہل مدینہ سماع کے متعلق کیا فرماتے ہیں تو انہوں نے جواب دیا۔ حجاز، مقدس کے علماء میں سے

کوئی شخص بھی سماع سے کراہت نہیں کرتا۔

علامہ فخر الدین الزراوی رحمتہ اللہ علیہ کی کتاب "کتاب السماع" سے یہ سب افادات لئے گئے ہیں۔ علماء اہل سنت، وجماعت کے نزدیک، شادی نکاح کے اعلان وتشہیر کے لئے ڈھول بجانا سنت ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوا النِّکَاحَ وَاجْعَلُوْہُ فِی الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَیْہِ بِالدُّفُوْفِ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص۲۷۲)

سیدہ عائشہ کی روائیت ہے کہ رسول پاک نے فرمایا کہ نکاح کا اعلان کیا کرو اور اسے مسجد میں کیا کرو اور اس پر ڈھول بجایا کرو۔

کتاب خلاصہ میں ہے اور تاتار خانیہ نے محیط سے اخذ کر کے لکھا ہے کہ شادی نکاح اور ولیمہ میں دف بجانا اور غنا کرنا مخصوص اوقات میں لہو ولعب کرنا جائز ہے۔ کیونکہ آلہ لہو سے، جس کو دف کہا جاتا ہے، اعلانِ نکاح کیا گیا ہے۔ جیسا کہ شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے۔

اَعْلِنُوا النِّکَاحَ وَلَوْ بِالدَّفِ۔ دف بجا کر نکاح کا اعلان کرو۔

ضَرْبُ الْقَصَبِ وَالدُّفُوْفِ سُنَّۃٌ لِلْغَرْضِ الشَّرْعِیِّ لَا لِلّٰھْوِ (کتاب بدائع حنفیہ) بانسری اور دف بجانا ضروریات شرعیہ کے لئے سنت ہے لہو ولعب کیلئے نہیں۔

حاشیہ البزدوی میں لکھا ہے "لا للھو" سے مقید کر کے یہ بتلانا مقصود ہے کہ عام مسلمانوں کے گانے بجانے اور سرود طنبور بانسری وغیرہ، جو شادی، میلہ، عید، جہاد، عیدین وغیرہ اور دیگر ایسی تقریبات پر بجائے جائیں وہ ضروریات شرعیہ میں داخل ہیں اور تفریح مباح کا حکم رکھتے ہیں بشرطیکہ ان میں لہو ولعب نہ ہو، (جیسے آواز رقاصہ کی یا عورتوں کے حسن وجمال کی تعریف، عورتوں اور مردوں کا اختلاط، مدح فساق وغیرہ من خرافات الواھیہ) کتاب الکافی کے باب صفتہ الصلوٰۃ میں ہے اَلتَّخْصِیْصُ فِی الرِّوَایَاتِ یَدُلُّ عَلٰی نَفْیِ مَا عَدَاہُ اَیْ نَفْیِ الْحُکْمِ فِیْ مَا عَدَاہُ۔ اھ۔ روایات میں تخصیص کا آنا دلالت کرتا ہے کہ یہ حکم مخصوص مخصص کے علاوہ میں نہیں ہے۔ پس تغنی کی حرمت مُقَیَّدْ بِاللَّھْو ہوگی اور بس۔

جاننا چاہیئے کہ غنا کی حرمت، لھو ولعب کی وجہ سے ہے اگر لھو ولعب نہ ہو بلکہ شرعی غرض ہو تو سماع وغنا حرام نہیں ہو گا جیسا کہ شادی ولیمہ. جنگ کی تیاری قافلہ کی آمد ورفت، خصوصًا اللہ والوں کی محافل اور سماع وغنا کے مجالس جو مستحسن ہیں یہ سب وہ مقامات ہیں جن میں رقت قلب اور عشق الٰہی ومعرفت باری جیسی صفات حسنہ پیدا ہوتی ہیں۔

تو علماء احناف رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک، اہل دل کیلئے جو سماع کلام اللہ تعالیٰ کے حضور ذوق وشوق کا موجب ہو، دلوں میں محویت ورقت پیدا کرے. عذاب الٰہی سے ڈر پیدا کرے حلال اور جائز ہے پس لامحالہ وہ قربت وعبادت ہے اور اس میں لھو ولعب وہواد وہوس کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔ قال الفقہاء وَھٰکَذَا اُجْرَتُہٗ بِلَا شَرْطٍ حَلَالٌ (تکملہ بحر الرائق وفتاوہ ابو اللیث) فقہا فرماتے ہیں لہو ولعب کی خاطر نہیں بلکہ شرعی ضرورت کی خاطر بانسری اور دف بجانا سنت ہے، اس میں فقہاء کا قطعاً اختلاف نہیں ہے. اسیطرح اس پر اجرت لینا بھی حلال ہے بشرطیکہ شرط نہ ہو۔

عوارف المعارف میں ہے کہ سماع وغنا، اللہ کریم کی رحمت کو کھینچ لاتا ہے. بدائع حنفیہ میں ہے کہ مسرت وشادمانی کے دنوں میں خوشی کو مزید تقویت دینے کیلئے سماع وغنا مباح ہے۔ جیسا کہ عیدین، نکاح ولیمہ، قدوم مسافر، عقیقہ اور تولد طفل ختنہ اور قرآن کا حفظ کر لینا یہ سب مسرت وشادمانی کے دن ہیں۔

فقہ شافعیؒ میں ہے کہ غنا گانا اور رقص کرنا یعنی جھومر ڈالنا، بانسری بجانا، اور ڈھول بجانا، شافعی مذہب میں حلال ہیں۔

اگرچہ چھانج بھی کیوں نہ ہو۔

بدائع میں ہے کہ:

یہ سب جائز ہے کہ رقت پیدا کرتا ہے۔

کتاب قواعد میں آیا ہے کہ امام عین الدین رحمۃ اللہ علیہ سے فی زمانہ مروجہ سماع وغنا کے متعلق فتویٰ طلب کیا گیا تو جواب میں ارشاد فرمایا مباح ہے۔

علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے سماع وغنا کے بارے میں جواب دیا۔ ہمارے ملک میں آثار وسنن سے جاہل لوگ اور غلیظ طبع عامی انسان کے سوا باقی سبھی اہل علم سماع و غنا کو مباح قرار دیتے ہیں۔ قطعاً انکار نہیں کرتے۔

تذکرہ حمدونیہ کے مصنف نقل کرتے ہیں، سُئِلَ اَبُوْ حَنِیْفَةَ وَسُفْیَانُ الثَّوْرِیُّ رَحِمَهُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی عَنِ الْغِنَا فَقَالَا لَیْسَ مِنَ الْکَبَائِرِ وَلَا مِنَ الصَّغَائِرِ (تذکرہ حمدونیہ ص۸۵)

امام اعظم ابوحنیفہ اور حضرت سفیان ثوری رحمہا اللہ دونوں نے غنا کے بارے فرمایا نہ وہ گناہ کبیرہ ہے اور نہ گناہ صغیرہ۔

رہے امام شافعی تو حجۃ الاسلام غزالی فرماتے ہیں: لَیْسَ تَحْرِیْمُ الْغِنَاءِ مِنْ مَذْهَبِهٖ بَلْ مَذْهَبُهٗ اِبَاحَةُ السَّمَاعِ بِالدَّفِ وَلَوْ کَانَ فِیْهِ جَلَاجِلُ یعنی غنا وسماع مذہب امام شافعی میں حرام نہیں۔ بلکہ اس کے مذہب میں دف بجانا مباح ہے۔ اگرچہ ان گھنگھروں موجود ہوں۔ (احیاء العلوم' الغزالی)

امام احمد بن حنبل سے متعلق لکھتے ہیں: قَالَ اَبُو الْوَفَا اِبْنُ عَقِیْلٍ قَدْ سَمِعَ الْغِنَاءَ اِمَامُ اَحْمَدَ بْنِ حَنْبَلٍ عَنْ اِبْنِهِ الصَّالِحِ (کتاب الفصول ص۱)

[ اس کا قصہ یوں ہے کہ ایک دن صالح بن امام احمد بن حنبل مکان کے اندر دروازہ بند کر کے غنا کر رہے تھے ان کے پاس چند حاضرین جمع تھے امام صاحب تشریف لائے اور دروازہ بند ہونے کی وجہ سے چھت پر چڑھ گئے اور ایک دریچے کے قریب بیٹھ گئے جہاں آواز سنائی دیتی تھی آپ نے غنا سنا اور وجد و رقص میں آ گئے جب چھت کی گڑگڑاہٹ محسوس ہوئی تو حاضرین دوڑے دیکھا تو چھت کے اوپر امام صاحب بیہوش پڑے ہیں ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ و امام شافعی کی طرح امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی غنا جائز ہے۔ (مترجم) ]

کتاب شرح کافی میں محمد بن علی شامی سے منقول ہے کہ سماع وہ مکروہ ہے جو فاسق یا شہوت لانے والی عورتوں سے سنا جائے جس سے فسق و فجور کی طرف میلان پیدا

ہو اور جو سماع صالحین سنتے ہیں وہ بلا خلاف جائز و حلال ہے۔

حافظ محمد بن علی شامی اپنے ہم مسلک بھائیوں سے اس طرح ذکر فرماتے ہیں۔
کنز الدقائق کی شرح تبیین الحقائق میں ہے کہ وعظ و حکمت سے لبریز اشعار گانا باتفاق جائز ہے۔

بدائع صنفیہ میں لکھا ہے کہ بعض لوگ سماع کو مطلق مباح قرار دیتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہے کہ گانے والا جب شہوت پرستی اور فسق و فجور کی نیت سے گائے اور لوگ اس کا گانا بجا تاکہ فسق و فجور میں مبتلا ہوتے ہوں تو ایسے شخص کی گواہی مردود ہے اور اگر گانے والا اس نیت سے گائے کہ تھکان و ملال اور دل آزردگی رفع دفع ہوجائے اور سننے والے نئے شوق و ذوق سے اپنے معاملات میں مصروف ہوجائیں تو ایسے گانے بجانے والے کی گواہی مردود نہیں بلکہ مقبول ہے۔ اور اس نیت سے گانے بجانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

غنا و مزامیر فی نفسہ حرام نہیں بلکہ عوارضات محرمہ یعنی لھو و ہوائے نفسانی کی وجہ سے حرام ہیں اور اس میں تو شک نہیں کہ عمدہ آوازوں کا سننا، اصل میں مباح اور جائز ہے۔ لایعنی اور لھو و لعب نفسانی پر مشتمل گانا گانا اور سننا دونو حرام ہیں اور ان عوارضات محرمہ سے بری ہونے کی صورت میں باقی اصل اباحت رہ جاتی ہے جس سے کسی کو انکار نہیں ہے۔

اگر عمدہ آواز فی نفسہ حرام ہوتی تو شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نماز وغیرہ میں، قرآن کو عمدہ آواز سے پڑھنے کا حکم نہ دیتے۔ حضرت داؤد علیہ السلام کا لحن داؤدی مشہور ہے جب اچھی آواز سے زبور شریف تلاوت فرماتے تو جن و انس سبھی جمع ہوجاتے کلام مبارک کی شیرینی و حلاوت اور لحن داؤدی کا حسین امتزاج جب رنگ لاتا تو ہزاروں کی تعداد میں جنازے اُٹھ جاتے (کتاب المحیط باب الکراہت والاستحسان فصل اٹھارویں)

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ السیر الکبیر میں فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی روایت ہے دَخَلَ عَلٰی اَخِیْہِ بَرَاءِ بْنِ مَالِکٍ ھُوَ کَانَ یَتَغَنّٰی۔ انس بن مالک اپنے بھائی براء بن مالک کے ہاں تشریف فرما ہوئے جبکہ آپ کا بھائی عمدہ آواز میں کچھ گائے جاتا تھا۔ تو آپ نے

اس کا گانا سُن کر فرمایا جب سماع سے فرحت وسُرور اور دلی مسرت پیدا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

البتہ بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ شادی بیاہ اور ولیمہ کے موقع پر سماع وغنا میں کوئی حرج نہیں اگرچہ اس میں لھو ولعب ہو کیونکہ اس سے مقصد صرف یہ ہے کہ نکاح کا اعلان اور تشھیر ہو جائے جیسا کہ شارع علیہ السلام نے حکم دیا ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ تھکان و ملال دفع کرنے کیلئے سماع وغنا کی شرعاً اجازت ہے۔ بشرطیکہ لایعنی اور فسق وفجور اور شراب ورباب وغیرہ امور پر مشتمل نہ ہو۔

کنز الدقائق کی شرح بحر الرائق میں "اَوْلِغِنِّيْ لِلنَّاسِ" پر شرح فرماتے ہیں کہ یہ سماع وغنا محض لوگوں کو جمع کرنا مقصود نہیں بلکہ اپنے دل کی آزردگی دفع کرنے کے لئے ہو تو مباح ہے۔

امام سرخسی رحمتہ اللہ علیہ نے، عُرس، ولیمہ مُسافر کی وطن والپسی، فتنہ، حفظ قرآن اور دلوں میں گداز پیدا کرنے میں، سماع وغنا کو جائز قرار دیا ہے۔

فتاوی ابو اللیث میں ہے کہ شادی بیاہ کے علاوہ دوسرے مواقع میں سُرود سُننا ایک متنازعہ مسئلہ ہے بعض عُلماء کرام مکروہ لکھتے ہیں جبکہ جمھور علماء کرام کا کہنا ہے کہ عرس مسافر کی وطن والپسی اور دیگر ہر قسم کی مسرت وشادمانی کے مواقع پر سماع وغنا اور سُرود مباح ہیں اس میں کسی کو اختلاف نہیں۔ (تکملہ بحر الرائق اور فتاوی ابو اللیث)

قوال کا بلا شرط" گانا گانے اور سُنانے کی اُجرت لینا" حلال اور جائز ہے۔ وھکذا اجرتہ بلا شرط حلال (تکملہ بحر الرائق وفتاوی ابو اللیث) اور فقہ حنفی کی معتبر کتابوں کی شرح میں لکھا ہے۔ اَخْذُ الْمَالِ مِنْ غَيْرِ شَرْطٍ يُبَاحُ اَكْلُهٗ سُرود وغنا میں شرط کئے بغیر، مال لینا مباح ہے اور اس کا کھانا جائز ہے۔

فقہ والوں نے ایک اصول بیان کیا کہ جب مُفتی ایک وقت کسی مسئلہ کے بارے میں فتوے دیدے تو دوسرے وقت میں بھی اس جیسے مسئلہ میں وہی جواب فتویٰ دیا جاتا ہے۔ چنانچہ کتاب البیان میں آیا ہے کہ ہمارے اصحاب نے گانے بجانے اور گانا سُننے میں مرد و عورت میں کوئی امتیاز نہیں کیا اور فرمایا کہ آزاد عورت کی آواز بھی اس کے چہرے کی طرح معتبر

نہیں ہے۔

اب اللہ تعالیٰ کی پوری طرح حجت قائم ہوگئی اور اس کے بعد جو کوئی انکار کرے گا جواز سماع سے تو اس کا قول مردود ہوگا۔ اور احادیث مبارکہ سے ثابت کیا ہے کہ جب عورتوں کا غنا جائز ہے تو مردوں کا بطریق اولیٰ جائز ہے۔ نیز جس چیز کا سننا جائز ہے اس کا سنانا کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔ منکرین سماع و سرود کی پیش کردہ احادیث مؤول ہیں جنہیں تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔

(۱) عَنْ اَبِی اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ رَجُلٍ یَرْفَعُ صَوْتَہٗ فِی الْغِنَاءِ اِلَّا بَعَثَ اللّٰہُ عَلَیْہِ شَیْطَانَیْنِ اَحَدُھُمَا عَلَی الْمَنْکِبِ وَالْآخَرُ عَلٰی ھٰذَا الْمَنْکِبِ۔

حضرت ابوامامہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر وہ آدمی جو گانا گانے میں اپنی آواز اونچی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دو شیطان مسلط کر دیتا ہے۔ ایک اس کندھے پر اور دوسرا، دوسرے کندھے پر (آکر بیٹھ جاتا ہے)

تاویل یوں کی گئی کہ "مَا مِنْ رَجُلٍ یَرْفَعُ صَوْتَہٗ فِی الْغِنَاءِ" میں گانا گانے والا مرد مراد نہیں بلکہ سامعین میں سے جس بدنیت اور منکر سماع نے بدنظمی پھیلانے کی نیت سے غنا کے دوران اپنی آواز اونچی کر لی تاکہ لوگوں کو غنا گانے اور سننے میں مزاحمت ہو، منع ہے اور ایسے شخص کو دو شیطان دبوچ لیتے ہیں۔ جیسا کہ تلاوت قرآن میں حکم دیا کہ قرآن سنو اور خاموش رہو کیونکہ بوقت تلاوت لوگوں کا کلام کرنا بولنا اونچی آوازیں نکالنا، سننے کو مزاحم ہوتا ہے۔ لہٰذا ممنوع ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حدیث درج بالا منکرین سماع کے لئے حجت نہیں ہے۔ بلکہ اس حدیث سے سماع کا خوبصورت چہرہ بے نقاب ہو گیا کہ گانا، خاموشی اور سکون کے ساتھ سننا چاہیئے۔

(۲) عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اِبْلِیْسَ اَوَّلُ مَنْ نَاحَ وَتَغَنّٰی بروایت جابر نبی پاک نے فرمایا، اس میں شک نہیں کہ پیٹنے والوں اور گانا گانے والوں میں سب سے پہلا شخص "ابلیس" تھا۔

اس حدیث کی یوں تاویل کی گئی کہ "نائح" کا مصدر نوحہ ہے جس کے معنی ہیں میت پر بین کرنا مُردہ پر ماتم کرنا اور تغنی میں غناء سے لھو واستہزا والا گانا مُراد ہے۔ کیونکہ جسطرح ماتم کرنا اور بین کرنا حرام ہے اسی طرح لایعنی امور پر مشتمل گانا بجانا بھی حرام ہے البتہ دِل میں رقت اور محبتِ الٰہی پیدا کرنے والا غنا مباح ہے۔ اسی طرح احادیث کی تاویل کرنے سے، متعارض احادیث واخبار میں مطابقت پیدا ہو جاتی ہے۔

(۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ الْغِنَاءُ یُنْبِتُ النِّفَاقَ فِیْ قَلْبٍ کَمَا یُنْبِتُ الْمَاءُ الْبَقْلَ۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود کا فرمان ہے کہ غنا دِل میں منافقت پیدا کر دیتا ہے جیسا کہ پانی سبزہ کو۔ ثابت ہوا غنا حرام ہے۔

اس قول کی تاویل یوں ہوتی ہے کہ منافقت کا معنی ہے اچھا کام کرنے میں کام کرنیوالے کی نیت کا خراب ہو جانا (مثلاً نماز پڑھی جائے لیکن دِل میں ارادہ واعتقاد، اللہ کی رضا و خوشنودی کا نہ ہو کوئی اور غلط ارادہ ہو)

پس بری نیت، اعمال کو فاسد کر دیتی ہے۔ ثابت ہوا کہ غنافی نفسہ اچھا کام ہے مگر جب نیت خراب ہو تو منافقت کا باعث ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اثر میں الغنا سے مراد خاص غنا ہے اور وہ وہی ہے جو منہیات شرعیہ پر مشتمل ہو اور لہو ولعب کے طریق پر کی جائے جو صوت شیطان ہے اور جس کا خلاصہ منافقت و ضلالت ہے ایسے غنا کو ہم بھی ناجائز اور حرام کہتے ہیں پس اس اثر سے مطلق غنا کی حرمت ثابت نہ ہوئی۔

(۴) امیر المومنین عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کا قول ہے۔ مَا تَغَنَّیْتُ وَمَا مَسَسْتُ ذَکَرِیْ نہ تو میں نے کبھی گانا گایا اور نہ ہی اپنے ستر کو چھوا۔ جس کی تشریح و تاویل حسب ذیل ہے جب سے سید الکائنات محبوب رب العالمین صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت ہوا تب سے نہ گانا گایا اور نہ ستر کو ہاتھ لگایا۔ شاہ فخر الدین الزراوی کی تصانیف کا یہی خلاصہ اور یہی مفہوم ہے: واللّٰہ اعلم بالصواب الیہ المرجع والیہ المآب۔

آداب المریدین میں خواجہ ممشاد علی دینوری رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے انہیں

رسولِ کریم کی خواب میں زیارت ہوئی سماع میں اجتماع سے متعلق سوال کیا۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔ البتہ مجلسِ سماع قرآن سے شروع اور قرآن پر ختم کرو تاکہ ثواب عظیم پاؤ۔

سیرت کی کتابوں میں ہے کہ کعب بن زہیر شاعر جاہلیت نے رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے متعلق ساٹھ اشعار کا ایک ہجویہ قصیدہ لکھ دیا۔ مکہ فتح ہوا تو آپ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا جہاں کہیں کعب بن زہیر ملے اسے قتل کر دو خوف و ہراس طاری تھا۔ کعب بن زہیر مدت تک کہیں جاکر چھپ رہے آخر گوشۂ تنہائی سے تنگ آکر برقعہ اوڑھا منہ چھپائے بارگاہِ بیکس پناہ رسولِ مقبول میں حاضر ہو گئے کلمۂ شہادت پڑھ لیا پوچھنے پر بتلایا اے اللہ کے رسول کعب بن زہیر ہوں اور قتل کے خوف سے زنانہ لباس اور نقاب پہن کر حاضر ہوا ہوں۔ جواب ملا اچھا کیا ہے عرض کیا میں نے آپ کے خلاف ساٹھ اشعار پر مشتمل ہجو لکھی تھی اب کفارہ کی نیت سے آپ کی منقبت میں ایک سو بیس اشعار کا نعتیہ قصیدہ لکھ لایا ہوں حکم ہو تو پیش کروں۔ اجازت مل گئی۔ کعب بن زہیر نے جاں فزا اچھی آواز اور دل ربا خوش الحانی میں اس قصیدہ کو پڑھنا شروع کیا۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سن رہے ہیں۔ درج ذیل شعر پر وجد میں آ گئے۔

نُبِّئْتُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَوْعَدَنِیْ
وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاْمُوْلٗ

مجھے علم ہوا کہ رسول اللہ نے میرے قتل کا حکم دے دیا ہے جبکہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عفو و درگزر کی امید ہے۔

آپ نے فرمایا مکرر مکرر یعنی اس شعر کو دوبارہ پڑھیئے چنانچہ کعب بن زہیر نے دوبارہ پڑھا اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نہایت ہی فرحاں و شاداں تھے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ دل، قوالوں کو سنتِ نبوی کے مطابق "مکرر مکرر" کہہ کر کلام دوبارہ سنا کرتے ہیں۔

سرکار کے کندھے پر چادر "مزمّل" عالم وجد میں گر پڑی اُٹھا کر آپ نے کعب بن زہیر

کو عنایت کر دی۔ درویشانہ خرقہ، قوالوں کی ملکیت ہوتا ہے۔ چنانچہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ نے اپنے دورِ خلافت میں وہ چادر بعوض چار ہزار دینار کعبؓ سے خریدنا چاہی مگر کعبؓ نے انکار کر دیا کعبؓ کے انتقال کے بعد اولاد کے ورثہ میں چادر آئی۔ تب امیر معاویہؓ نے بعوض بیس ہزار دینار اس چادر کو اولادِ کعب سے خرید لیا۔

یہی وجہ ہے کہ ارادت مند اور مشائخ کے شیدائی، بھاری قیمت ادا کر کے اپنے اپنے مشائخ کا لباس و خرقہ اور جوتا تک خرید لیتے ہیں مگر کہتے یوں ہیں:

جمالے چند دادم جاں خریدم
بحمد اللہ عجب ارزاں خریدم

آداب السالکین میں منقول ہے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم اصحابِ کرام میں تشریف فرما تھے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام آیت رحمۃ لے کر نازل ہوئے۔ آیت رحمت یہ ہے۔ قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ۔ تم فرما دو اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے نا اُمید نہ ہوں بے شک وہ سب گناہ بخش دیتا ہے۔ (پارہ ۲۴ رکوع ۲)

سیّدِ دو عالم بہت خوش ہوئے اور اپنے اصحاب سے شعر سنانے کا حکم دیا اصحابِ کرام نے خوش آواز اور دل لبھانے والے الحان میں شعر سنانا شروع کیا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم وجد میں آ گئے۔ چادر مبارک کندھے سے گر پڑی مجلس میں موجود سینکڑوں اصحاب نے شعر گوئی فرمائی۔ بالآخر اُس چادر کے ایک سو ٹکڑے کئے گئے اور ایک ایک ٹکڑا کر کے صحابہ کرام میں تقسیم کر دیا گیا صحابہ کرام بطور تبرک وہ چادر مبارک کے ٹکڑے اپنے اپنے ساتھ لے گئے۔

اس نقل سے ثابت ہوتا ہے سماع کی حالت میں اہلِ دل کی جو چیز اُن کے جسم سے گر جائے وہ قوالوں کا حق ہوتا ہے۔ اور اسی رمز کی نشان دیتی ہے یہ حدیث مبارک کہ مَنْ قَتَلَ قَتِيْلًا فَلَهٗ سَلَبُهٗ، جس نے کسی کو قتل کر دیا تو مقتول کا ساز و سامان اُس

قائل کا ہے۔

آداب السالکین ہی میں منقول ہے کہ جناب رسُول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ اپنے دوستوں میں تشریف فرما تھے کہ سیّدنا جبرائیل علیہ السلام اللہ پاک سے خوشخبری لائے کہ اے اللہ کے رسُول! تیری اُمت کے فقیر، دوسری اُمتوں کے دولت مندوں سے پانچ سو سال پہلے جنت میں جائیں گے۔ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بشارت سے بہت فرحت و راحت ملی۔ فرمایا سماع کی محفل لگائی جائے ایک بدو نے جانفزا خوش آواز اور لحن داؤدی میں گانا شروع کیا کہ سیّد الکائنات پر وجد و رقص طاری ہو گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع اور وجد و رقص۔ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے فرمایا! آج عید کا دن ہے اس خوشی میں ان دونوں لونڈیوں کو گانے دو۔ ربیع بنت معوذ کے ولیمہ والے دن گانے والی عورتوں سے فرمانا وہی گانا گاؤ جو پہلے گایا جا رہا تھا۔ اور پھر آپ کا سُننا اور اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم کا اپنی اپنی لونڈیوں سے گانا بجانا اور دف و سُرود سُننا۔ آئمہ کرام جمیع مشائخ عظام تابعین تبع تابعین کے احوال و اقوال، یہ سب کے سب ثابت کرتے ہیں کہ سماع و غنا صرف مباح ہی نہیں بلکہ مستحب و مستحسن ہے۔ اس کے بعد جو انکار کرے گا جواز سماع کا، تو اس کا قول مردود ہو گا یہی اہلِ سُنت وجماعت کا مسلک ہے۔

فائدہ:۔ "امر" بہت معنوں میں استعمال ہوتا ہے اُن میں "ایک وجوب" ہے۔ بشرطیکہ اس کے خلاف قرائن نہ ہوں جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ "اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ نماز و زکوٰۃ لازم ہے۔ اور کبھی کبھار امر مستحب کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا (پارہ ركوع ) اور کبھی امر، صرف مباح کا معنی دیتا ہے۔ جیسے فرمایا۔ وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا (پارہ ٦ رکوع ) جب احرام سے نکل کر حلال ہو جاؤ تو شکار کرو۔ یہ بیان اباحت ہے یعنی احرام کھولنے کے بعد شکار مباح ہو جاتا ہے۔

پس جاننا چاہیئے کہ سماع و غنا میں جو "امر" واقع ہوا ہے وہ وجوب کا احتمال بھی

رکھتا ہے اِس لئے کہ جب رسُولِ کریم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے گانا گانے کا حکم بالمشافہ دیا اور وُہ بھی اپنی موجودگی میں۔ تو صحابہ کرام پر آپ کے حکم کی کسی طور خلاف ورزی جائز نہ رہی۔

سامعین! اصول یہ ہے کہ جب آپ رحمۃ اللعالمین کسی کی بات سُنتے وقت ان سے کسی کلام کے اعادے کا مطالبہ کرلیں تو سامعین و ناظرین پر تعمیل کرنا واجب ہو جاتی ہے جیسا کہ ارشاد ہے: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ لِمَا یحییکم واعلموا ان اللہ مع المتقین (پارہ ۹ رکوع ۱۴) اَے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسُول کے بلانے پر حاضر ہو جاؤ۔ جب رسُول تمہیں اس چیز کے لئے بلائیں جو تمہیں زندگی بخشے گی ــــــ الخ

اندریں حالات جس شخص نے جوازِ غنا و سماع کا انکار کیا اور اسے حرام سمجھا تو گویا کہ اس کا یہ اعتقاد ہی ہوگا کہ رسُول اللہ نے نعوذ باللہ حرام چیز کو سُنا اور ابوبکر جو حرام سماع و غنا سے روک رہے تھے اُسے آپ نے رد کئے دیا ــــــ یاد رکھئے ایسا اعتقاد کفر ہے اللہ پناہ دے۔

اعتراض:۔ اَعْلِنُوا النِّکَاحَ بِالدَّفِ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف صـ۲۷۲) اور اس جیسی دیگر احادیث و روایات سے صرف شادی کے موقع پر سماع و غنا کی اجازت ثابت ہُوئی ہے۔ لہٰذا اس مخصوص رخصت سے باقی کسی محفل و موقع پر سماع و غنا ثابت نہیں ہوتا ہے۔

جواب:۔ بالاتفاق جمہور علماء کرام، یہ بات مُسلم ہے کہ شانِ نزول اور سببِ نزول کے خاص ہونے سے حکم کا عموم برقرار رہتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ (پارہ اوّل رکوع ۲) بیشک وہ جن کی قسمت میں کفر ہے، انہیں برابر ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ ڈراؤ، وہ ایمان لانے کے نہیں۔ یہ آیت ابوجہل، ابولہب، عتبہ، شیبہ ابن سلول وغیرہ کے حق میں نازل ہُوئی ہے جو علمِ الٰہی میں ایمان سے محروم ہیں۔ مگر اس کا حکم تمام کفار کو شامل ہے۔ اسی طرح دوسری آیتِ کریمہ۔ اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَکَ الْکِبَرَ اَحَدُھُمَآ اَوْ کِلٰھُمَا فَلَا تَقُلْ لَّھُمَآ اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا وَقُلْ لَّھُمَا قَوْلًا کَرِیْمًا وَاخْفِضْ لَھُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَۃِ وَقُلْ

رَبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِیْ صَغِیْرًا۔

اگر تیرے سامنے ان میں سے ایک یا دونو بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان سے "اف" نہ کہنا اور انہیں نہ جھڑکنا اور ان سے تعظیم کی بات کہنا اور ان کے لئے عاجزی کا بازو بچھا کر نرم دلی سے عرض کرنا کہ اے میرے رب! تو ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ ان دونوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

یہ آیت نبی پاک سے خطاب ہے مگر اس کا حکم عام ہے اور جمیع افراد اُمت کو شامل ہے اس مندرجہ اصول کے تحت "یوم العید" اگرچہ شان نزول میں خاص ہے مگر اس کا حکم عام ہے جو ہر اس حالت کو شامل ہے جس میں دل کو فرحت اور رُوح کو راحت ملتی ہو اس میں سماع و غنا ہو سکتا ہے چاہے وہ عید کا دن ہو۔ نکاح و ولیمہ ہو۔ مسافر کی آمد یا ختنہ ہو، غرضیکہ ان سبھی مواقع پر گانا بجانا رقص و سُرود نہ صرف مباح ہے بلکہ مستحب اور مستحسن ہے۔ پس معلوم ہوا کہ رقص و سرود اور سماع و غنا کی رخصت کسی خاص موقع و محل کسی خاص زمانہ و وقت کے ساتھ مخصوص و معین نہیں ہے۔

مسند امام احمد میں آیا ہے: اَنَّ الْحَبْشَةَ كَانُوْا يَدْفُوْنَ بَيْنَ يَدَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيَرْقُصُوْنَ وَيَقُوْلُوْنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَقُوْلُوْنَ قَالُوْا يَقُوْلُوْنَ "رَسُوْلُ اللّٰهِ مُحَمَّدٌ عَبْدٌ صَالِحٌ" بیشک حبشی قوم نبی پاک کے روبرو دف بجاتے تھے۔ رقص و وجد کی حالت میں کہتے جاتے "اللہ کے رسول حضرت محمد ہیں جو کہ نیک بندہ ہیں"

یہ حدیث صاف صاف بتلاتی ہے کہ رقص و سرود، سماع و غنا جائز ہے۔ جب معترض کہتا ہے کہ رقص و سُرود اور غنا و سماع حرام ہیں تو اس کے حکم کا کھلم کھلا نتیجہ یوں سامنے آتا ہے کہ نبی پاک نے نعوذ باللہ حرام محفل میں حاضری دی اور حبشیوں کو جو حرام کام کرتے تھے انہیں نہیں روکا۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اِنَّ امْرَءَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ نَذَرْتُ اِذَا انْصَرَفْتَ مِنْ غَزْوَتِكَ هٰذِهٖ سَالِمًا فَاِنَّمَا اَنْ اَضْرِبَ عَلٰى رَاْسِكَ بِالدَّفِّ

فَقَالَ اِنْ کُنْتِ نَذَرْتِ فَاضْرِبِیْ بِنَذْرِکِ وَاِلَّا فَلَا۔ (رواہ ابوداؤد)

ایک عورت نے کہا میں نے منّت مانی جب آپ اس جنگ سے بخیر و سلامت واپس تشریف لائیں گے تو آپ کے سر پر دف بجاؤں گی۔ آپ نے فرمایا اگر منت تو نے مانی تھی تو اسے پورا کر لے ورنہ نہیں۔ تو اس عورت نے حضورؐ کے سامنے دف بجایا اور گانا گایا۔ اور شعر پڑھا

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع     وجب الشکر علینا مادعا للّٰہ داع ۔

بطور استدلال، حدیث مذکور میں لفظ اِمْرَءَۃٌ آیا ہے جس کے معنی محاورات عرب میں بالغہ عورت کے ہیں۔ پس بالغہ عورت جو احکام شرعیہ کی مکلفہ ہے۔ اس کا دف بجانا اور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا دف سننا، ثابت ہوا۔ اگر بالغہ عورت کا دف بجانا ناجائز ہوتا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو نذر پوری کرنے کا کبھی امر نہ فرماتے۔ لٰہذا رقص و سرود کی محافل میں حاضری کو حرام سمجھنے والے پر لازم آتا ہے کہ نبی پاک حرام فعل کے مرتکب ہوئے نعوذ باللہ! جبکہ یہی اعتقاد بالاتفاق کفر ہے۔ اور اس میں بھی کوئی اختلاف نہیں کہ منّت حرام کام کے لئے منعقد نہیں ہوتی۔

[اعتراض۔ ایک مرتبہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ دعوت ولیمہ پر کوفہ میں بلائے ہوئے تشریف لائے۔ اتفاق سے وہاں سرود یعنی گانا بھی ہو رہا تھا لوگوں نے آپ سے اس کے متعلق دریافت کیا کہ گانا جائز ہے یا نہیں۔ آپ نے فرمایا: اُبْتُلِیْتُ بِھٰذَا مَرَّۃً فَصَبَرْتُ۔ "ایک دفعہ میں اس میں مبتلا ہوا اور صبر کیا" معلوم ہوا کہ غنا حرام ہے اور ہم ان کی اتباع کرتے ہوئے غنا و سماع کو حرام قرار دیتے ہیں۔۔

جواب۔ ——— اگر غنا حرام ہوتا تو امام صاحب جیسے متقی کی شان کو کب لائق کہ وہ حرام کام پر صبر کرتے اور سنتے رہتے۔ اور اس کے جواب میں اول یوں کہا جاتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا فرمان بسر و چشم واقعی انہوں نے سماع و غنا حرام قرار دیا جو کہ خواہشات نفسانیہ کی طرف میلان پیدا کرے جس میں غیر شرعی امور پائے جاتے ہوں اور جو سماع و غنا لھو و ہوا کی طرف

دعوت دے رہا ہو وہ بے شک حرام ہے۔ لہٰذا مطلق سماع وغنا کی حرمت ثابت نہ ہوئی۔ (وَاللّٰہُ اَعْلَمُ وَعِلْمُہٗ اَتَمُّ) کیونکہ مطلق غنا کو حرام قرار دینے میں دو باتوں میں سے ایک ہر حال لازم آتی ہے، کفر یا فسق۔ (مترجم)]

اِس بات کی وضاحت کچھ اِس طرح ہے۔ ہم تک پہنچنے میں حدیث پاک تین قسم ہے اور ہر قسم کے علیحدہ علیحدہ احکام ہیں۔

(۱) وہ حدیث جو اصل اور فرع دونوں اعتبار سے متواتر ہو جیساکہ نماز و زکوٰۃ کی احادیث مبارکہ۔ اِس حدیث کا حکم یہ ہے کہ اِن کا منکر کافر ہے۔

(۲) احادیث کی دوسری قسم وہ جو اصل میں خبر واحد ہو اور فرع میں مشہور ہو جائے جیسا کہ بخاری و مسلم اور بعض نقادوں (دارقطنی وغیرہ) کی بعض احادیث مقدسہ ہیں۔ ایسی احادیث کا انکاری فاسق کہلاتا ہے۔ البتہ بخاری و مسلم وغیرہ میں سے بعض وہ حدیثیں جن میں بعض جملے متواترات میں سے ہیں اور کچھ ایسی حدیثیں جن کی صحت پر یقین ہو چکا ہے تو ان کا انکاری "کافر" ہے۔

(۳) احادیث کی تیسری قسم جو اصل اور فرع دونوں لحاظ سے خبر واحد ہو جیساکہ اَمَانَۃُ اللّٰہِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ مِنِّیْ۔ ایسی احادیث کا منکر نہ کافر ہے نہ فاسق ہے۔

تقسیم احادیث کے بعد، جاننا چاہیئے کہ سرود و سماع سے تعلق رکھنے والی تمام احادیث مبارکہ، دوسری قسم سے ہیں یعنی اصل میں خبر واحد اور فرع میں مشہور ہیں۔ صاف ظاہر ہے کہ ایسی حدیثوں کا منکر فاسق ہوتا ہے۔ فیصلہ ہوا کہ جواز غنا کا منکر فاسق ٹھہرا۔

بصورت دیگر امام اعظمؒ کے قول پر عمل کر کے (جواز غنا کا انکاری بن کر) یہ ثابت ہوتا ہے کہ قول امام کو نبی پاک کے فعل و قول پر ترجیح دینے کا مرتکب ہوا۔

پس ثابت ہوا کہ مطلق غنا کو حرام قرار دے کر بندہ ایک نہ ایک فیصلے کا مرتکب ہوتا ہے یعنی حدیث نمبر دوم کا منکر جو فسق ہے یا قول امام کو فعل نبی پر ترجیح دینا جو کہ کفر ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ۔

جواب دوم۔ شیخ کامل علامہ ابو الفضل جعفر بن تعلب الادفوی، اپنی تصنیف لطیف

"امتناع السماع" میں فرماتے ہیں۔ تذکرہ صمدونیہ میں ہے اور مدارج النبوت باب التغنی میں آیا ہے۔ ابن قتیبہ سے روایت ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہ کا ایک ہمسایہ عمر نامی تھا وہ ہر رات کو آلات کے ساتھ غنا کرتا تھا۔

اَضَاعُوْنِیْ وَاَیَّ فَتًی اَضَاعُوْا لیوم کریہتہ وسدا وثغو

"لوگوں نے مجھے ضائع کر دیا اور نہ سوچا کہ جوان کو ضائع کر دیا؟ جو سختی اور رخنہ ڈالنے والی مصیبت کے روز ان کے کام آتا تھا"

امام صاحب اسے غور سے سنتے ایک رات آپ نے کچھ دیر بعد عمر کی آواز نہ سنی تو دریافت فرمایا معلوم ہوا کہ وہ بسبب قصور کے جیل خانہ میں قید کر دیا گیا ہے۔ امام صاحب اسی وقت اُٹھے عمامہ شریف سر پر رکھا اور سیدھے جیل خانہ کیطرف چلدیئے۔ امیر عیسی نامی آپ کے معتقدین ومحبین میں سے تھا آپ کو دیکھتے ہی سروقد آپ کی تعظیم بجالایا اور تشریف آوری کا سبب پوچھا آپ نے وجہ بیان فرمائی۔ امیر نے عمر نام والے تمام قیدیوں کو اسی وقت رہا کر دیا۔ جب وہی شخص جیل خانہ سے نکل کر امام صاحب کے ساتھ جانے لگا تو آپ نے فرمایا کہ اے جوان! کیا ہم نے آپ کو ضائع کر دیا؟ اس نے کہا نہیں بلکہ آپ نے حفاظت فرمائی۔ اختتام اس قصہ کا یوں ہے کہ اس شخص عمر نامی نے امام صاحب کا ادب ملحوظ رکھ کر گانا بجانا بند کر دیا مگر آپ نے اس سے فرمایا کہ جاؤ اپنے گانے میں مست رہو اور ہمیں بھی خوش رکھو پس عمر نے گانا بجانا کیا اور امام پاک نے سنا۔

اس روایت سے خوب اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ آپ اس کا گانا بجانا بغور سنتے تھے اور اسے گانے سے نہ روکا بلکہ اسے حکم دیا کہ (جاؤ گاؤ مست رہو اور ہمیں بھی گانا بجانا سنا کر خوش رکھو۔) سماع وغنا کی اباحت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے کہ زہد و کمال تقویٰ کے باوجود امام کا روزانہ گانا بجانا سننا، کسی اور امر پہ محمول نہیں کیا جاسکتا سوائے اس کے کہ وہ آپ کے نزدیک جائز تھا

ہاں وہ روایت درج بالا جو اس کے خلاف آپ سے مروی ہے، وہ اس گانے پر محمول ہوگی جو لایعنی اور لھو ولعب اور غیر شرعی امور پر مشتمل ہو۔ تاکہ آپ کے فعل وقول میں

مطابقت رہے۔

ہم سبھی ارادت مندوں کو سماع و غنا کا انکار کرنا اور اسے حرام قرار دینا مناسب نہیں ہے۔ بلکہ ہمارا فرض ہے کہ منکرینِ سماع و غنا کو ایسے طریقہ قائل کریں کہ وہ بھی اس کی مخالفت سے باز آجائیں۔

جاننا چاہیئے کہ سماع، مقدس ارواح کے لئے لطیف غذا ہے جس میں مشتاقانِ بارگاہ کو حُسن ہی حُسن نظر آتا ہے اور ذرہ بھر قبیح کا شائبہ نہیں پایا جاتا۔ ارواحِ مقدسہ اس سے محظوظ ہوتے ہیں اور دِل کی آزردگی دفع کرتے ہیں۔

حضرت ابو علی الدقاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ سماع اہلِ معرفت کی لطیف غذا ہے لیکن اس مسئلہ میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اور سُننے والوں کی حالت پر سماع کی حلت و حرمت موقوف ہے۔ اگر صاحب سماع کو حق کی طرف زیادہ میلان ہو تو سماع اس کے حق میں مباح ہے ورنہ مباح نہیں بلکہ حرام ہے۔ فرماتے ہیں کہ سماع کا حال بادِ صبا جیسا ہے۔ جب بادِ صبا باغات سے گزر کر آئے تو دِل دماغ پھولوں سے لائی ہوئی خوشبو سے فرحت و سُرور پاتے ہیں اور اگر ویرانوں اور گندگی کے گڑھوں پر سے گزر کر بادِ صبا آئے تو بدبُو سے اِنسانی مشام خراب اور پریشان ہو جاتے ہیں۔

الشاہ کلیم اللہ جہاں آبادی رحمتہ اللہ علیہ "عشرہ کاملہ" میں فرماتے ہیں۔ کہ جاننا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے رُوح و قلب میں عشق و شوق ودلیعت رکھا ہے اور عادت خداوندی یُوں جاری ہے کہ جب انسان ان دلفریب اور سُریلی آوازوں کو سُنتا ہے جس میں ایک مقناطیسی کشش اور کہربائی جذب ہوتا ہے۔ نیز اس میں سُریلی آواز کو شوق و عشق اور رُوح سے ایک خاص طرز کی مناسبت ہوتی ہے تو اس وقت عشق و شوق کو ایک زبردست تحریک ہوتی

ہے جس کے باعث وُہ باطن سے ظاہر میں قدم رکھتے ہیں اور جوش و شدت میں آجاتے ہیں۔ جب یہ بات معلوم ہُوچکی تو اب جاننا چاہیئے کہ ندب، اباحت اور حرمت کا دارو مدار اسی عشق و شوق پر ہے یعنی یہ عشق کبھی مباح، کبھی مستحب اور کبھی حرام ہوتا ہے اگر خالقِ کائنات کا عشق ہے تو مُبارک مستحب اور مستحسن ہے اور اگر کسی ایسی مخلوق کا عشق ہے جس کی طرف شارع علیہ السلام نے شہوت سے دیکھنا حلال فرمایا تو ان سے عشق مباح اور جائز ہے۔ جَیسا کہ اپنی منکوحہ بیوی یا مملوکہ لونڈی ہو۔ اور اگر ایسی مخلوق کا عشق ہے کہ بشہوت نظر کرنا اس پر حرام کر دیا گیا ہے۔ جیسا کہ اجنبی عورت اور غیر مملوکہ اور خوبصُورت لڑکا، تو یہ عشق حرام ہے۔ ان دونوں قسموں کے عشق میں سماع حرام ہے بشرطیکہ یہ سماع شہوت برانگیختہ کرے اور سامع کو رہ رہ کر شہوت پرستی اور شراب نوشی پر اُبھارے اور اُکسائے۔

لیکن جَب سُننے والا شہوت سے امن میں ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اور جو شخص صرف نشاط قلب اور فرحت رُوح کے لئے راگ سُنتا ہے تو اسے حلال اور مباح ہے۔ اور اگر کسی شخص کا قلب و جگر ان تمام باتوں سے خالی ہو تو اُس کے حق میں راگ مکروہ ہے۔ مکروہ تحریمی نہیں بلکہ مکروہ تنزیہی ہے۔ کیونکہ ایسے شخص کے حق میں سماع سُننا عبث اور بیفائدہ عمل ہے۔

جھانجھ دار دف، طبلہ، شاہین بانسری اور تمام وُہ آلات جو مزامیر و اوتار کے علاوہ ہیں۔ سَب کا گانا بجانا جائز ہے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ "مزمار" ایک آلۂ موسیقی ہے (مُرلی بانسری) جس سے سُریلی آوازیں وجود میں آتی ہیں۔ عُلماء و مشائخ رضوان اللہ علیہم نے اس کو سُننے میں اختلاف فرمایا ہے۔

بعض نے کہا کہ مزامیر سننا اور مزامیر بجانا دونوں حرام ہیں وجہ یہ بتلائی کہ مزامیر سُننے بجانے سے شراب نوشی یاد آجاتی ہے۔ (زمانہ جاہلیت میں مزمار اور شراب دونوں لازم ملزوم تھے) ثقہ لوگوں کی روایت ہے کہ جب آیت الخمر نازل ہُوئی۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہُوا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پارہ رکوع ) اے ایمان والو! شراب، جوا

بت اور تیر پلید شیطانی عمل میں سے ہیں پس ان سے پرہیز کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے شراب کے ساتھ مزامیر بھی حرام قرار دیئے کیونکہ شراب نوشی اور دف و سرود آپس میں دونوں لازم و ملزوم تھے اور یہی وجہ ہے کہ سرود و سماع سن کر انہیں شراب یاد آیا کرتی اور شراب نوشی کے مرتکب ہو بیٹھتے تھے۔ لہٰذا احتیاطاً سرود و سماع اور مزامیر بھی شراب کے ساتھ حرام کر دیئے گئے۔

بعض حضرات کا خیال ہے کہ جنگ و جہاد۔ پانچوں وقت برائے نماز اور نکاح برات ولیمہ کے اعلان و اظہار کیلئے ڈھولک بجانا مباح اور حلال ہے جیسا کہ حدیث صحیح میں آیا ہے: عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهٖ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ شریف ص۲۷۲)

بروایت سیدہ عائشہ، نکاح کا اعلان کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کرو اور اس پر ڈھولک بجاؤ۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ عید اور مسرت و شادمانی کے دنوں میں ڈھول باجے بجائے جائیں تاکہ خوشی کا اظہار ہو اس لئے کہ ڈھولک کی آواز میں دو صفات پائے جاتے ہیں۔ ایک سُریلی آواز اور دوسری صفت ہے۔ پوری شدت و قوت سے اعلان و اظہار۔ انہی دو وصفوں کی وجہ سے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سماع و سرود کو مباح فرمایا ہے۔ (ان احادیث و روایات سے لھو و لعب کی رخصت اور خوش الحانی کے ساتھ شعر پڑھنے اور سننے کا جواز روزِ روشن کی طرح ثابت ہے۔

پس جب لھو جائز ہوا تو آلہ لھو کیونکر حرام ہو سکتا ہے۔ لھو مسبب ہے اور آلہ اس کا سبب ہے۔ معارف آلات لھو ہیں اور لھو جائز ہوا تو مزامیر و معازف کا حرام ہونا کیونکر متصور ہو سکتا ہے۔؟

ہم اپنے بیان میں واضح کر چکے ہیں اور ثابت کر دیا ہے کہ مزامیر میں دف شامل ہے اس لئے کہ وہ بھی ایک آلہ لھو ہے اور دف کا بجانا جائز لہٰذا بطور قیاس باقی مزامیر و معازف مطلقاً حرام نہیں ہوں گے ورنہ دف بھی حرام ہو گا۔ اور یہ باطل ہے۔

اور یہ بات طے ہے کہ سرود و سماع کی حلت و حرمت لھو و لعب پر موقوف ہے۔ لھو و لعب علت ہوگی تو غنا پر حرمت کا حکم ہوگا۔ علت نہ ہو تو حرمت کیسی؟

حجتہ الاسلام امام الغزالی رحمتہ اللہ علیہ، مزامیر کی آواز کو پرندوں کی آوازوں پر محمول فرماتے ہیں اور اسے سننا گانا بجانا مباح قرار دیتے ہیں۔ محمول کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مزامیر اور پرندوں دونوں کی آواز میٹھی اور سریلی ہی ہے۔ اسی طرح امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کے بقول غمزدوں اور دردمندوں کو سرود و سماع جائز ہے۔ غلبہ شوق میں بعض مغلوب الحال لوگوں نے مزامیر کے ساتھ قوالی سنی ہے۔ اس کی تائید ذوالنون مصری کے فرمان سے ہوتی ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اچھی آوازیں، اللہ تعالیٰ کے خطابات و ارشادات ہیں جن کو ہر مرد و عورت کی پاکیزہ جان میں ودلیعت رکھا گیا ہے۔ علت حرمت (فسق و فجور، غفلت از خداوند، لھو و لعب) نہ پائے جانے سے اچھی آوازیں سننا مباح ہے۔ علیٰ ہذا القیاس، جنگ میں طبل زنی، نکاح میں ڈھولک بجانے اور مسرت و شادمانی کے دنوں میں سماع و غنا، مباح ہے۔ علت میں تغیر و تبدل آنے سے حکم میں تبدیلی لازم ہو جاتی ہے۔

جب صاحبِ ذوق شخص، لھو تغافل لطاعات اللہ سے فارغ ہو اور اس کا دل روح کی صفائی اور پاکیزگی سے متصف ہو عشق الٰہی و معرفت باری کی صفات حسنہ پائی جائیں اور دیدارِ خداوندی اور اس کے مشاہدہ ذاتی کا شوق رکھتا ہو تو ایسے سعادت مند شخص کو مزامیر کی آوازیں نہ صرف کدورت سے نکال کر پاکیزگی کی طرف لے آتی ہیں بلکہ پستی سے اٹھا کر عشق کی بلندیوں تک پہنچا دیتی ہیں۔ اور اس میں شک نہیں کہ عالم ملکوت کی سیر کے لئے روحانی قوت اور باطنی غذا ہی سریلی آواز ہے۔

شاہ کلیم اللہ جہاں آبادی قدس سرہٗ اپنی تصنیفِ لطیف "عشرۃ کاملہ" میں فرماتے ہیں۔ سماع کے وقت جو سعادت عالم بالا سے فائض ہوتی ہے اس کی تین قسمیں ہیں۔ انوار۔ احوال اور آثار۔ ان تینوں میں سے ہر ایک چیز خداوند تعالیٰ کے تین عالم یعنی عالم ملکوت، عالم جبروت اور عالم ملک سے پیدا ہوتی ہے اور ان میں ہر ایک کا ان تین مقاموں یعنی ارواح قلب اور جوارح میں سے کسی ایک پر بالترتیب نزول ہوتا ہے۔ انوار عالم ملکوت سے پیدا ہو کر ارواح

پر نزول کرتے ہیں اور احوال، عالم جبروت سے علیحدہ ہو کر دل پر نازل ہوتے ہیں اور آثار عالم مُلک سے پیدا ہو کر اعضا پر آتے ہیں۔

چنانچہ عشرۃ کاملہ میں آیا ہے کہ سماع و غنا دو قسم ہے ایک ہاجم دوسرا متکلف پہلی قسم کا سماع، قلب میں ایک ایسی غیر معمولی حرکت پیدا کرتا ہے جو بیان میں نہیں آسکتی۔ اور دوسری قسم سماع متکلف کی شان سے یہ ہے کہ سُننے والا اسے سُنتا ہے تو اس کا دل خود بخود ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ محبوب کی طرف برانگیختہ ہوتا ہے۔ مُرشد ہادی اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف طبعی میلان رکھتا ہے اور خود حق تعالیٰ و تقدس کی تجلّی کی طرف مائل ہوتا ہے۔

اور سماع و غنا کبھی کبھار کشف و مشاہدہ کا باعث و سبب بھی ہوتا ہے کیونکہ اس سے انسانی حالت میں تغیر و تبدل پیدا ہو جاتا ہے۔

فائدہ۔ جاننا چاہیئے کہ سماع کے آداب بہت ہیں مگر مشہور تین ہیں۔ زمان۔ مکان اور اخوان۔

(۱) زمان سے مُراد یہ ہے کہ سماع کی محفل اس وقت منعقد ہو جب نہ تو نماز کا وقت ہو نہ کھانے پینے کے لئے حاضر ہونے کا وقت ہو۔ دل میں گرفتگی نہ ہو بلکہ دل جمعی کا وقت ہو۔

(۲) مکان سے مُراد یہ ہے کہ سماع کی محفل کا مکان، شارع عام نہ ہو اور عام چلتے ہوئے راستہ پر نہ ہو۔ نیز ایسی جگہ بھی نہ ہو جس کی ظاہری صورت مکروہ ہو اور ناموزوں ہو بلکہ مجلس خانہ دِل کشا اور فرحت بخش جگہ ہو اور اس مکان کی تعمیر کا اینٹ گارا تک رزقِ حلال سے ہو۔

(۳) تیسرے نمبر یہ کہ اس محفلِ سماع میں شامل سبھی پیر برادران ہوں تاکہ کسی شخص کے دل میں انکار و مخالفت پیدا نہ ہونے پائے۔ نیز اس محفل میں کافر نہ ہو، فاسق و فاجر، مُنکر، خوبصورت لڑکا اور عورت نہ ہو اور یہ بھی ضروری ہے کہ اس محفل سماع میں کوئی سماع و سرود کا مُنکر، جو بظاہر لباس زہد سے ملبوس اور آراستہ ہو اور باطن میں متکبر، متکلف، نخوت پسند اور ریا کار ہو، نہ ہو۔

[ سماع اے برادر بگویم کہ چیست | مگر مستمع را بدانم کہ کیست ؛
گر از برج معنی بود طیرِ اُو | فرشتہ فرد ماند از سیرِ او
وگر مردِ لھواست بازی ولاغ | قوی تر شود دیوش اندر دماغ

(سعدی رحمتہ اللہ علیہ) ۔ مترجم ]

الشاہ کلیم اللہ قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ درج بالا آداب سماع کے ساتھ ساتھ چند اور بھی ایسے آداب ہیں جن کی رعایت سالک پر لازمی اور ضروری ہے۔

مثلاً جب تک محفل سماع قائم رکھی جائے حاضرین باوضو رہیں۔

محفل سماع جمنے سے بیشتر اور اس کے آخر میں سورۃ فاتحہ شریف ایک دفعہ اور تین بار سورۃ اخلاص پڑھ کر جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بکثرت درود و سلام پڑھے جائیں۔ اس محفل میں کوئی شخص پالتی مار کر نہ بیٹھے نہ چت لیٹا رہے بلکہ حالت تشہد میں بیٹھا جائے۔ قوال لوگ اجرت کے لالچی اور حریص نہ ہوں بلکہ جو کچھ انہیں دے دیا جائے نقدی وغیرہ اسے عنایت و احسان سمجھ کر قبول کر لیں۔

دورانِ سماع ایک دوسرے سے کلام نہ کریں نہ دیدہ دانستہ ہنسا جائے بلکہ دوران قوالی و سماع سر فگندہ رکھے اور جو کچھ گایا جا رہا ہو بغور اور ہمہ تن توجہ سنا جائے۔ کھانسنے، کھنکارنے اور جماہیاں لینے سے اجتناب کیا جائے۔ اگر وجد غالب ہو اور بے اختیار تحریک ظاہر ہو تو معذور ہے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بات ضروری ہے کہ جب ہوش و حواس بحال ہو جائیں تو مستقل طور پر بیٹھ جائے کوئی حرکت نہ کرے۔

اِس مقام کی تفصیل یہ ہے کہ اختیار اور شعور دو متغائر مفہوم ہیں دونوں کو ملا کر چار صورتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔

ایک دونوں کا عدم۔ دوسرے دونوں کا وجود۔ تیسرے اوّل کا وجود اور دوسرے کا عدم۔ چوتھے اِس کے برعکس یعنی اوّل کا عدم اور دوم کا وجود۔ لیکن حالت سماع و سرود میں یہی چوتھی

صُورت یعنی اختیار کا عدم اور شعور کا وجود ۔ بیحد پسندیدہ اور خور سند ہے کیونکہ یہ صُورت، پہلی صورت سے جسے بعض لوگوں نے جائز قرار دیا ہے ۔ بہر حال اولیٰ اعلیٰ اور بہتر ہے ۔

اور باقی دونوں درمیانی صورتیں وجد و رقص کیلئے متروک ہیں ۔

چوتھی صُورت کے اولیٰ اور بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ صاحب وجد کی حالت بالکل ویسی ہی ہوتی ہے جیسے نہایت غضب ناک اور غصیلے شخص کی حالت عین غصّہ و غضب میں ہوتی ہے ۔ غضبناک آدمی غُصّہ کے وقت اپنے افعال کے نتائج کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور ان کا شعور رکھتا ہے ۔ دیکھیئے جب کسی غصیلے آدمی کے غُصّہ کی آگ بڑی تیزی کے ساتھ بھڑک اُٹھتی ہے تو وُہ یا تو اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے یا اس کا مُنہ پیٹنے لگتا ہے یا لکڑی سے مارنے لگتا ہے ۔ یا قتل کر ڈالتا ہے اور اس بات کا بخوبی شعور ہوتا ہے کہ طلاق کیوجہ سے جدائی واقع ہو جائے گی اور مُنہ پر طمانچے مارنے سے عورت کو تنبیہہ ہوگی اور ہاتھ سے مارنا، لکڑی سے زدو کوب سے کم تر سزا ہے ۔ اسیطرح ضرب، قتل کی نسبت کم تر درجہ رکھتی ہے ۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے لیکن وُہ غضبناک آدمی، ان مراتب و مقامات کے صدور میں کوئی اختیار نہیں رکھتا ہوتا ۔ علی ہٰذا القیاس، صاحب وجد بھی اختیار نہیں رکھتا مگر قوال کا کلام سمجھنے کا شعور رکھتا ہے اور کپڑے اُتار کر قوالوں کو دینے کا شعوُر بھی رکھتا ہے ۔

پس جو لوگ اس بات کے قائل ہیں کہ سماع کے وقت، اختیار کے ساتھ شعوُر کا سلب بھی ہونا چاہیئے تو وُہ ٹھیک نہیں کہتے ۔

[ دیکھیئے نشہ بازوں کی مجلس میں اس نشہ باز کو ترجیح دی جاتی ہے جو نشہ پینے کے باوجود بے ہوش نہیں ہوتا ہے، بخلاف ان نشہ بازوں کے جو نشہ پی کر مدہوش ہو جاتے ہیں اُنہیں لوگ کسی شمار میں نہیں لاتے ہیں اور سالک کو اس شرم کے مارے، وجد میں رہنا اور اس پر مداومت کرنا لائق نہیں ہے ۔ کہ مبادا لوگ یُوں کہنے لگیں اس شخص نے اپنے وجد کو قرب سے منقطع کر لیا ہے اسی طرح خوف سے بتکلف وجد کرنا بھی مناسب نہیں کہ اسے قاسی قلب سخت دِل اور عدیم الرقت کہا جائے گا ۔ بلکہ سالک کو چاہیئے کہ جب اپنے

دِل میں سماع سے بے رغبتی پائے تو فوراً مجلس سے نکل آئے اور بیش قیمت وقت کو برباد نہیں کرے کیونکہ اس حالت کے بعد اُسے سماع و غنا سُننا محض حرام اور ناجائز ہے۔ (مترجم) ]

آدابِ سماع میں سے یہ بھی ہے جب کسی اہلِ دِل پر وجد غالب ہو اور وُہ ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ کھڑا ہو جائے تو حاضرینِ مجلس کو بھی تعظیم و تکریم کے لئے کھڑے ہو جانا چاہیئے۔ اور ان میں سے بعض لوگ، وجد کرنیوالے کی حفاظت کیلئے چوکنا ہو جائیں تاکہ اسے کوئی ایسا صدمہ نہ پہنچے کہ اس کے اعضاء کٹ جائیں۔ اور جب اسے سکون میسّر ہو تو اسے مجلس سے اُٹھا کر ایک طرف ڈال دیں اور خیال رکھا جائے کہ کہیں سے اس کا ستر نہ کھل جائے اگر وُہ اس حالت میں کسی بیت، مصرعہ یا رباعی کی آواز کا تکرار چاہے تو گو ان حاضرینِ مجلس کو مرغوب خاطر نہ ہو لیکن پھر بھی اس کے حکم کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھا جائے۔ اور قوال پر لازم ہے کہ وُہ صاحب وجد کا ہر وقت تتبع کرتا رہے۔ اور اس کی فرمائش پُوری کرتا رہے۔

ساتواں اُدب یہ ہے کہ جب مجلس برخاست ہونی ہو تو سب حاضرین سُورۃ فاتحہ پڑھ کر تین بار اخلاص پڑھ لیں اور جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود و سلام پڑھ لیں اور دو چار آیاتِ قرآنیہ بھی پڑھ کر مجلس برخاست کر دیں۔

آدابِ سماع مختصر بیان ہُوئے ہیں اور اس کے علاوہ اور بھی ہیں جیسا کہ لباس پاک اور نیا رکھے۔ پنکھا سے ہوا نہ لے خوشبو لگائے، مجلس سماع میں نہ کھائے نہ پیئے اگر شدید پیاس ہو تو مجلس سے باہر جا کر پانی پی لے اور پھر باادب مجلس میں واپس آ جائے۔ سماع میں نعرہ نہ لگائے یہ کام ناقص لوگوں کے ہیں۔ بالخصوص دھاڑیں مارنا، فریاد کرنا شیطانی کام ہے رحمانی کام نہیں ہے۔ اور صاحب سماع کے لئے ضروری ہے کہ سونا کی طرح پگھل جائے مگر زبان سے فریاد نہ کرے۔

کتاب تذکرۃ الاتقیاء میں منقول ہے حضرت سُلطان المشائخ شاہ نظام الدین محبوبُ الٰہی سُلطان الاولیاء محفلِ سماع میں رقص فرما رہے تھے۔ یکایک ایک صُوفی باہر سے آیا اور محفلِ سماع میں شریک ہوگیا۔ شوقِ عشق کی آگ کا غلبہ ہوا آہ نکلی جل کر راکھ کا ڈھیر بن گیا جب محبوبِ الٰہی ہوش میں آئے تو راکھ کی ایک ڈھیری لگی دیکھی پُوچھنے پر غلاموں نے عرض کیا کہ سماع کی محفل میں ایک صُوفی شریک ہُوا تھا۔ سُنا تو شوق و محبت کی آگ نے اس پر اس قدر غلبہ کیا کہ وُہ جل کر راکھ ہو گیا۔ آپ نے پانی منگوایا کچھ پڑھا دم کیا اور وُہ پانی اس راکھ کے ڈھیر پر انڈیل دیا۔ بفضلہ تعالیٰ وُہ صُوفی زندہ ہوکر اُٹھ بیٹھا اور سُلطان المشائخ رحمتہ اللہ نے فرمایا جلیئے اور کبھی بھُول کر بھی ہماری مجلس میں نہ آیئے۔ ابھی تم ناتمام اور خام پیشہ ہو ایک آہ نکلی اور جل کر راکھ ہو گئے۔

صُوفیاء کرام رضوان اللہ علیہم کو دیکھیے ان پر تلواریں چل جاتی ہیں نہ آہ نہ فریاد بلکہ ہر دم صابر و شاکر رہتے ہیں اور تمہارا یہ فعل تمہارے ناتمام ہونے کی علامت ہے شخص مذکور شرمندہ ہوکر چلا گیا۔

حضرت جہاں آبادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں جو شخص درج بالا آداب سماع کو ترک کرتا اور ان مجلسی حقوق کو نظر انداز کر دیتا ہے تو وُہ گویا لھو و لعب کا مرتکب اور بدعتی ہے اور یہ گناہ اس کا اس کے لئے سماع و سرود کے نفع و فائدہ کی نسبت زائد ہے۔

شیخ ابن العربی محیُّ الدین قدس سرہٗ فرماتے ہیں۔

سماع تین قسم ہے حلال، حرام اور مشتبہ۔ اگر سماع سے شہوت برانگیختہ ہو اور اس سماع میں ہوا و ہوس دخل انداز ہو تو سماع حرام ہے۔ دورِ جاہلیت کے غنا سے مشابہت رکھتا ہے اور اپنی بیوی اور لونڈی مملوکہ سے گانا بجانا سُننا، مباح اور حلال ہے۔ اگرچہ اس میں ہوا و ہوس کا دخل بھی ہو۔

اور جب سامع کا دِل ان تمام امور غیر شرعیہ سے فارغ ہو صرف حق سُبحانہٗ و تعالیٰ کے تقدس اور اللہ پاک کی تجلی کی طرف مائل ہوتے وقت سماع کا انعقاد کیا جائے تو ایسا سماع بالاتفاق حلال ہے۔ اسی طرف اقوالِ صُوفیہ متوجہ ہیں۔

مشائخ کرام کے مختلف ارشادات اور ان کی عبارات ۔

۱۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سماع ایک وارد حق ہے جو دل کو حق کی جانب برانگیختہ کرتا ہے تو جو شخص سماع کی طرف دل کے ساتھ متوجہ اور مائل ہوتا ہے وُہ مرتبہ تحقیق کو پہنچ جاتا ہے۔ اور جو نفس کے ساتھ اس کی طرف توجہ کرتا ہے وُہ زندیق بدبخت اور بیدین بن جاتا ہے۔

۲۔ حضرت ابوبکر الشبلی رضی اللہ کا قول ہے کہ سماع کے ظاہر میں فتنہ اور باطن میں عبرت ہے جو شخص اشارے کو پہچانتا ہے اس کے لئے سماع بطور عبرت حلال اور جائز ہے اور جو شخص اس قدر لیاقت نہیں رکھتا وُہ اپنے آپ کو فتنہ میں مبتلا کرتا ہے اور آفت و بلا کا سامنا کرتا ہے۔

۳۔ حضرت ابوعلی رودباری رضی اللہ عنہ سے جب کسی نے سماع و غنا کی بابت دریافت کیا تو آپ نے اس کے جواب میں یوں فرمایا۔

"کاش ہم برابر چھوٹ جائیں اور اس کی وجہ سے ہم پر کوئی مواخذہ نہ ہو"

۴۔ حضرت جنید سماع و سرود کے متعلق اکثر یہ اشعار پڑھا کرتے تھے۔

اَلْوَجْدُ یُطْرِبُ مَنْ فِی الْوَجْدِ رَاحَتُہٗ ‌ ‌ ‌ وَالْوَجْدُ عِنْدَ وُجُوْدِ الْحَقِّ مَفْقُوْدُ !!

قَدْ کَانَ یُطْرِبُنِیْ وَجْدِیْ فَاَذْھَلَنِیْ ‌ ‌ ‌ عَنْ رُؤْیَۃِ الْوَجْدِ مَا فِی الْوَجْدِ مَقْصُوْدُ

یعنی وجد اس شخص کیلئے طرب بخش ہوتا ہے جس کو وجد میں راحت ملتی ہے اور وجود حق کے وقت وجد گم ہو جاتا ہے۔ اکثر و بیشتر، میرے وجد نے مجھے خوشی بخش دی لیکن اس کے ساتھ ہی اس چیز کیلئے باز رکھا جو وجد سے مقصود و مطلوب تھی۔

۵۔ حضرت بایزید البسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شَرِبْنَا وَاَہْرَقْنَا جُرْعَۃً بَعْدَ جُرْعَۃٍ
فَمَا نَفِدَ الشَّرَابُ وَمَا رَوِیْتُ !!

ہم نے شراب عشق گھونٹ لے لے کر پی اور اپنے ارد گرد بھا ڈالی نہ شراب ہی ختم ہوئی نہ ہم اس سے سیر ہوئے۔

۶۔ جنید بغدادی فرماتے ہیں، خدا کی رحمت انسان پر تین مقامات پر نازل ہوتی ہے ایک کھانے کے وقت کیونکہ درویش انسان ضرورت و حاجت کے بغیر اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا۔ دوسرے بات کرتے وقت وجہ یہ کہ درویش صرف ضرورت بھر بات کرتا ہے۔ تیسرے سماع و سُرود کے وقت، کیونکہ وُہ وجد ہی کی ضرورت سے راگ رنگ سُننے کی طرف رغبت ظاہر کرتا ہے۔

۷۔ ہمارے شیخ جہان آبادی قدس سرہٗ فرماتے ہیں سماع اللہ تعالیٰ کی سُلگائی ہُوئی آگ ہے جو دلوں پر چڑھی چلی جاتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ سماع تین آدمیوں سے تعلق رکھتا ہے۔ متسمع، مستمع اور سامع سے۔ متسمع وُہ شخص ہے جو وقت پاس کرنے کی خاطر سماع کرتا ہے مستمع وُہ ہے جو حال کے تابع ہوکر سماع کرتا ہے اور سامع وُہ ہے جو حق کی خاطر سماع کرتا ہے۔ پس متسمع کی صفت تواجد یعنی بہ تکلف وجد کرنا ہے، مستمع کی صفت وجد یعنی بے تکلّف کرنا ہے اور سامع کی شان وجود یعنی حقیقت کو پانا ہے۔

واضح رہے کہ مشائخ فرماتے ہیں "تواجد" کہتے ہیں اندوہ و ملال کو اور "وجود" کے معنی "پانے" کے ہیں اور یہ دونو ایسی حالتیں ہیں جو کہ سماع سے پیدا ہوتی ہیں بعض لوگوں کو اس سے کرب و اضطراب پیدا ہوتا ہے اور بعض کو خوشی اور مسرت۔ پھر اوّل یعنی تواجد جسطرح مراد کو گم کرنے اور مقصود کو فوت کرنیوالا ہے۔ اسیطرح دوسرا یعنی وجود مُراد و مقصود کو پانے والا ہے اور یہ دونو حالتیں اگرچہ طالب کی صفت میں تبدیل ہوتی ہیں لیکن مقصود و مطلوب میں کبھی تغیر و تبدل نہیں واقع ہوتا۔ پس غایت اس چیز کی جو اوّل کی نسبت کہا جاتا ہے یہ ہے کہ وجد طالب و مطلوب کے درمیان ایک راز ہے۔ اور غایت اس چیز کی جو دوم کی نسبت کہا جاتا ہے یہ ہے کہ وجود، محبوب کی جانب سے محب کیلئے فضل و کرم ہے اور بس۔

بعض عارفین رضوان اللہ علیہم کا کہنا ہے کہ دل کو درد اور الم پہنچانے کا نام، وجد ہے جبکہ دل میں درد و الم دو چیزوں سے اُٹھتا ہے خوشی و فرحت سے یا رنج و تکلیف سے، پہلی صورت میں تو صاحبِ وجد کو حجاب اُٹھ جانے کی وجہ سے عین کشف و مشاہدہ میں سکون

ملتا ہے۔ اور دُوسری صُورت میں مقصد تک نہ پہنچنے کیوجہ کر کے اس کے غلبہ شوق میں حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

تواجد کے متعلق بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایسی وزن دار حرکت جو سُننے والے سے بلا اختیار صادر ہو جاتی ہے۔ اور بدیں معنی تواجد مستحب اور مستحسن ہے۔ اس سے دل میں وجد پیدا ہوتا ہے۔ اور وجد ہی محبوب میں وجود ملاتا ہے۔ اسی مضمون کی تائید کرتی ہے یہ مقدس حدیث کہ جب امیر معاویہ نے تواجد کو لہو و لعب کا نام دیا تو آنحضورصلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں جھڑک دیا اور فرمایا۔

"اے معاویہؓ جو شخص محبوب کا ذکر سُن کر وجد میں نہ آئے وُہ کریم نہیں"

جناب جنید رضی اللہ تعالیٰ سے تواجد کی بابت پُوچھا گیا تو فرمایا عالم میثاق میں، اللہ جل شانہٗ نے ارواح کو مخاطب کر کے فرمایا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّکُم قَالُوا بَلٰی۔ یَں خُود اللہ تعالیٰ کا کلام سُننے میں پوری پوری توجہ کئے ہُوئے تھا۔ اَب بھی ارواح سُرود و سماع کی آواز سُنتے ہیں تو ان میں اللہ تعالیٰ کی یاد موجزن ہوتی ہے اور سُرود و سماع اُن میں حرکت پیدا کر دیتا ہے۔

اور غنا و سُرود کو حضُور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے خلفائے راشدین نے، صحابہ کرام نے تابعین آئمہ اربعین اثنا عشر نے چار سو چالیس مشائخ کبار نے دو ہزار اولیاء اللہ نے ایک سو بیس فُقہاء نے ایک ہزار عُلماء کرام نے اور لاکھوں کی تعداد میں عامۃ المومنین نے کہا جیسا کہ امام ابن ہمام مکی نے اپنی تصنیف جواز السماع میں نقل کیا ہے۔ نیز احادیث صحاح ستہ سے بھی ہم نے سماع کو ثابت کر دیا۔ چاروں اماموں کے مذہب سے قولاً و فعلاً غنا ثابت ہُوئی۔ اَب اللہ تعالیٰ کی پوری طرح حجت قائم ہوگئی اور اس کے بعد جو کوئی انکار کرے گا جواز سماع کا تو اس کا قول مردُود ہوگا۔

تذکرۃ الاتقیاء میں منقول ہے کہ سُلطان المشائخ کو پوربی پروہ (ایک قسم کا گانا) بہت پسند تھا۔ ایک مرتبہ بعض حاضرین نے دریافت کیا کہ حضرت مخدوم پروہ پوربی بہت پسند کرتے ہیں اور یہ آپ کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔ فرمایا جی ہاں صحیح ہے۔ ہم نے ندائے "اَلَسْتُ بِرَبِّکُمْ" اسی راگ میں سُنی تھی اور آج تک وُہی کیف و مستی اور لذت و ذوق میرے دل اور

میرے کانوں میں باقی ہے۔ بہت افسوس! کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں مگر پوری پردہ بوڑھا نہیں ہوا ہے۔

اللہ والوں کے ہاں ازل سے ابد کا عرصہ صرف ایک ساعت ہے۔

ازل تا ابد ہمچناں شاں بگوشش

بفریاد قالوا بلیٰ در خروشش !!

حدیث پاک میں آیا ہے کہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مولائی علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ایک دن فرمایا "اَنْتَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْکَ" تم مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ یہ مژدہ جانفزا سنتے ہی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ وجد میں آ گئے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت امام جعفر الصادق رضی اللہ عنہ نے حضرت "زید" سے فرمایا "اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا" تم ہمارے بھائی اور مخلص دوست ہو تو حضرت زید وجد میں آ گئے تھے۔

ثابت ہوا کہ فرحت و سرود کے وقت "وجد میں آجانا" روح کی ایسی صفت ہے جس سے قلب بھی جاری ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ جنید الشیخ البغدادی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پس روح محرک ہے یعنی برانگیختہ کرنیوالا ہے اور دل محرک نہیں اور جب روح پسندیدہ نغمہ اور سریلی آواز سن کر جھومنے لگتا ہے اور جسم میں نرمی و گداز پیدا ہو جاتی ہے تو بلا اختیار انسان سے وزن دار حرکات ظاہر ہونے لگتی ہیں جس سے انکار نہیں ہو سکتا اس لئے وجد متواجد سے بلا اختیار ظاہر ہوا کرتا ہے۔ بخلاف رقص کے کہ رقص کا لغوی معنی ہے جھومنا، ناچنا اور ارد گرد گھومنے ہاتھ نچانے گردن ہلانے اور اصول نغمات کے مطابق مقاطع پر پاؤں کو گھمانے کا نام ہے جس میں تصنع اور اختیار سے حرکات کو ظاہر کرنا پایا جاتا ہے اور یہ کام بیہودہ لوگوں کا ہے جن پر ہوائے نفس غالب ہو رقص باین صفت بمعنی بالاتفاق حرام ہے۔

وجد کرنیوالوں کی حرکات، احوال کے تنوع کے اعتبار سے چند قسم ہوتی ہیں پہلی حرکت یہ ہے۔ ذبح شدہ جانور کی بوقت ذبح حرکات کے مطابق ہو۔

یعنی بوقتِ ذبح جس طرح ذبح ہونے والا جانور تڑپتا ہے صوفی بھی اسی طرح تڑپے۔

دوم حرکت۔ بوقتِ طلب پیدا ہوتی ہے۔ جیساکہ جاری دریا کو دیکھ کر بے آب مچھلی میں حرکت کا ظہور ہوتا ہے۔ یعنی صوفی سماع اور وجد کے دوران ماہیٔ بے آب کی طرح بے قرار ہو جائے

حرکت کی قسم سوم وہ ہے جو خوشی و مسرت میں سرزد ہوتی ہے جیساکہ روشنی کو دیکھ کر، چیونٹیاں حرکت کرنے لگتی ہیں۔

پہلی حرکت نفس کا حصہ ہے دوسری حرکت دِل کا اور تیسری حرکت روح کا حصہ ہے۔ پہلی حرکت نفس کو ہلاک کرتی، دوسری حرکت دِل کو منزلِ مقصود کی طرف پہنچاتی ہے اور تیسری حرکت روح کو بادشاہ بنادیتی ہے۔

یہ وجد و ذوق جو مسرت و فرحت کے ساتھ ہو، اللہ والوں کے ساتھ مخصوص ہے جیساکہ درج ذیل محبت بھرا قصیدہ سُن کر سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جھومنے لگے اور صحابہ کرام بھی وجد میں آگئے تھے۔

لَقَدْ لَسَعَتْ حَیَّۃُ الْھَوٰی کَبِدِیْ     فَلَا طَبِیْبَ لَھَا وَلَا رَاقٖ !!

اِلَّا الْحَبِیْبُ الَّذِیْ شَغَفْتُ بِہٖ     فَعِنْدَہٗ رُقْیَتِیْ وَ تِرْیَاقٖ

عشق و پیار کے سانپ نے میرے جگر کو ڈس لیا جس کے لئے نہ تو طبیب میسّر ہے اور نہ کوئی دم کرنیوالا۔ سوائے اُس محبوب کے جس کا میں گرویدہ ہو کر رہ گیا ہوں میرا تریاق بھی اس کے پاس ہے اور مجھ پہ دم کرنا بھی وُہی ہے۔

سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایسا کیف اور طرب طاری ہوا کہ کندھے پر سے چادر نیچے آرہی۔ یہیں سے جان لینا چاہیئے کہ جب وجد و کیفیت نبیٔ پاک اور اصحاب کرام کے معمولات میں سے ہے تو یقیناً محمود ہے اگرچہ ظاہر بین اسے لہو و لعب کہہ رہا ہو جیسا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ نے کہا تھا: مَا اَحْسَنَ لَعِبَکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَمَنَعَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَہْ یَا مُعَاوِیَۃُ لَیْسَ بِکَرِیْمٍ مَنْ لَمْ یَجِدْ عِنْدَ سِمَاعِ ذِکْرِ الْحَبِیْبِ

یعنی جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ نے اس موقع پر کہا کہ یارسول اللہ آپ کتنا اچھا لعب فرما لیتے ہیں تو نبیٔ پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سختی سے روکا اور فرمایا، اے معاویہ خاموش رہو۔

"محبوب کا ذکر سُن کر وجد میں نہ آنیوالا کریم نہیں ہوتا۔"

اعتراض :۔ اگر کوئی شخص کہے کہ دورِ اوّل میں اگرچہ سُرود و سماع مباح تھا مگر موجودہ دور میں کسی کو ذکر و فکر کی رغبت نہیں رہی اور نہ ہی اللہ رسُول کے دین کی خواہش ہے چونکہ سُرود و سماع کے جواز کے شرائط موجود نہیں بلکہ یکسر مفقود ہو چکے ہیں لہٰذا بالاتفاق سُرود و سماع حرام قرار دیا جائے۔ جب شرط نہ ہو تو مشرُوط ندارد۔

جواب :۔ اس کا جواب یہ ہے کہ کسی چیز کی اباحت و حُرمت کا دارومدار وحیِ خداوندی پر ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد وحی کا آنا بند ہو گیا۔ لہٰذا منکرین سماع کی یہ بات کیسے صحیح ہو گی کہ سلف صالحین میں سماع مباح تھا اور اب اس دور میں حرام ہو گیا ہے۔ بتلا سکو گے کہ کس وحی کے حُکم کے تحت حرام ہُوا؟

جب کہ ہمارے اس دور میں وحی کا آنا بند ہے۔" الغیب سے یہ حُکم لگانا بھی کہ اب ذکر و فکر اور راہِ مولیٰ کی طلب اور دین کی خواہش و تلاش نہیں رہی" صحیح نہیں کیونکہ کسی مُسلمان پر بدگمانی ناپسندیدہ ہے۔ جیسا کہ حضرت رسُول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا ہے: ظُنُّوا المُومِنِیْنَ خَیْرًا تم ایمان والوں پر گمان اچھا رکھا کرو۔

ہر بیشہ گماں مبر کہ خالی است
شاید کہ پلنگ خفتہ باشد

ہر جنگل جھاڑی کو خالی نہ سمجھا جائے ممکن ہے کہیں چیتا چھُپ کر سویا ہو۔

خاکساران جہان را بحقارت منگر
شاید کہ درین گرد سوارے باشد

اس دُنیا میں خاکسار لوگوں کو نظرِ حقارت سے نہ دیکھا جائے ہو سکتا ہے کہ گرد و غبار میں کوئی شاہ سوار چلا آتا ہو۔

پس سماع و سُرود کو مطلق حرام قرار دے دینا سراسر غلط ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم، مشائخ عظام بکثرت عُلما آئمہ فقہا اور عام مومنین نے سُنا ہے اور سماع و سُرود سُننے کا حُکم دیا ہے اس کے باوجود سماع و سرود میں اختلاف پایا جاتا ہے جس کا

تفصیل وار ذکر ہوا ہے۔ جو لوگ حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے لئے سرود و سماع مستحب و مستحسن ہے اور جب شریعت میں جائز ذرائع سے سماع و سرود کا انعقاد ہو جیسا کہ بیوی اور اپنی لونڈی کا گانا سنا جائے تو سماع مباح ہوتا ہے۔ اور اگر ناجائز ذرائع سے ہو جیسا کہ غیر محرم عورتوں کا گانا بجانا تو بالاتفاق حرام ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جس طرح لوگوں کے امور و انجام کا انتظام، حکام مجازی کے بغیر ناممکن ہے بالکل اسی طرح دین و دنیا کا نظام بھی حکام حقیقی کے بغیر محال اور مشکل ہے لہٰذا ہر وقت اور ہر آن، ہر بستی بستی نگر نگر شہر ریاست و مملکت کا نظام جس طرح حکام مجازی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ جس میں کسی کو چیئرمین، تحصیلدار اور کوئی ڈپٹی کمشنر، گورنر اور صدر کے القابات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح حقیقی ملک میں حکام باطنی کے مناصب و مدارج ہیں۔ جو دنیا و دین میں تصرف فرماتے ہیں اور انہیں خطابات دیئے جاتے ہیں۔ اوتاد ابدال اولیا غوث۔ قطب بدار وغیرہ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ اسی طرح ہے جو کہ تاقیامت جاری و ساری رہے گی۔ تفصیل وار ذکر کہیں مناسب مقام پر ہو گا۔

تفصیل وار ذکر ہوتا ہے۔ جو لوگ حقیقت پر محمول کرتے ہیں۔ ان کے لئے سرود و سماع مستحب و مستحسن ہے اور جب شریعت میں جائز ذرائع سے سماع و سرود کا انعقاد ہو جیسا کہ بیوی اور اپنی لونڈی کا گانا سنا جائے تو سماع مباح ہوتا ہے۔ اور اگر ناجائز ذرائع سے ہو جیسا کہ غیر محرم عورتوں کا گانا بجانا تو بالاتفاق حرام ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جسطرح لوگوں کے امور و انجام کا انتظام، حکام مجازی کے بغیر ناممکن ہے بالکل اسی طرح دین و دنیا کا نظام بھی حکام حقیقی کے بغیر محال اور مشکل ہے لہٰذا ہر وقت اور ہر آن، ہر بستی بستی نگر نگر شہر ریاست و مملکت کا نظام جس طرح حکام مجازی کے سپرد کیا جاتا ہے۔ جس میں کسی کو چیئرمین، تحصیلدار اور کوئی ڈپٹی کمشنر، گورنر اور صدر کے القابات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح حقیقی ملک میں حکام باطنی کے مناصب و مدارج ہیں۔ جو دنیا و دین میں تصرف فرماتے ہیں اور انہیں خطابات دیئے جاتے ہیں۔ اوتاد ابدال اولیاء غوث، قطب بدار وغیرہ یعنی کہ اللہ تعالیٰ کی عادت جاریہ اسی طرح ہے جو کہ تاقیامت جاری و ساری رہے گی۔ تفصیل وار ذکر کہیں مناسب مقام پر ہوگا۔

# مکتوب ⑱

جناب عالی مدظلہٗ المتعالی مادام الایام واللیالی

بندہ عاجز خاکسار عرض پرداز ہے کہ کچھ طلبہ جو کہ صُوفیہ صافیہ سے عناد رکھتے ہیں چونکہ ان کے دِلوں میں فساد ہے اس لئے کہتے ہیں کہ ہمارے اِس دَور کے ریاکار لھو و ہوا میں مستغرق صُوفیا کا عجیب حال ہے۔ عجیب وغریب معانی و مواعظ پر مُشتمل آیاتِ الٰہیہ سُننے پر، انہیں کبھی نہ وجد ہو نہ رقص آئے، سُبحَانَ اللّٰہِ العَظِیم حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَفَكَّرُوْنَ (پارہ ۲۸ رکوع ۶) اگر ہم یہ قرآن کسی پہاڑ پر اُتارتے تو ضرور تُو اسے دیکھتا۔ جُھکا ہُوا پاش پاش ہوتا ہُوا اللہ کے خوف سے۔ اور یہ مثالیں لوگوں کیلئے ہم بیان کرتے ہیں کہ وُہ سوچیں۔

اور اس کے برعکس وُہی مکّار صُوفیہ لوگ، غزلیات متفرق اشعار، ہندی رُباعیوں، اور دُہڑہ جات مَلہیئے سُن کر فریفتہ ہوتے ہیں، ناچتے ہیں، جھُومتے ہیں جن میں زُلف دوتا خدوخال، قیامت کی چال ڈھال مجازی محبوبوں کی ماہ جبینی اور کرشمہ سازی کا ذکر ہوتا ہے اور یہ بات طے ہے کہ شاعروں کا کلام لھوولعب اور شہوت وہوس کا پلندہ ہوتا ہے۔ اور ان کی اتباع بھی ان جیسے شہوت ریز کرتے ہیں: اَلشُّعَرَاءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ ؛ (پارہ رکوع ) لازم ہے کہ ایسے اشعار شہوت انگیز اور لھوولعب آمیز ہوں تو یقیناً ان کا سُننا گانا ممنُوع قرار پاتا ہے۔ چہ جائیکہ اس کو سُن کر وجد و رقص کیا جائے۔

مُرشد غریب نواز! جس طرح راہِ صواب ہو حسبُ الارشاد عمل کیا جائے گا اور آپ کا ارشاد ہمارے لئے راہِ ہدایت ہے۔ خُدا کرے آپ کا آفتابِ ہدایت ہم غُلاموں کے سروں پر، رہتی دُنیا تک تاباں و درخشاں رہے آمین ثم آمین۔

جواب :- (۱۸)

برخوردار بعد از سلام واضح ہو کہ "شعر" کے لغوی معنی ہیں جاننا اور دریافت کرنا اور اصطلاحی معنی ہیں وزن دار کلام جو معنی بھی رکھے اور اس میں قافیہ بھی ہو مستزاد یہ کہ اس کلام میں وزن اور قافیہ کے لانے کا قصد کیا گیا ہو۔

تعریفات :- ناموزوں، بے معنی بات اور ایسا کلام جس میں قافیہ نہ ہو اور ایسا کلام بھی جو بلا ارادہ موزوں و مقفی ہو گیا ہو، تعریف شعر میں داخل نہیں ہے جیسا کہ قرآن مجید میں بہت جگہ، آیات موزوں واقع ہیں مگر انہیں شعر نہیں کہا جاتا۔ مثلاً اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ کیا تم نے اقرار کیا اور تم ہی گواہ ہو۔ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ تَقْتُلُوْنَ پھر تم آپ ہی قتل کرتے ہو۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا نیکی ہرگز حاصل نہیں جب تک پسندیدہ مال خرچ نہ کرو یُرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَكُمْ مِّنْ اَرْضِكُمْ بِسِحْرِهٖ وہ چاہتا ہے تمہیں اپنے جادو کے ذریعہ تمہاری زمین سے نکال دے۔

احادیث بھی موزوں واقع ہوئی ہیں مگر ان کو شعر نہیں کہا جاتا۔ مثلاً

کَرِیْمُ ابْنُ الْکَرِیْمِ ابْنِ الْکَرِیْمِ !
وہ کریم جس کا باپ دادا کریم ہے

پس امر واقع یہ ہے کہ درج بالا آیات و احادیث مقدسہ کو شعر کہنا جائز نہیں اس لئے کہ ان میں وزن بلا قصد آیا ہے۔

صوفیہ صافیہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں ایسا وزن دار کلام جس میں دقیق معانی و مطالب پائے جائیں، صرف ان لوگوں سے صادر ہوتا ہے جو طبع لطیف رکھتے ہیں اشعار خواہ عربی ہوں یا فارسی یا ہندی اور اُن کا موضوع ہو، موعظت و نصیحت، صفات خداوندی کی وضاحت، نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی منقبت بلکہ اشعار، خود آیات و احادیث کا ترجمہ ہوں اور ایسے اشعار کو سن کر، سننے والا خواہ مخواہ صانع حقیقی کی طرف مائل ہونے لگتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی ہے:

اِنَّ مِنَ الشِّعْرِ لَحِکْمَۃً !! بے شک بعض شعر حکمت ہیں

یعنی بعض مُفید باتیں جو وزن دار ہونے کے ناطے دِل میں کھُبی جا رہی ہوں وُہ کامل مکمل دانائی کی باتیں ہیں جو دِلوں اور طبیعتوں پر اَثر کئے بغیر رَہ نہیں سکتیں۔ اور بیشک وُہ وَزن دار فائدہ مند حکمت کی باتیں، اللہ ربّ العالمین کی موہبت ہے وُہ جسے چاہے دیدے اور اِس میں کسی انسان کا زور، جبر اور دخل نہیں۔

جب لطیف طبیعت اور اس کا موزوں کلام، خداوندی عطیہ ہے اور اسے سُریلی آواز کا شرف حاصل ہو جو کہ مخصوص انسانوں کا حِصّہ ہے تو دقیق معانی و مطالب والے کلام و اشعار جبکہ وُہ بھی قرآن و حدیث کا ترجمہ ہوں اور انہیں سُن کر اولیاء کرام و صُوفیہ و صافیہ عظام کو وجد و ذوق آجائے تو اسمیں کیا قباحت ہو سکتی ہے؟ جیسا کہ آیات و احادیث میں خشوع و خضوع کا اثر پایا جاتا ہے بعینہ اسی طرح وُہ اشعار بھی خاشع و متصدع واقع ہوتے ہیں جو آیات و احادیث کی تفسیر و تشریح ہیں۔

روائت میں آیا ہے کہ آیت رحمت نازل ہُوئی (لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰہِ) تو حضرت حسّان بن ثابت کو حکم دیا کہ اشعار پڑھے جائیں، جاں اَفزا آواز اور دِلرُبا تان کے سَاتھ جب حسّان نے اشعار پڑھ کر محفل جمائی تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم وجد میں آگئے فرمایا: قُلْ یَا حَسَّانُ وَرُوْحُ الْقُدُسِ مَعَکَ۔ اَے حسّان کہتے جاؤ اور رُوح القدس آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اپنی کتاب میں صحیح سند کے ساتھ علامہ قشیری یہ روائت لائے ہیں۔

درجِ بالا تقریر سے ثابت ہُوا کہ ایسے اشعار (جن میں امر شرعی کے مطابق، معانی و مطالب پائے جاتے ہیں) وحی خفی کی ایک قسم ہیں تو اسے سُننے سے انکار کرنا قطعًا صحیح نہیں ہے اور اَب اس حقیقت کی طرف رہنمائی کرنے والے بے شمار نشانات میں سے صرف ایک حدیث مُبارک کو بطور نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

اِنَّ لِلّٰہِ کُنُوْزًا تَحْتَ الْعَرْشِ مَفَاتِیْحُہَا اَلْسِنَۃُ الشُّعَرَاءِ

اِس میں شک نہیں کہ عرش کے نیچے اللہ تعالیٰ کا ایک خزانہ ہے جس کی چابیاں، شاعروں کی زبانیں ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ نبیؐ پاک نے شعر کو بھی شریعت کی طرح حکمت کا نام دیا ہے کیونکہ شعر کا نزول بھی عالم قدس سے ہوتا ہے تو اس سے صاف واضح ہوتا ہے کہ شعر میں حسن باطنی پایا جاتا ہے۔

البتہ اللہ تعالیٰ کا فرمان دلیشان کہ "وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ" خالصتاً ان شعراء کی نشان دہی کرتا ہے جو جھوٹے کافر و فاسق و فاجر اور دشمن خدا و رسولؐ ہوں اور ان جھوٹے شاعروں کی شاعری جس قسم کے مضامین سے لبریز تھی وہ یا تو شہوانیت و عشق بازی کے مضامین تھے یا شراب نوشی کے، یا قبائلی منافرت اور جنگ و جدل کے یا نسلی فخر و غرور کے، پھر جھوٹ مبالغہ بہتان، ہجو، بے جا تعریف، طعن پھبتیاں اور مشرکانہ خرافات تھیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرما دیا "وَالشُّعَرَآءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوٗنَ"

تاہم پسندیدہ شاعر جن کی نجی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی یاد سے خالی نہ رہی ہو اور یادِ خدا میں معمور زندگی میں شاعرانہ قابلیت بھی اس راہ میں وقف رہی ہو جو یادِ خدا سے غافل لوگوں کی نہیں بلکہ خدا شناس خدا دوست اور خدا پرست لوگوں کی راہ ہے تو ان کے متعلق فرمانِ رسالت مآبؐ ہے: "اَلشُّعَرَآءُ تَلَامِيْذُ الرَّحْمٰنِ" شعراء رحم فرمانے والے اللہ کریم کے شاگرد ہیں۔ شعراء اسلام میں سے اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پائے جاتے ہیں جن کے اشعار داد دینے کے قابل ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے اشعار ملاحظہ ہوں۔

اَقَارِبُ كَالْعَقَارِبِ فِيْ اَذَاهَا     فَلَا تَفْرَحْ بِعَمٍّ وَلَا بِخَالٍ!

وَكَمْ عَمٍّ يَكُوْنُ الْغَمُّ مِنْهُ     وَكَمْ خَالٍ مِنَ الْخَيْرَاتِ خَالٍ

رشتہ دار بچھوئیں اور ایذا دیا کرتے ہیں چچا ماموں فرحت و خوشی نہیں دیا کرتے۔ بہت سے ایسے چچا ہیں جن سے سوائے غم کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور بہت سی ماموں ہیں جو بھلائی سے خالی نظر آتے ہیں:

امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک شعر منقول ہے۔

وَلَوْلَا الشِّعْرُ لِلْعُلَمَاءِ يُزْرِيْ !     لَكُنْتُ الْيَوْمَ اَشْعَرَ مِنْ لَبِيْدٍ

شاعری علماء کے لئے بُری نہ ہوتی تو آج میں لبید سے بڑا شاعر ہوتا۔

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا مرثیہ بتول زہرہ کی تصنیف مشہور ہے۔

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَوْ اَنَّھَا    صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَالِیَا

مَاذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَ    اَنْ لَّا یَشُمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے وصال سے جو مصیبتیں مجھ پر آن پڑی ہیں۔ اگر انہیں۔ دِنوں پر ڈال دیا جاتا تو وُہ کالی راتیں بن جاتیں جس شخص کو حضرت احمد رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی تُربت مُبارک کی خوشبو سُونگھنا نصیب ہُوئی ہے وُہ تا قیامت، مشک وغیرہ کو سُونگھنا پسند نہیں کرے گا۔

اندریں حالات اشعار کو بُرا کہنے والے اور شاعر و سامع کو، بد بولنے والے در حقیقت خُود بُرے ہیں۔ عقل سلیم رکھنے والوں کو ایسے بدگو لوگوں سے اجتناب برتنا چاہیئے۔

بعض صُوفیا صافیہ کرام اس درج بالا اعتراض کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ دِل میں انگیخت اور رُوح میں وجد، دو طرح پیدا ہوتا ہے۔ ایک اچھی آواز سُننے سے دُوسرا ذکر عشق و پیار سے، اگر قرآن مجید پڑھنے والا خوش الحان ہو مخارج کی ادائیگی اور خشوع و خضوع سے قرأت کر رہا ہو تو، ذوق و وجد میں آجانا بتواتر دیکھا گیا ہے۔ اور مزید یہ کہ اذان کی آواز پر، ذکر جہری میں، کلمہ تشہد سُنتے ہُوئے، وعظ و نصیحت میں ذوق وجد پیدا ہو جاتا ہے۔ سُورۃ یُوسف کا مطلب و معنی سمجھنے والوں کو وُہ راحت و سکُون میسّر آتا ہے جو باقی کلام مجید سے (جو کہ وعظ و قصص سے بھرپُور کلام ہے) لطف و ذوق میسّر نہیں آتا۔

اور اس کے برعکس اشعار عربی ہوں یا فارسی ہندی، شوق و ذوق کا موجب ہیں اور جلدی ہی سمجھ میں آجاتے ہیں وجد و ذوق لاتے ہیں (کیونکہ ان میں عشق و محبت کا ذکر ہوتا ہے)

اصحاب التواریخ سے منقول ہے کہ سب سے اوّل شعر کہنے والے سیدنا آدم کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام، جن کی زبان سریانی تھی یار لوگوں نے اسے عربی زبان میں ترجمہ کر دیا ہے اور وُہ اشعار قابیل و ہابیل کا واقعہ پیش کرتے ہیں اور وُہ اشعار ترجمہ باعربی درج

ہیں۔

تَغَیَّرَتِ الْبِلَادُ وَمَنْ عَلَیْهَا — فَوَجْهُ الْأَرْضِ مُغْبَرٌّ قَبِیْحٌ!!
تَغَیَّرَ کُلُّ ذِیْ طَعْمٍ وَلَوْنٍ! — وَقَلَّ بَشَاشَةُ الْوَجْهِ الْقَبِیْحِ
فَوَا أَسَفًا عَلٰی هَابِیْلَ ابْنِیْ — قَتِیْلٌ قَدْ تَضَمَّنَهُ الضَّرِیْحُ

ممالک اور اس میں بسنے والوں میں تبدیلی آئی اور روئے زمین غبار آلود اور خراب ہو گئی ہر ذائقہ دار اور رنگا رنگ چیزیں بدل گئیں حسین وجمیل چہرے بھی بدل گئے۔ ہائے افسوس میرا بیٹا ہابیل قتل ہو گیا جسے زمین میں دفن کر دیا گیا:

---

پیشوائے اہل تاریخ امام قاسم بن سلام بغدادی فرماتے ہیں کہ عربی شعر سب سے اول یعرب بن قحطان نے کہے جو کہ نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور فارسی شعر بہرام گور نے سب سے اول کہنے کا شرف لیا ہے۔

منم آں پیل دماں منم آں شیر یلہ ! — نام من بہرام گور کنیت من بو جبلہ

میں مست ہاتھی ہوں اور جنگل کا شیر ہوں میرا نام بہرام گور ہے اور کنیت ہے "ابو جبلہ" اور بہت لوگ، اس کے علاوہ بھی کہہ گئے ہیں:

واللہ اعلم بالصواب والیہ المرجع والیہ المآب

# مکتوب ⑲

جنابِ عالی مدظلہٗ! گذارش بحضور متعالی ہے کہ سلسلہ عالیہ کے متوسلین طلبہ میں آجکل بحث ہو رہی ہے کہ قوالی میں، جب صوفی پر وجد طاری ہوتا ہے تو وُہ اپنے اختیار اور شعور میں نہیں رہتا اور جب وُہ حالت سکر (یعنی وجد اور ذوق) سے حالت صحو کی طرف واپس آتا ہے تب ہوشیار ہوتا ہے۔ اندریں حالت، اگر نماز کا وقت ہو جائے تو کیا اس پر دوبارہ وضو کرنا ضروری ہے۔ یا اسی پہلے وضو سے نماز ادا کرے؟ جو راہ صواب ہو ارشاد فرمایئے تاکہ اس پر عمل کیا جائے۔ زیادہ حد آداب

# جواب ⑲

برخوردار بعداز سلام مسنون درج بالا سوال کا جواب، رشحات شریف سے من وعن نقل کئے دیتا ہوں۔ مروی یوں کہ علمائے راسخین میں سے کسی ایک فاضل شخص نے شیخ مودود چشتی قدس سرہ کے ایک دوست جو کہ شیخ وقت تھے کی خدمت میں حاضری دی اور عرض کیا: یا حضرت! سماع وغنا میں یار لوگوں کی دو حالتیں ہوتی ہیں انہیں حالت وجد ورقص میں شعور ہوتا ہے یا شعور واختیار نہیں ہوتا۔ بصورت اوّل ان کا وجد و رقص، ریاکاری ہے جو کہ بری بات ہے اور بصورت ثانی جب شعور واختیار نہیں ہوتا تو شعور واپس آتے ہی اسی وضو سے نماز روزہ کر لیتے ہیں نیا وضو نہیں کرتے جو کہ اور زیادہ برا ہے۔ بینوا توجروا۔

شیخ وقت نے ارشاد فرمایا وضو ٹوٹنے کے اسباب بہت ہیں ان میں ایک یہ ہے عقل سلب ہو جائے جیسا کہ دیوانگی میں عقل سلب ہو جاتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ عقل پر پردہ پڑ جائے جیسا کہ بیہوشی میں عقل مستور ہو جاتا ہے۔ (ان دونو حالتوں میں وضو ٹوٹ جاتا ہے۔) رقص و وجد کی حالت میں عقل نہ تو مسلوب ہوتی ہے نہ مستور بلکہ بے خودی اور بے شعوری (بحالت رقص و وجد) کی وجہ یہ ہے کہ عقل کلی عالم الوہیت سے آکر عقل جزئی پر فائض ہوتی ہے اور وجود سالک کی مملکت میں غلبہ اور حکومت حاصل کر لیتا ہے اس عقل کلی کا نظام قوت و قدرت، نہ صرف بدن میں ضبط و تدبیر کرتا ہے بلکہ سارے عالم کی تدبیر اور نظم وضبط کے امور سرانجام دیتا ہے، جب (عقل کلی کے زیر سایہ) بدن اور عقل جزئی دونوں کی حفظ اور نگہداشت ہوتی رہتی ہے پس نواقص وضو کا اس حالت میں کیا دخل؟ بلکہ طالب صادق اس حالت میں احکام طبعی اور لوازمات بشری سے یکسر آزاد ہو کر رہ جاتا ہے۔ اس لئے نیا وضو کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انتہی کلامہٗ

منقول ہے شیخ کامل حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ نے خواب میں ابلیس کو دیکھا اور پوچھا کم بخت تجھے صوفیہ صافیہ پر قدرت حاصل ہے؟ جواب دیا جی ہاں ولیکن ان پر حاوی ہونے کے لئے مشکل ضرور پیش آتی ہے اور کہا صورت حال یوں ہے۔

دنیا میں ان کی گرفت کرتا ہوں تو صوفیہ صافیہ آخرت کی طرف بھاگ جاتے ہیں اور اگر آخرت میں گرفت کرتا ہوں تو اللہ کریم کے حضور چلے جاتے ہیں جہاں میری مجال نہیں البتہ سماع و سرود کے وقت اور غیر محرم پر نگاہ ڈالتے وقت، مجھے ان پر پوری قوت و قدرت ہوتی ہے۔ شیخ موصوف نے یہ خواب اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ سری سقطی قدس سرہٗ کی خدمت عرض کیا۔ آپ نے فرمایا اگر مجھے خواب میں شیطان لعین مل جاتا تو میں کہدیتا احمق! سماع و وجد کے دوران، صوفیہ صافیہ محققین صدیقین اللہ تعالیٰ کی یاد و حضوری میں اس قدر محو و مستغرق ہوتے ہیں کہ انہیں دنیا و آخرت کا پتہ تک نہیں ہوتا۔ پھر تجھے ان پر قدرت پانے کی مجال کہاں سے آتی ہے۔

"ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم"

# مکتوب (۲۰)

جنابِ عالی دام اقبالہٗ گذارش بحضور المتعالی اینکہ علم کے تشنگان میں بحث و مباحثہ ہو رہا ہے ایمان کیا چیز ہے؟ بعض لوگوں نے کہا ایمان صرف دِل سے تصدیق کرنا ہے اور حجت میں حدیثِ رسُول سے آتے ہیں : مَنْ مَاتَ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دَخَلَ الْجَنَّۃَ رواہ ــــــــــ جو شخص مرتے وقت جانتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبُود نہیں تو وُہ جنت میں جائے گا۔

اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ایمان سے مُراد ہے زبان سے اقرار، دِل سے تصدیق کرنا اور دلیل لاتے ہیں حدیثِ مقدسہ نَحْنُ نَحْکُمُ بِالظَّوَاھِرِ ہم ظاہر پر فیصلہ دیتے ہیں۔ اور کچھ لوگوں کے نزدیک کامل ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار، دِل سے تصدیق اور اعضا سے عمل کرے۔ غرضیکہ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت والا معاملہ ہے۔

غریب نواز! جس طرح راہِ ثواب موزیبِ تحریر فرمائیے عمل کیا جائے گا۔

# جواب ⑳

برخوردار بعد از سلام سُنتہ الاسلام واضح رہے باو کر ارشادِ باری ہے: اُولٰئِکَ کَتَبَ اللّٰہُ فِی قُلُوبِھِمُ الْاِیمَانَ۔ یہی وُہ لوگ ہیں جن کے دِلوں میں اللہ نے ڈیا ہے۔

لغت میں ایمان کے معنی ہیں امن میں رکھنا۔ یقین کرنا۔ تابعدار ہونا۔ یعنی دِل کے مطلق تصدیق اور یقین کرنے کو ایمان کہا جاتا ہے۔

شیخ ابوالحسن الاشعری رحمتہ اللہ علیہ نے ایمان کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ دِل سے تصدیق کی جائے کہ اللہ تعالیٰ سے رسُولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جو کچھ مفصل یا مجمل لے کر مبعوث ہوئے ہیں وُہ سب برحق ہے۔ البتہ دُنیا میں شرعی احکام جاری کرنے کیلئے زبان سے اقرار کرنا لازمی شرط ہے۔ اکثر آئمہ کرام خصوصاً حجتہُ الاسلام ابومنصور ماتریدی اور ہمارے ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہی مسلک ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کو دل سے پہچاننا اور زبان سے (بلا وجہ) اقرار نہ کرنا، دُنیا میں مفید نہیں مگر اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایسا شخص مومن ہے۔

تصدیق گر دار و بدل اقرار نارد برزبان؛
مومن بود نزدیک حق کافر بہ نزدیک بشر

بیشک ایسا شخص اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایمان دار ہے دل سے تصدیق کرتا ہے جیسا حدیث نبوی میں آیا ہے "جو شخص مرتے دم جانتا ہو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا، عبادت کا مستحق کوئی نہیں تو وُہ جنت جائے گا" اور زبان سے اقرار نہ کرنے والا شخص لوگوں کے نزدیک یعنی اِس دُنیا میں، اسے کافر سمجھا جائے گا۔ بمطابق فرمانِ رسُول" کہ ہم ظاہر پر فیصلہ دیتے ہیں"۔ ہمارے امام ابوحنیفہ کا مذہب یہی ہے۔

البتہ متکلمین، جملہ محدثین اور بعض سلف صالحین کے نزدیک ایمان یہ ہے کہ آدمی زبان سے اقرار، دل سے تصدیق اور اعضاء سے عمل کرے۔

بعض لوگوں کا بیان ہے۔ اَلْاِیْمَانُ ھِیَ الْمَعْرِفَۃُ بِاللّٰہِ اللہ کو پہچان جانے کا نام "ایمان" ہے۔ اور اس خیال میں دو فریق شریک ہیں:

فریق اوّل:۔ صرف دل سے پہچان جانا ایمان ہے اور یہ عقیدہ معتزلہ اور خوارج کا ہے جن کا سربراہ جہم بن صفوان ہے۔

فریق ثانی:۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولِ پاک کی لائی ہوئی شریعت کو دل سے پہچاننا ایمان ہے یہ عقیدہ بعض فقہائے کرام سے منسوب ہے۔

ایمان میں جس تصدیق کا اعتبار کیا گیا ہے، اس سے مراد، وہ تصدیق ہے جو تصور کے بالمقابل ہو جیسا کہ "بدیع المیزان" میں کہا گیا ہے اَلْعِلْمُ اِمَّا تَصَوُّرٌ اَوْ تَصْدِیْقٌ علم دو قسم ہے تصور اور تصدیق اور تصدیق "گرویدہ ہونا" کے معنی میں آیا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ تصدیق اور علم و معرفت آپس میں متغائر ہیں وجہ یہ ہے کہ کافرین کو اللہ تعالیٰ کا علم اور معرفت تو حاصل لیکن عناد اور غرور کی وجہ کر کے اس کی تصدیق نہ کرتے تھے جبکہ ایمان میں وہ تصدیق معتبر ہے جو جزم و یقین اور تابعداری گرویدگی کے درجہ تک پہنچ جائے۔ نہ کہ ایسی تصدیق جو غالب گمان کی بنیاد پر عوام کو حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض علماء کرام "علم" کے معنی "پختہ اعتقاد" بتلاتے ہیں اور یہی معنی یقین کے بھی ہیں۔

فائدہ:۔ کہتے ہیں کہ ایمان اور توحید ایک ہی چیز ہے اور وہ تین قسم ہے۔ توحید عام۔ توحید خاص اور توحید خاص الخاص۔

۱۔ توحید عام:۔ زبان سے اقرار، دل سے اعتقاد پختہ اور تصدیق کہ حق تعالیٰ ایک ہے اس کا کوئی شریک نہیں نہ ذات میں نہ صفات میں نہ اسمائے مبارکہ میں اور تمام کائنات اسکی تخلیق ہے۔ یہ عالم پہلے نہ تھا بلکہ اپنی قدرت اور اپنے اختیار اور ارادے سے سب عالم کو پیدا کیا ہے۔ مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کی ذات کیلئے ضروری نہیں، اس کی نعمتیں سب عالم میں جاری ہیں جن کا شمار ممکن نہیں ہے۔ نیز زبان سے اقرار اور دل

کی تصدیق ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ مالک الملک کے مقرب بندہ اور محترم رسول ہیں۔ آپ کے قول و فعل سب برحق ہیں۔ فرائض و واجبات ادا کرنے والے ہیں اور ممنوع و حرام چیزیں ترک کر دیتے ہیں۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو کسی کو دکھ دیتے ہیں نہ بد دعا۔ اگر کوئی آپ کو ایذا دیتا ہے تو شریعت کے مطابق آپ بدلہ بھی لے لیتے ہیں۔

۲۔ توحید خاص۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تمام معاملات اور اس میں تصرفات صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہیں کوئی شخص اس میں شریک نہیں فاعل حقیقی، حق تعالیٰ ہے اور اس کے سوا کوئی متصرف بالاستقلال نہیں ہے۔ اس گروہ کے اعمال۔ پہلے گروہ یعنی توحید عام جیسے ہیں البتہ یہ لوگ نوافل کثرت سے ادا کرتے ہیں نوافل میں سب سے افضل، کلمۂ توحید کا ذکر ہے اور ادنیٰ افضل یہ ہے کہ راہ سے ایذا دینے والی چیز ہٹا دی جائے مزید براں لوگوں کی ایذا کو برداشت کیا جائے اور خود اپنے لئے ان سے بدلہ و انتقام نہ لیا جائے۔

۳۔ توحید خاص الخاص۔ دل میں یہ تصدیق کرنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں یہ سب موجودات وجود حق کے ظل ہیں اور حق تعالیٰ وجود مطلق ہے اور وہ کسی چیز سے فائدہ نہیں چاہتا۔ کیونکہ تمام عالم اصل میں معدوم ہے اور ذات حق کے ساتھ قائم ہے اور حقیقت میں، حق کے سوا سارے عالم کی حقیقت کچھ نہیں جیسا کہ حباب اور دریا۔ جھرنے کا عکس اور مختلف آئینے۔

اندریں حالت ایمان رکھا جائے کہ ہر ہر ذرہ میں اللہ تعالیٰ کے جلال و جمال کا نور احاطہ کئے ہوئے اور ذات حق اسکو محیط ہے۔ اور اس تک، عقل و فکر، فہم و وہم کی رسائی کہاں؟ کوئی چیز اس ذات محیط سے مشابہت نہیں رکھتی نہ ذات و صفات میں، نہ اسماء میں، عقل و فہم صرف وجود مطلق کو ثابت کر سکتا ہے اور بس۔

اور اس بات پر بھی ایمان لایا جائے کہ حق تعالیٰ بذاتہ قائم ہے اور وہ خود ہی تمام چیزوں کو قائم کرنے والا ہے بغیر اس کے کہ، اتصال ہو یا انفصال، مقارنت و مساعدت ہو یا حلول و اتحاد۔ اور ایمان لایا جائے اس بات پر کہ رسولوں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل کرنا، حق ہے۔ عبث و ضائع نہیں۔ دوبارہ زندہ کرنا موت دینا، حشر و نشر حق ہے اور یہ سب کام اللہ تعالیٰ کے ہیں۔

اس نظریہ کے تعلقداروں کے اعمال دو طرح کے ہیں ایک فرائض و نوافل کی پابندی

دوسرے استقامت یعنی ثابت قدم رہنا اور یہی دوسرا عمل، استقامت، کرامت پر بدرجہا فوقیت رکھتا ہے۔ مزید یہ کہ ایذا دینے والوں کو دعا دیتے ہیں اور ان پر احسان بھی کرتے ہیں۔ پس حضرت انسان پر لازم ہے کہ توحید عام سے ترقی کرکے توحید خاص میں داخل ہو جائے اور توحید خاص الخاص کی طلب کرے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا سورۃ نساء رکوع ۱۶ پارہ

اے ایمان والو ایمان رکھو اللہ اور اللہ کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول پر اتاری گئی اور اس کتاب پر جو پہلے اتاری گئی اور جس نے اللہ، اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اور یوم آخرت کے ساتھ کفر کیا وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔

تفسیر روح البیان میں ہے۔ ای اٰمَنُوْا بِالْغَیْبِ اٰمِنُوْا بِالشُّھُوْدِ ـــ ترجمہ:۔ ایمان بالغیب والو! ایمان مشاہدہ والے آؤ۔ ایمان بالشہود سے مراد یوں ہے جیسا کہ اللہ رب العالمین فرماتے ہیں، فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَھُمْ مِّنْ قُرَّۃِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ (سجدہ رکوع ۱۲ پارہ) وُجُوْہٌ یَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَۃٌ اِلٰی رَبِّھَا نَاظِرَۃٌ۔ اس دن کچھ چہرے تروتازہ ہوں گے اور اپنے رب کو دیکھتے ہوں گے۔ کسی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لئے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا ہے۔

اسی طرح فقہ اور کلام کی کتابوں میں ہے اور یہ جمھور محققین کا مذہب ہے۔

جنابِ عالی مدظلہٗ۔ کلمہ طیب "لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" ایمان و عرفان کی اصل اور بہشت کے دروازوں کی چابی ہے۔ لوگ اس کلمۂ طیبہ کے معنی میں خلل انداز ہو رہے ہیں۔ اور بندہ بوجہ کم علمی، مہرِ سکوت بلب، فکر و حیرانگی میں ان کے سوال و جواب سنتا رہتا ہے جبکہ آنوالا شان کے سوا دوسرا کوئی ہمارا ماوی و ملجای نہیں ہے۔ براہِ نوازش کلمہ شریف کا ترجمہ اور تشریح و تفسیر زیبِ سطر فرمایئے تاکہ ہم غلام بیدام اس کے مطالعہ سے بہرہ گیر اور فیض پذیر ہو سکیں اور بس۔

# جوابؒ (۲۱)

برخوردار بعد از سلام آنکہ جمیع علوم عقلی و نقلی اور دین اسلام کے اصول و فروع کی اندرونی باتوں کو من کل الوجوہ معلوم کرنا اس وقت تک ممکن ہی نہیں جب تک کہ کلمہ طیبہ کے معانی ذہن نشین نہ ہوں اور ان معانی کے فہم و ادراک کی رہبری میسّر نہ ہو یہی وجہ ہے کہ سلف صالحین محققین علماء عظام و فضلائے کرام نے کلمہ طیبہ کے متعلق کوئی دقیقہ تک فروگذاشت نہیں فرمایا اگرچہ پوری بسط وکشاد سے انہیں تحریر میں لانا اس تکلیف ہے مگر حسب طلب اور بمقتضائے آیت کریمہ اَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرْ شریعت محمّدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں بصورت سوال وجواب کلمہ طیبہ کی تشریح وتوضیح حاضر ہے۔

یعنی شریعت کو سبھی چیزوں پر اولیت دینی چاہیئے طریقت بھی شریعت سے باہر نہیں ہے اور جب تم شریعت پر ثابت قدم رہے تو خود بخود تجھے طریقت وحقیقت کے جلوے نظر آتے جائیں گے۔

فائدہ:۔ کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کے معنی ہیں اللہ کے سوا پرستش وعبادت کے لائق کوئی نہیں تھا۔ نہ ہے اور نہ ہوگا۔ اور سید الصفا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مخلوق کی طرف اللہ تعالٰی کے بھیجے ہوئے ہیں عقیدہ قطبیہ اور کتب کلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نسب مبارک یوں بیان ہے۔

سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف

اور لکھا ہے کہ

جس شخص کو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب پاک کی پہلی چار پشتوں کے بابرکت نام یاد نہ ہوں وہ کامل ایمان نہیں۔ ضروری ہے کہ ہر مسلمان آنحضرت کے نسب میں

ین چار اسماء مبارک یاد رکھتا ہو تاکہ باتفاق اقوال علمائے شریعت اس کا ایمان درست

سوال ۔ اس کلمہ کا نام "طیب" کیوں رکھا گیا ہے۔
جواب ۔ طیب یعنی پاکیزہ چونکہ مبارک کلمہ میں اللہ تعالیٰ کی پاکی کا ذکر ہے پڑھنے
ے کفر و شرک جیسی نجاست سے پاکیزگی حاصل کر لیتے ہیں۔ لہٰذا یہ کلمہ مبارکہ طیب کہلاتا
ہے۔ جبکہ مشرک پلید ہیں "اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ"
فیز ۔ اللہ تعالیٰ کی یگانگت اور وحدانیت کا ذکر کیا گیا ہے یہی وجہ ہے کہ اس
لمہ کا دوسرا نام کلمہ توحید ہے۔ توحید کے معنی ہیں ایک جاننا ایک کہنا اور ایک اعتقاد
رنا جیسا کہ "فقرات" میں آیا ہے۔

نشانی دادہ اند خوش از خرابات
کہ اَلتَّوْحِیْدُ اِسْقَاطُ الْاِضَافَاتِ!

مکتب عشق میں سے کیا ہی ایک اچھی نشانی ملی ہے کہ اضافتِ جمیع موجودات کو معدوم
سمجھنا ہی توحید ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ مقولہ یعسوب الموحدین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ
کا ہے۔ جب اضافتِ جمیع موجودات کو معدوم سمجھ لیا جائے تو وحدہٗ لاشریک تک پیوستگی
ہو جائے گی۔
سوال ۔ کلمہ "لا" دو معنی رکھتا ہے نفی جنس جیسا کہ لَا رَجُلَ فِی الدَّارِ، لام پر زبر پڑھی
جائے معنی ہوگا "گھر میں کوئی مرد نہیں" دوسرے معنی میں لا مشبہ بلیس ہے جیسا کہ لَا رَجُلٌ
فِی الدَّارِ لام پر پیش ہو تو معنی ہوئے "گھر میں ایک مرد نہیں"۔ بتلایئے کہ کلمہ طیب میں "لا"
کس معنی میں استعمال ہے۔
جواب ۔ کلمہ طیب میں لانفی جنس ہے لہٰذا الٰہ پر زبر پڑھی جاتی ہے۔ اگر لا مشبہ
بلیس ہوتا تو الٰہ پر پیش پڑھا جاتا جیسا کہ لا رجلٌ فی الدار لام مرفوع پڑھا جاتا ہے۔
سوال ۔ کیا وجہ ہے کہ کلمہ طیب میں لانفی جنس ہے اس لئے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ میں الٰہ
مفتوح پڑھا جاتا ہے اور لا مشبہ بلیس نہیں اگر ہوتا تو پیش بھی پڑھا جاتا ۔ جیسا کہ

لارجلٌ فی الدار میں زبر اور پیش دونوں روا ہیں۔

جواب :۔ کلمۂ طیب میں لامشبہ بلیس نہیں بن سکتا بلکہ لانفی جنس ہے اور دو
معنی میں فرق واضح پایا جاتا ہے۔ تشریح یہ ہے کہ لارجلَ فی الدار لام پر زبر یہ لانفی جنس کے معنی
دیتا ہے یعنی گھر میں جنس مرد موجود نہیں ہے۔ جو کہ اصل میں یہ معنی دیتا ہے کہ مامن رجل
فی الدار کہ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے اگر گھر میں ایک مرد سے زائد یعنی دو مرد یا دو سے
زیادہ مرد موجود ہوں تو بھی لارجل فی الدار کہنے والا جھوٹا سمجھا جاتا ہے۔ جس طرح کہ ایک مرد
سرائے میں موجود ہو تو قائل جھوٹا ہوتا ہے۔

وجہ یہ ہے کہ نکرہ جب حرف نفی کے نیچے آئے تو استغراق کا معنی دیا کرتا ہے۔ لہٰذا
حرف نفی کے نیچے نکرہ لے آکر ہر طرح سے نفی کر دی گئی ہے کہ سرائے میں کوئی مرد موجود
نہیں۔ اندریں صورت استدراک اور اضراب قطعاً غلط اور ناجائز ہے۔ مثلاً "لارجل فی الدار
بل فیھا رجلان اور رجال" (سرائے میں مرد موجود نہیں ہے بلکہ اس میں دو مرد ہیں یا زیادہ مرد ہیں)
اور اس کے برعکس جب لا بمعنی لیس استعمال ہو اور کہا جائے لارجل فی الدار تو معنی
یوں ہوتے ہیں کہ سرائے میں ایک مرد نہیں یعنی نفی بصفت واحد ہوگی اور اگر سرائے میں
دو مرد یا زیادہ مرد موجود ہوں تو قائل جھوٹا نہیں ہو سکتا وجہ یہ ہے کہ لارجلٌ فی الدار میں صرف
ایک مرد موجود نہ ہونے کی بات تھی اور اس صورت میں استدراک اور اضراب جائز ہے جیسا
کہ کہا جاتا ہے لارجل فی الدار بل فیھا رجلان سرائے میں ایک مرد نہیں بلکہ اس میں دو مرد
موجود ہیں۔

چونکہ کلمۂ توحید میں نفی بر سبیل استغراق مطلوب ہے تاکہ معنی در اصل یوں ہو سکیں
کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی بھی معبود نہیں ہے جبکہ یہی معنی مطلوب، لیس میں نہیں پائے جاتے
اسلئے لا بمعنی لیس نہیں ہو سکتا اور الٰہ پر رفع بھی نہیں آسکتا جس طرح لارجل فی الدار،
(بفتح اللام) میں لانفی جنس کے لئے ہے تو یہاں رجل پر رفع پڑھنا ناجائز ہے۔

سوال :۔ استغراق کے لئے عموم افراد لازم ہے۔ کلمۂ طیبہ میں الٰہ نکرہ ہے جو کہ ایک
فرد غیر معین کیلئے وضع کیا گیا ہے پس لفظ الٰہ میں عموم افراد نہیں پایا جاتا۔ اندریں حالت

ایک فرد کی نفی کرنے سے استغراق کیسے ثابت ہوتا ہے؟

جواب۔ نکرہ پر جب نفی کا حرف آئے تو عرف میں عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ استغراق جس کے لئے عموم افراد شرط ہے۔ اسی طرح ثابت ہوتا ہے۔ اور لانفی جنس بن جانے پر الٰہ اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور کلمہ طیبہ کی مکمل عبارت میں اختلاف ہے۔

۱۔ کچھ لوگ للخلق محذوف قرار دیتے ہیں جو کہ لانفی جنس کی خبر ہے یعنی مخلوق کے لئے اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور عبارت ہوئی لاالٰہ للخلق الا اللہ "للخلق" جار مجرور مرفوع محلاً خبر لا ہے۔ یہ قول بہت زیادہ قابلِ تسلیم ہے اور تکلف و تکلیف سے دور ہے۔

۲۔ بعض لوگوں کے نزدیک "لنا" محذوف ہے اصل عبارت یوں ہے: لَا اِلٰہ لنا اِلَّا اللہ ہمارا معبود اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں۔ لنا جار مجرور مرفوع محلاً خبر ہے اس توضیح پر اعتراض کیا جاتا ہے کہ کلمہ طیبہ سے مقصود یہ ہے کہ توحید جمیع مخلوقات کے لئے ثابت ہو اور خبر محذوف "لنا" قرار دینے میں مقصود مذکور و مطلوب حاصل نہیں ہوتا بلکہ صرف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں۔ یہ لازم نہیں آتا کہ باقی مخلوقات کے لئے کوئی دوسرا معبود نہ ہو یا ہو۔ جواب دیا جاتا ہے کہ "لنا" میں ضمیر جمع متکلم مع الغیر ہے جو کہ جمیع مخلوقات کو شامل ہے جیسا کہ اِلٰهُكُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ ای اِلٰہ جَمِیْعِ الْمَخْلُوْقَاتِ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ

سوال۔ لنا میں ضمیر جمع متکلم صرف عقل والوں کے لئے مخصوص ہے اور غیر عاقل مخلوق کو کس طرح شامل کیا جائے گا۔

جواب۔ ضمیر جمع متکلم میں عُقَلَا کو غیر عُقَلَا پر غلبہ دیتے ہوئے دونو کو شامل کیا جاتا ہے جیسا کہ آیت اِلٰهُكُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ میں مذکر کے ساتھ غیر مذکر بھی ملا دیئے گئے ہیں۔ مثلاً چاند اور سورج کو بطور تغلیب قَمَرَیْن اور ابوبکر و عمر کو عُمَرَیْن کہا جاتا ہے۔

۳۔ اور کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ کلمہ طیب لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ میں لانفی جنس کے لئے "فِی الْوُجُوْدِ" محذوف ہے۔ اصل عبارت اس طرح ہے لَا اِلٰہَ فِی الْوُجُوْدِ اِلَّا اللہ اللہ تعالیٰ

کے سوا کوئی موجود نہیں۔ فی الوجود جار مجرور مرفوع محلاً خبر لانفی جنس ہے۔

شبہ ہوتا ہے کہ فی الوجود خبر قرار دینے میں ذات باری تعالیٰ کے لئے ظرفیت لازم آتی ہے۔ (فی حرف ظرفیت کا معنی دیتا ہے) جو کہ سراسر غلط ہے۔ جواب میں اس وہم کا ازالہ کیا جاسکتا ہے کہ فی الوجود بمعنی موجود ہے۔ مثلاً زید فی الوجود یعنی زید موجود اس صورتِ حال میں لَآ اِلٰہ فی الوجود اِلَّا اللّٰہ کا معنی ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی موجود نہیں۔

سوال:۔ کلمہ طیب میں "فی الوجود" خبر محذوف قرار دینے میں صرف وجود کی نفی ہوتی ہے، امکان کی نفی نہیں ہوتی۔ جبکہ کلمہ طیب میں دونو (وجود اور امکان) کی نفی مطلوب ہے۔

جواب:۔ کلمہ طیبہ کی مراد یہ ہے کہ وجود باری تعالیٰ کے لئے اثبات ہو اور وجود غیر اللہ کی نفی ہو اور بس۔ امکان اور عدم امکان کا بیان مطلوب نہیں ہے دراصل کلمہ طیبہ میں مشرکین کے اس غلط اعتقاد کو رد کیا گیا ہے کہ وجود میں تعدد الٰہ پایا جاتا ہے امکان میں نہیں کیونکہ امکان تو عدم کے حکم میں ہے ——— تو کہا گیا لَآ اِلٰہ فی الوجود اِلَّا اللّٰہ

سوال:۔ اِلٰہ بمعنی مالوہ یعنی معبود ہے پس لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں کس معبود کی نفی کی گئی ہے۔ معبود مطلق کی یا صرف معبود برحق کی۔

جواب:۔ دونو معنی مراد ہیں علی اختلاف القولین ایک یہ کہ معبود مطلق کی نفی کی گئی ہے خواہ معبود برحق ہو یا معبود باطل۔ دوسرا قول یہ ہے کہ صرف معبود برحق کی نفی کی گئی ہے وجہ اختلاف یہ ہے کہ لفظ اِلٰہ کا اصل معنی معبود ہے خواہ برحق ہو یا باطل۔ بعدہ یہی لفظ اِلٰہ غلبہ کے طور پر صرف معبود برحق کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ "بیت" ہر قسم کے گھر کے لئے وضع ہوا ہے بعدہ تغلیباً صرف خانہ کعبہ کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا اور اسیطرح لفظ نجم ہر ستارہ کو کہا جاتا ہے ثریا ہو یا غیر ثریا مگر جب بطور غلبہ صرف ثریا کے معنی میں استعمال ہونے لگا تو صرف ثریا کے لئے مخصوص ہو کر رہ گیا۔ ———

اندریں صورت لفظ الٰہ کے معنی میں دو حالات پائے جاتے ہیں۔ غلبہ سے پہلے کا معنی اور غلبہ کے بعد کا معنی۔ چنانچہ فریق اول نے غلبہ سے پہلے والا معنی "مطلق معبود"

معتبر قرار دیا ہے کیونکہ وہی معنی اصل ہے۔ اس لئے "إِلٰہ" سے مراد مطلق معبود ہے، خواہ برحق ہو یا باطل۔

اور فریق ثانی، غلبہ کے بعد والا معنی کا اعتبار کرتے ہیں چنانچہ اعلام عالیہ میں غلبہ کے بعد والا معنی کا اعتبار کیا جاتا ہے اور غلبہ کے بعد والا معنی "إِلٰہ" کیلئے ہے۔ معبود برحق اور کلمۂ طیبہ میں جس معبود کی نفی کی گئی ہے وہ معبود برحق ہے نہ کہ معبود باطل مطلق اگر استثناء کی حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو یہی معنی (بعد از غلبہ والے یعنی معبود برحق) سب سے زیادہ صحیح اور درست معلوم ہوتے ہیں۔

وَاللّٰہُ اعلم بالصواب

سوال :۔ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" میں استثناء متصل قرار پایا ہے جس میں بر قول ثانی اِسْتِثْنَاءُ الشَّیْءِ عَنْ نَفْسِہٖ لازم آتا ہے مستثنیٰ منہ اِلٰہ بمعنی معبود برحق ہے اور مستثنیٰ اللّٰہ ہے جو کہ معبود برحق ہے۔ پس اصل عبارت ہوئی لَا مَعْبُوْدَ بِالْحَقِّ اِلَّا الْمَعْبُوْدُ بِالْحَقِّ، چونکہ استثناء عن نفسہ باطل ہے جیسا کہ ما جاءنی زید الا زید لہٰذا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ باطل ہوگا۔

جواب :۔ کتاب تفسیر الاحکام مصنفہ ... شہاب الدین میں ہے کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں نفی ان معبودوں کی ہوئی ہے جو تصور ... ہوتے ہیں اور اِلَّا اللّٰہُ میں اس واجب الوجود معبود کا اثبات ہوا ہے جو کہ فی الحقیقت خارج میں موجود ہے۔ مثال دے کر واضح کیا جاتا ہے کہ "لا شمس الا ھذہ" اس سورج کے سوا اور کوئی سورج نہیں۔ ذہن میں تصور کئے ہوئے مختلف سورجوں کی نفی ہے اور صرف اس سورج کا اثبات ہے جو حقیقت میں ہماری آنکھوں کے سامنے موجود ہے (اور یہ بات طے ہے کہ محال کا تصور کفر نہیں) پس اس طرح استثناء الشی عن نفسہ لازم نہیں آتا کیونکہ ذہن میں تصور کردہ معبود اور ہے اور حقیقۃً خارج میں موجود معبود اور ہے۔

"عقیدہ قطبیہ" میں درج بالا سوال کا جواب اس طرح دیا گیا ہے کہ مستثنیٰ منہ "اِلٰہ" ہے اور وہ کلی ہے اور مستثنیٰ "اللّٰہ" ہے جو جزئی ہے جو کہ ذات باری تعالیٰ کا مختص نام ہے کلی و جزئی آپس میں متغائر ہیں لہٰذا استثناء الشی عن نفسہ لازم نہیں آسکتا

البتہ اس جواب میں منطقیوں کے قواعد و ضوابط کے مطابق دو طرح کی بحث کی جا سکتی ہے جو کہ نحو اور منطق کی کتابوں میں موجود ہے

سوال :- چونکہ لفظ "الٰہ" اعلام غالبہ میں سے ہے لہٰذا وہ اسم علم ہے اور اسم علم معرفہ ہوتا ہے نکرہ نہیں ہوتا۔ جب نکرہ نہ ہوا تو حرف نفی کے نیچے اگر عموم و استغراق اس میں کس طرح ثابت ہوتا ہے۔

جواب :- علم نحو میں ایک قاعدہ ہے کہ جب "علم" کسی صفت میں مشہور و معروف ہو تو ازراہ تاویل اسم علم بول کر صفت والا معنی مراد لیا جاتا ہے۔ مثلاً رُبَّ حاتم میں حاتم بوجہ سخی ہونے کے خود "جواد" سخی کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ بعینہٖ اسی طرح الٰہ صفت معبود میں مشہور و معروف ہونے کے، خود معبود کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔ اندریں حالت، ایسا اسم علم نکرہ ہوتا ہے اور یہی جواب باصواب کافی ہے اس شبہ کے لئے جو وارد ہو رہا ہے۔ آیتِ کریمہ میں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ۚ وَهُوَ الْعَلِيمُ الْخَبِيرُ ( پارہ رکوع )

سوال :- سب سے زیادہ صحیح قول کے مطابق "لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰہ" میں منفی معبود معبود بالحق ہے نہ کہ معبود مطلق۔ اس قول کے تحت، کلمہ پاک میں معبود باطل کی نفی نہیں ہوتی جب کہ کلمہ پاک میں مقصود معبودان باطلہ کی نفی ہے کہ مشرکین کے عقیدہ میں ان کی پرستش پائی جاتی ہے جس کی نفی کی جانی ضروری ہے تو وہ کیسے ہوگی۔

جواب :- معبودان باطلہ، اللہ ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے کیونکہ وہ حاجت مند ہیں اور جو خود محتاج ہو وہ حقیقت میں درجہ الوہیت سے خارج ہو جاتا ہے۔ اندریں صورت جو خود بخود منفی ہو چکا ہو۔ اس کی صراحتہً نفی کرنے کی ضرورت نہیں رہی۔

سوال :- اِلّا حرف استثناء ہے جو کہ دو قسم ہے متصل اور منقطع کلمہ طیبہ میں کونسی قسم ہے۔

جواب :- کلمہ طیبہ میں استثناء متصل ہے کیونکہ اگر استثناء منقطع ہوتا تو مستثنیٰ میں زبر نصب آتی جب کہ کلمۂ طیبہ میں بالاتفاق من الجمہور مستثنیٰ پر پیش پڑھا جاتا ہے

ہو کر لَآ اِلٰہَ سے محلاً بدل بن کر استعمال ہُوا ہے۔

سوال: جب لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ میں لفظ اللّٰہ مستثنیٰ متصل ہے تو زبر و نصب کیوں نہیں آتی؟

جواب: اگرچہ قانون کا تقاضا یہی ہے کہ نصب بر بنائے استثناء اور رفع بر بنائے بدل دونوں (زبر اور پیش) صحیح ہیں لیکن ایک مخصوص وجہ میں یہاں بر بنائے بدل رفع پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔ وُہ مخصوص وجہ یہ ہے کہ کلمۂ طیّب میں مقصود اصلی اور مطلوب کلی اِلَّا اللّٰہ ہے جس سے وُاحدانیّت کا اثبات ہوتا ہے اگر بدل قرار دینے میں بھی مقصود اصلی اللّٰہ ہی بنتا ہے تو رفع کے علاوہ نصب پڑھنا بر بنائے استثناء جائز ہے مگر وُہ چونکہ فضلہ ہے اس سے اجتناب برتا گیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ مجید میں اِلّا کے بعد ہر جگہ پیش پڑھا گیا ہے جیساکہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُو، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اَنْتَ میں زبر نہیں پڑھی گئی ہے۔

---

فائدہ! علماء کرام فرماتے ہیں کہ کلمۂ طیّب میں حرز کا محذوف ہونا واجب ہے تاکہ نفی کے بعد مقصود اصلی اور مطلوب کلی کے اثبات میں تاخیر نہ ہونے پائے یہی وجہ ہے کہ بعض عُلمائے کرام کے نزدیک "لا" پر "مد" پڑھنے کو ترک کر دینا افضل ہے تاکہ مقصُود کا اثبات جلدی سے کیا جاسکے کیونکہ چراغ سحری کا کیا بھروسہ؟ صرف "لا" پڑھنے کے بعد "اِلَّا اللّٰہ" پڑھنے سے پہلے موت آجانے کی صُورت میں مقصودِ اصلی فوت ہو جانے کا خوف باقی ہے۔

اور بعض لوگوں کے نزدیک کچھ تفصیل ہے۔

کافر، کُفر سے توبہ کرتے وقت کلمۂ طیّب پڑھ کر مُسلمان ہو رہا ہو اسے "مد" کا ترک کر دینا افضل ہے تاکہ حصُول مقصُود میں تاخیر نہ ہونے پائے۔ اور اگر مُسلمان کلمۂ طیّب کا ورد کر رہا ہو تو مد سے پڑھے تاکہ حروف و حرکات کی زیادتی سے اجر و ثواب میں فراوانی نصیب ہو۔ اور یہ قول مستحسن ہے۔

سوال :۔ کلمہ طیبہ میں حرف لا کی مد کے مقدار بتائیے؟

جواب :۔ اِس میں تین قول ہیں۔ ایک یہ ہے کہ کلمۂ طیب کی مد کی مقدار دو الف کے برابر ہے۔

دوم :۔ تین الف کی مقدار۔ سوم :۔ بعض کے نزدیک مد، چہار الف کی مقدار برابر ہے اور یہی قول قابلِ ترجیح ہے۔

روایت یہ ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کلمۂ طیبہ میں حرف "لا" کو چار الف کے برابر مد دیجائے تو نامۂ اعمال میں سے چار ہزار گناہ کبیرہ محو کر دیئے جاتے ہیں۔

سوال :۔ اگر کوئی پوچھے کہ الف کے مد کی مقدار کیسے معلوم کی جائے؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تجوید و قرأت کی کتابوں میں، ایک الف کی مدت قرأت، انگلی کے عقود میں سے ایک عقد کے برابر ہے۔ کتب سلف میں اسی طرح ہے۔ اگر ضروری سمجھیں تو ان کی طرف رجوع کریں۔

سوال :۔ کلمۂ طیبہ میں محمد رسول اللہ میں محمد مبتدا اور رسول اللہ خبر ہے کلمہ طیب میں مبتدا و خبر یعنی محمد رسول اللہ کیوں واقع ہوا ہے؟

جواب :۔ محمد رسول اللہ جملہ مستانفہ ہے جو کہ سوال مقدر کا جواب واقع ہوا ہے جب کہنے والے نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہا تو سائل نے سوال کیا کہ تم سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں کیا کہتے ہو تو جواب دینے والے نے کہا "محمد رسول اللہ" اس طرح لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ حقیقت کا بیان ہوا اور محمد رسول اللہ شریعت کا بیان قرار پایا۔

تاریخ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت طلوع صبح صادق کے بعد، آفتاب طلوع ہونے سے پہلے، بروز سوموار مکہ معظمہ میں اس مبارک سرائے میں ہوئی جو آجکل حجاج بن یوسف ثقفی کے بھائی محمد بن یوسف کی سرائے کہلاتی ہے۔ لیکن مؤرخین کے ہاں ماہ و سال اور تاریخ کے تعین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

اکثر مؤرخین کہتے ہیں کہ واقعہ فیل کے چالیس یا پچاس دن بعد، آپ پیدا ہوئے دوسرا گروہ کہتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت واقعہ فیل کے تیس سال بعد ہوئی۔ بعض کے نزدیک چالیس سال بعداز واقعہ فیل کا ذکر بھی ملتا ہے۔ قول اول صحیح ہے۔ اکثر علماء کرام اور فضلاً عظام کا عقیدہ یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول یوم ولادت ہے۔ دہم ہشتم ربیع الاول کا ذکر بھی آیا ہے۔ امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ ولادتِ مبارکہ کی تاریخ دہم ربیع الاول قرار پائی ہے اور کچھ لوگوں نے یہ بھی کہا کہ ولادتِ مبارکہ رمضان المبارک میں واقع ہوئی ہے۔

جامع الاصول میں منقول ہے کہ سلطان سکندر الرومی سے آٹھ سو بہتر سال بعد آپ تولد ہوئے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہہ کی روایت ہے بعثت عیسیٰ علیہ السلام سے ولادت نبوی تک کا درمیانی وقت چھ سو سال کا ہے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے ایک ہزار چھ سو سال بعد، سیدنا موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے دو ہزار چھ سو سال بعد سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام سے تین ہزار ستر سال بعد، اور حضرت نوح علیہ السلام سے چار ہزار چار سو نوے سال بعد سیدنا آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے چھ ہزار سات سو چالیس سال بعد مطلع صمدیت سے آفتاب جہان تاب، منور و تاباں طلوع ہوا تو ———

اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْدِ رَبِّهَا زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا اٹھی دریا، صحرا، کوہ و دمن میں اجالا ہو گیا۔

---

سوال :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک نام "محمد" سے کیوں موسوم ہوئے؟

جواب :۔ شرح الشرح میں لکھا ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم بعثت سے قبل وبعد قادر لم یزل کی حمد و ثناء میں مشغول رہا کرتے تھے۔ لہٰذا اس نام سے موسوم ہوئے۔

سوال :۔ آپ کے اسماء گرامی میں نام نامی "محمد" کی وجہ خصوصیت کلمۂ طیبہ میں کیوں ہے؟

جواب :۔ کشف الاسرار میں فرماتے ہیں کہ علامہ نیشا پوری نے لکھا کہ سید دو عالم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم کو چار حروف (میم و حا و میم و دال) والا نام دینے میں "اللہ" کے نام کے حروف میں تعداد سے مطابقت مقصود تھی ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ محمدؐ، اللہ سے ایسے ہم قرین ہو چکا ہے کہ ہر وقت اذان و اقامت، تشہد و خطبۂ جمعہ میں، اللہ کے نام کے ساتھ نبی پاک کا نام محمدؐ ساتھ ساتھ ہے وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ہم نے آپ کا ذکر بلند کر دیا ہے۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔ آیت قرآنیہ میں رفعت ذکر سے اشارہ ملتا ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کی پرواز عرشِ الٰہی سے نیچے نیچے تک رہی مگر سید الانبیاء علیہم السلام کے ہمائے ہمت کی پرواز عرش و کرسی سے آگے بلکہ کہیں اور آگے چلی گئی۔

سیمرغِ فہم ہر کس از انبیاء نرفت ٭ آنجا کہ تو بہ بال کرامت پریدۂ
ہر یک بقدر خویش بجا رسیدہ اند ٭ آنجا کہ جائے نیست تو آنجا رسیدۂ

انبیاء کرام میں سے کسی نبیؐ پاک کا شاہین عقل، اس مقام تک رسائی حاصل نہ کر سکا۔ جہاں تاجدارِ نبوت کی پرواز کرامت ساز جا پہنچی ہر ہر نبی نے ایک متعین مکان تک عروج فرمایا مگر آپ تو لامکان کی سرحدیں بھی پار کر گئے۔

فائدہ :۔ آپ کے نام نامی "محمدؐ" کے موجودہ چار حروف میں ترتیب سے بہت کچھ اسرار و رموز ملتے ہیں مثلاً :۔

اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو "محمدؐ" کی صورت میں پیدا فرمایا (اور اس صورت کا اظہار اس وقت ہوتا ہے جب انسان کروٹ میں سر اور رخسار کے نیچے ہاتھ رکھ لیتا ہے اس کی ہیئت کذائی سے لفظ "محمدؐ" عیاں ہوتا ہے) چنانچہ میم سر کی صورت، حا دونوں ہاتھ پیٹ و پشت، دوسری میم دونوں رانوں کے جمع ہونے کی جگہ اور دال بمنزلہ دونوں پاؤں کے ہے۔

نیز :۔ میم سے مراد اسلام قبول کرنے کے بعد محو کفر اور بعض کے نزدیک

محسوسات ہے اس شخص کے لئے جو سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہو۔
بعض لوگوں کے نزدیک میم سے مراد، منذر اور مبشر ہے مالک اُمت مقام محمود بھی میم سے مُراد لیا جاتا ہے۔
حٓ کے معنی ہیں حاکم یعنی اللہ تعالیٰ کے اذن اور عطا کردہ اختیار سے، خلقت میں حکومت کرنیوالا، آپ کے وسیلہ و واسطہ کے صدقے، حیات اُمت بھی مراد ہو سکتی ہے۔
دوسری میم سے اشارہ ملتا ہے اِس مغفرت کی طرف جوکہ اللہ تعالیٰ نے نبیٔ پاک کی اُمت کو عطا فرمائی ہے۔
دال سے مراد ہے دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔
یٰاَیُّھَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰکَ شَاھِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ بِاِذْنِہٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا (پارہ ۲۲ رکوع ۳) اے غیب کی خبریں بتانے والے (نبی) بیشک ہم نے بھیجا تمہیں حاضر ناظر، جو خوشخبری دیتا ڈر سناتا اور اللہ کی طرف اس کے حکم سے بلاتا ہے اور چمکا دینے والا آفتاب ہے۔
اور بعض لوگوں نے دال سے دلیل کا معنی مُراد لیا ہے۔ بہشت جانے کے لئے اللہ تعالیٰ تک رسائی کے لئے، دُنیا و آخرت میں مومنوں کے لئے آپ ہی دلیل ہیں۔
فیض :۔ اس مُبارک نام کے خصائص میں سے ہے کہ جب عرش تخلیق ہوا تو مضطرب رہنے لگا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر اپنے محبوبِ کریم کا نام "محمد" لکھ دیا تو عرش میں سکون و قرار آگیا۔ جامی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

اگر نام محمد را نیا وردے شفیع آدم
نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجّینا

فائدہ :۔ رسُول بروزن فعول، مُرسل کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی فرستادہ اور صاحبِ رسالت اور شریعت میں ہے۔ اَلرَّسُوْلُ ھُوَ الْاِنْسَانُ بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی لِتَبْلِیْغِ الْاَحْکَامِ مَعَہٗ کِتَابٌ جَدِیْدٌ وَشَرْعٌ جَدِیْدٌ رسُول ایک برگزیدہ انسان ہے

جسے اللہ تعالیٰ نے خلق کی طرف اپنا پیغام واحکام پہنچانے کے لئے مامور فرمایا ہو اور اس کے پاس نئی کتاب اور نئی شریعت ہوتی ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ یٰاَیُّھَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَہٗ وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکَافِرِیْنَ (پارہ ۶ رکوع ۱۳)

اے رسول پہنچا دو جو کچھ اترا تمہارے پاس، تمہارے رب کی طرف سے اور ایسا نہ ہُوا تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایا اور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گا لوگوں سے۔ بے شک اللہ تعالیٰ کافروں کو راہ نہیں دیتا۔

نبی کے معنی میں اہلِ سُنّت کے درمیان اختلاف ہے بعض اس کو لفظ نبا؁ سے مشتق قرار دیتے ہیں جس کے معنی خبر کے ہیں اور اس اصل کے لحاظ سے نبی کے معنی "خبر دینے والا"۔ بعض کے نزدیک اس کا مادہ نبو ہے یعنی رفعت و بلندی اور اس معنی کے لحاظ سے نبی کا مطلب ہے "بلند مرتبہ اور عالی مقام" ازہری نے کسائی سے ایک تیسرا قول بھی نقل کیا ہے اور وُہ ہے کہ یہ لفظ دراصل نبی ہے جس کے معنی طریق اور راستے کے ہیں اس معنی کے لحاظ سے نبی کا معنی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے کا راستہ۔

اصطلاحی معنی ہے اَلنَّبِیُّ مَنْ اَوْحَی اللّٰہُ اِلَیْہِ سَوَاءٌ اُنْزِلَ عَلَیْہِ الْکِتَابُ اَمْ لَا اور نبی، وُہ برگزیدہ انسان ہوتا ہے جس کی طرف وحی آئے خواہ اس پر کتاب اتری ہو یا نہیں۔ بعض لوگ نبی اور رسُول کو بالعموم ہم معنی قرار دیتے ہیں جیسا کہ امام زاہدی نے اپنی تفسیر میں یہی کچھ صراحت سے فرمایا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ قول اوّل مشہور اور زیادہ صحیح ہے۔ یعنی رسُول صاحب وحی اور صاحب معجزہ ہوتا ہے اور اس پر کتاب و شریعت نازل ہُوئی ہوتی ہے مگر نبی کے پاس کتاب نہیں ہوتی وُہ سابقہ شریعت پر عمل کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

سوال:۔ سیدنا داؤد علیہ السلام بالاتفاق نبی ہیں رسُول نہیں مگر ان پر اللہ کی

طرف سے کتاب زبور نازل ہوئی ہے۔ بدیں معنی رسول کہلائے نہ نبی وجہ بتلائیے؟

جواب:۔ عقیدہ قطبیہ میں مرقوم ہے کہ کتاب سے مراد، وہ کتاب ہے جس میں شریعت مقدسہ کے احکامات بیان کئے گئے ہوں اور وہ شریعت سابقہ شرائع کے لئے ناسخ ہو۔ جیساکہ امام انبیاء کی کتاب و شریعت ناسخ ہے۔ بخلاف کتاب زبور کے کہ اس میں صرف قصص اور امثال پائے جاتے ہیں۔ احکام شریعت کا کہیں ذکر تک نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام، سیدنا موسیٰ کلیم کی شریعت پر عمل فرماتے، بدین وجہ داؤد علیہ السلام نبی ہیں رسول نہیں۔

سوال:۔ جملہ پیغمبروں پر ایمان لانا فرض ہے اول پیغمبر آدم اور آخر پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں جبکہ کلمۂ طیب میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا باقی کسی کا ذکر نہیں حالانکہ کہا جاتا ہے اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ...... جس میں رسل بصیغہ جمع استعمال ہوا ہے اس کے برعکس کلمۂ طیب میں لفظ "رسول" مفرد استعمال ہوا ہے۔ کیوں؟

جواب:۔ جملہ پیغمبروں کی نبوت کا دارو مدار ہمارے نبی پاک کی خبر پر ہے جب ہم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے تو گویا از آدم تا ایندم سب نبیوں رسولوں پر ایمان لے آنا ثابت ہو گیا۔

فائدہ:۔ امام احمد نے حضرت ابو اُمامہ سے اور حاکم نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے رسولوں کی تعداد پوچھی گئی تو آپ نے ۳۱۳ یا ۳۱۵ بتائی اور انبیاء کی تعداد ایک لاکھ چوبیس ہزار بتائی۔ اولوالعزم رسول چھ ہیں آدمؑ نوحؑ ابراہیمؑ موسیٰؑ عیسیٰؑ اور سیدنا محمدؐ ان سب میں افضل ہمارے پاک پیغمبر ہیں جس کی فضیلت میں دلائل و براہین بکثرت موجود ہیں آپ کے بعد ابوالبشر مسجود ملائک سیدنا آدم کو فضیلت حاصل ہے پھر نوح کا عالی مقام ہے اور طوفان کے بعد "ابوالانسان" حضرت نوح کا نام آتا ہے۔ بعدہٗ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو فضیلت حاصل ہے وحی آئے بغیر محض عقل سلیم سے اللہ تعالیٰ کی پہچان آپ نے فرمائی

اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ سیدنا موسیٰ کلیم خدا سے ہم کلام ہو کر فضیلت پا گئے اور بعض لوگ، بے پدر پیدا ہونے کی صورت میں سیدنا عیسیٰ روح اللہ کو فضیلت دیتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

فیلز:۔ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ ہم اس کے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے۔ یہ مومنین کی حکایت بیان ہو رہی ہے کہ ہم ان پر ایمان لانے میں فرق نہیں کرتے جیسا کہ یہود نصاریٰ نے کیا کہ بعض پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کر دیا۔ ہم سب کو برحق نبی و رسول جان کر سب پر ایمان لاتے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں رسولوں میں سے کسی رسول پر ایمان لانے میں فرق نہ کرنے کا ثبوت ملتا ہے۔ مگر مراتب و منزلت میں انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دینے کی ممانعت نہیں ہے خود قرآن کہتا ہے۔ تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ۔

یہ رسول ہیں کہ ہم نے ان میں ایک کو دوسرے پر افضل کیا۔ ان میں کسی نے اللہ سے کلام کیا اور کوئی وہ ہے جسے سب پر درجوں میں بلند کیا اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ کو کھلی نشانیاں دیں اور پاکیزہ روح سے اس کی مدد کی۔

تفاسیر کتب حدیث اور کتب فقہ میں اس موضوع پر تفصیل وار گفتگو موجود ہے۔

فائدہ:۔ امام نووی تحریر فرماتے ہیں کہ سلام کے بغیر صلوٰۃ مکروہ ہے۔ علیٰ ہذا القیاس صلوٰۃ کے بغیر سلام بھی مکروہ ہے ——— قرآن مجید میں ہے اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِيِّ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا (پارہ ۲۲ رکوع ۴) بیشک اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے رحمت بھیجتے ہیں پیغمبر پر صلی اللہ علیہ وسلم، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر رحمت بھیجا کرو اور خوب سلام بھیجا کرو۔

اس آیت پاک میں صلوٰۃ و سلام دونوں کا حکم آیا ہے۔ کچھ متاخرین نے کہا کہ

صلوٰۃ سلام کے بغیر اور اس کے برعکس یعنی سلام صلوٰۃ کے بغیر، بلا کراہت جائز ہیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ صلوٰۃ و سلام میں واو عاطفہ مطلق جمع کیلئے ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کبھی صلوٰۃ اور کبھی سلام پڑھ لیا جائے بیک وقت دونو کا جمع کرنا ضروری نہیں ہے۔

البتہ جمہور کا مذہب ہے کہ صلوٰۃ و سلام کا حکم، وجوب کا معنی دیتا ہے ضروری ہے کہ درود و سلام دونوں پڑھے جائیں۔

مقدار میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ متفقہ قول یہ ہے کہ ہر مسلمان پر عمر بھر میں کم سے کم ایک مرتبہ درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ وجہ یہ ہے کہ آیت کریمہ میں صریح حکم ہے۔ صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ اور امر بالفعل تکرار نہیں چاہتا صرف ایک بار عمر میں واجب ہے جیسا کہ حج بیت اللہ عمر میں ایک دفعہ فرض ہے۔

امام طحاوی رحمتہ اللہ کا مذہب ہے کہ ہر بار ذکر کرنے والے اور سننے والے پر درود و سلام پڑھنا فرض ہے اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نام کی تعظیم ہے جیسا کہ صوم و صلوٰۃ کا حکم بصیغہ امر تکرار چاہتا ہے۔

بعض علماء کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی محفل میں ایک دفعہ درود شریف پڑھنا واجب ہے خواہ ذکر الرسول بکثرت پڑھا یا سنا جائے جیسا کہ سجدہ تلاوت کا ایک ہی محفل میں حکم ہے۔

واجب آمد چونکہ آید نام او !!
شرح کردن رمزے از انعام او

پہلا قول زیادہ موافق ہے دوسرا قول بر بنائے احتیاط ہے اور تیسرا قول بہت آسان ہے۔ بعض کے نزدیک جب آنحضرت کا اسم گرامی کہا یا سنا جائے درود واجب ہے اور ترک کرنے پر وعید عذاب ہے بعض علماء حنفیہ کے نزدیک یہی قول افضل ہے اور مجمع علماء حنفیہ اس پر متفق ہیں کہ ایک مجلس میں ایک بار درود واجب ہے اور باقی مستحب اور اسی پر فتویٰ ہے کتب کلام مزرع الحسنات میں اسیطرح

درج ہے۔

[ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ نے فتح الباری شرح بخاری میں درود شریف کے متعلق تقریباً دس مذہب نقل کئے ہیں۔ کتب کلام میں بھی یہ بحث موجود ہے۔ مزرع الحسنات میں درود شریف کی بحث تفصیل وار موجود ہے۔ (مترجم) ]

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ

سوال :۔ درج بالا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ درود شریف علی اختلاف القولین فرض ہے یا واجب تو پھر کلمۂ طیبہ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" میں نام محمد سن کر اور پڑھ کر درود وسلام کیوں نہیں پڑھا جاتا یا لکھا جاتا۔

جواب اول :۔ نام نامی اسم گرامی نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم وتکریم کی خاطر درود وسلام پڑھنا واجب ہے۔ رکن نہیں۔ رکن وہ ہوتا ہے جس پر ایمان کا مدار و مناط ہو۔ چونکہ کلمہ طیبہ میں ایمان کے مجمل ارکان کا ذکر کیا گیا ہے نہ کہ واجبات ایمان کا لہٰذا درود وسلام نہیں پڑھا لکھا جاتا۔ جب درود وسلام واجبات سے ہے تو کلمہ طیبہ میں اس کا پڑھنا لکھنا چہ معنی دارد ؟

اور جن لوگوں کو اصرار ہے کہ درود وسلام رکن ہے وہ حق پر نہیں۔

جواب دوم :۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود وسلام آپ کے اسم گرامی "محمد" کی تعظیم وتکریم ہے جو کہ مقصود ایمان ہے اور یہ تعظیم وتکریم "رسول اللہ" کہنے سے حاصل ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف رسول کی اضافت ہونے سے رسول کو عظمت ملتی ہے جیسا کہ ناقتہ اللہ وبیت اللہ۔ اندریں صورت کلمہ شریف میں مزید درود وسلام پڑھنا چنداں ضروری نہیں رہا۔

سوال :۔ انبیائے سابقین پر صلوات اللہ علیہ پڑھا لکھا جاتا ہے اور سید الانبیاء پر صلی اللہ علیہ وسلم۔ فرق واضح کیجئے۔

جواب :۔ آیت کریمہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا میں درود وسلام مامور بہ ہے اور مامور بہ عبادت کا درجہ رکھتا ہے اور یہ بھی طے ہے

کہ عبادت میں خلوص ہو۔ وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ ( اور انہیں حکم دیا گیا ہے کہ عبادت خداوندی خلوص سے ادا کریں۔ اور خلوص کے لئے ارادہ اور قصد ضروری ہے یہی وہ شرط ہے جس نے عبادت اور عادت کے درمیان امتیاز پیدا کر دیا یعنی عبادت میں قصد اور ارادہ لازمی ہے اور عادت میں ارادہ کو دخل ہی نہیں آیت کریمہ میں "صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا" کے الفاظ قصد و ارادہ چاہتے ہیں اس لئے کہ سَلِّمُوْا باب تفعیل کا ہے جس میں مبالغہ کا معنیٰ پایا جاتا ہے اور مبالغہ، قصد اور ارادہ کا دوسرا نام ہے۔ مثال دے کر سمجھایا جاتا ہے۔ بَالِغْ فِي الْمَضْمَضَةِ وَالْاِسْتِنْشَاقِ منہ اور ناک میں پانی دیتے وقت مبالغہ کرو۔ یعنی مضمضہ میں حلق تک اور استنشاق میں نتھنوں تک پانی پہنچانے کا قصد و ارادہ کرو۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِ جملہ خبریہ ہے اور خبر میں قصد و ارادہ پر دلالت نہیں ہو سکتی کیونکہ مخبر کی خبر، قصد و ارادہ سے ہو یا نہ ہو، دونوں حالتوں میں اسے خبر کہا جاتا ہے۔ سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کا درود و سلام مامور بہ ہونے کی وجہ سے قصداً ادا کرنا ضروری ہے یہی وجہ ہے کہ قصد و ارادہ کا معنی دینے والا لفظ "صَلِّ وَسَلِّمْ" خاتم النبیین کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے۔ انبیاء سابقین پر درود و سلام پڑھنے کا بالقصد حکم وارد نہیں ہوا ہے۔ لہٰذا اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُوْسٰى وَاللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى عِيْسٰى نہیں کہا جاتا بلکہ سیدنا موسیٰ صلوات اللہ علیہ اور سیدنا ابراہیم صلوات اللہ علیہ کہا جاتا ہے۔

سوال :۔ ہمارے پیغمبر خاتم النبیین افضل الانبیاء ہیں درج بالا تفصیل سے لازم آتا ہے کہ انبیاء سابقین (مفضل علیہم) کو افضل قرار دیا جائے کیونکہ ان پر صلوات اللہ علیہ پڑھا لکھا جاتا ہے جو کہ جمع ہے اور نبی پاک پر صلّ وسلّم جو کہ مفرد ہے جبکہ اس میں شک نہیں کہ جمع، مفرد سے زائد چیز ہے۔

جواب :۔ صلّ وسلّم دونوں فعل امر ہیں اور ہر فعل اپنے مصدر پر دلالت کرتا ہے چونکہ مصدر اسم جنس ہوتا ہے اور جنس میں عموم پایا بھی جاتا ہے۔ لہٰذا صلوات اللہ علیہ کو صلِّ وسلّم پر غلبہ نہیں ہو سکتا بلکہ صلّ وسلّم ہی غالب رہے گا صورت یہ ہے

کہ صلّ وسلّم بوجہ فعل ہونے کے ____________ جمع وعموم کا معنی دیتے ہیں
مزید برآں اس میں باب تفعیل نے قصد و ارادہ کا معنی بھی بڑھا دیا ہے جبکہ یہ دونوصفات
(جمع عموم اور قصد و ارادہ) صلوٰت اللہ علیہ میں نہیں پائے جاتے۔ مشائخ کی کتب
اور کتب کلام کا استفادہ اسی طرح ہے جو لکھ کر پیش کر دیا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ،

# مکتوب (۲۲)

جنابِ عالی مدظلہٗ العالی !

عوام وخواص میں عموماً اور مختلف لوگوں میں بھی عموماً بحث وتمحیص جاری رہا کرتی ہے۔ (موضوعِ سخن ہوتا ہے ولائیت اور درویشی)

بعض لوگ کہتے ہیں اللہ والے لوگ پہلے زمانہ میں نہ کہ صرف ہمارے ملک میں، بلکہ اطراف عالم میں اور ہفت اقالیم میں ہر وقت ہر جگہ موجود تھے جن کی دعاؤں میں اثر ہوا کرتا تھا اور وہ سبھی لوگ، شربتِ فنا، نوشِ جان کرکے دارِ فانی سے دار باقی کو سدھار گئے اندریں وقت اُن جیسا مقدّس نام ونشان کہیں بھی نظر نہیں آتا۔

عوام وخواص اپنے گمان وخیال میں، جنہیں درویش ولی غوث وقطب سمجھ رہے ہیں، سراسر فسق وفجور میں مبتلا ہیں لوگوں کو اپنی نفسانی غرض اور دنیاوی طمع کی خاطر اپنے دام فریب میں پھنسا دیتے ہیں خود گمراہ ہیں اور لوگوں کو مزید گمراہ کررہے ہیں (خفتہ راخفتہ کے کند بیدارم)

جبکہ بعض لوگوں کی رائے یہ ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَایَشَاءُ اللہ جو چاہتا ہے کرلیتا ہے تو اللہ والوں کو اختیارات کہاں؟ اور ان سے مدد مانگنا بے سود ہے۔

ایک جماعت اپنے اس اعتقاد پر ڈٹی ہوئی ہے کہ ہر زمانے میں، حقیقی حکومت اللہ والوں کو حاصل ہے مگر ہم ان کے احوال باکمال سے بے خبر ہیں۔

میرے مرشد غریب نواز! ہمیں بتلایا جائے کہ قطب کسے کہتے ہیں اور غوث کون ہوتا ہے، ولی کی کیا تعریف ہے ابدال اوتاد کیا کچھ ہوتے ہیں۔ نیز قطب میں کس قدر قوت واختیار ہوتا ہے اور ولی کی طاقت کس قدر ہوتی ہے اور یہ لوگ بارگاہِ باری تعالیٰ سے کس قدر امور کے لئے مامور و ماذون ہوتے ہیں اور کس قسم

کے کام سر انجام دے سکتے ہیں اور وہ کون سے معاملات ہیں جن سے ان کو واسطہ تک نہیں ہوتا؟

ان پراگندہ خیالات کو سُن کر نہ صرف کم ترین کا دِل عجز منزل بیقرار ہے بلکہ تمام غلام بیدام آنوالا شان کا کلام فیض انجام کے سُننے کا اشتیاق رکھتے ہیں.

براہِ عنائیت بے غائیت، صاحبان والامرتبت کی قدر و منزلت نوک قلم میں منسلک کر کے ہمیں ترسیل و تبلیغ فرما دیجئے تاکہ ہم سبھی غلام اس عقیدہ سعیدہ پر مضبوط اور محکم ہیں۔

# جواب ۲۲

برخوردار بعد از سلام واضح باد اس قسم کے اکثر سوالات، مسلک باطلہ کی طرف سے وارد شدہ آپ لکھ کر مجھے بھیجتے رہے اور ہم بھی قرآن و سنت کے مطابق اور مشائخِ عظام کی تعلیمات کے موافق ان کے جوابات تمہیں لکھ دیا کرتے رہے۔

فیلز ! بارہا منع کیا ہے کہ بُری صحبت اور بدمذہب کی ہم نشینی سے اجتناب کیا جائے اور یہ بھی بارہا کہا جاتا رہا ہے کہ قرآن و حدیث کے منکر کے ساتھ بحث و تمحیص کے بجائے سکوت اختیار کر لیا جائے۔

انکس کہ بقرآن و خبر زو نرہی
آنست جوابش کہ جوابش ندہی

پھر بھی حسبِ مدعا اور فائدہ عام ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے چند سندات مشائخ تحریر ہیں۔ ہوش کے کانوں سے سنیں اور اُن پر کاربند رہ کر اللہ والوں کے منکرین کی صحبت سے باز آجائیں۔

صحبت صالح تُرا صالح کند
صحبت طالح تُرا طالح کند

جاننا چاہیئے کہ سید محمد بن جعفر مکی حسینی، خلیفہ خاص حضرت شیخ المشائخ نصیر الدین چراغ دہلوی قدس سرہٗ اپنی کتاب "بحر المعانی" میں فرماتے ہیں۔

قُطبِ عالم زمانے میں ایک ہوتا ہے اس کے وجودِ مسعود کے طفیل ساری مخلوقات دُنیاوی اور اُخروی کا وجود قائم دائم رہتا ہے۔

[ قطب لغت میں چکّی کی کیل کو کہتے ہیں جس پر تمام چکّی کا مدار ہے۔ (مترجم) ]

ایسے ہی اگر قطب دُنیا میں نہ ہوں تو انتظام عالم تباہ و برباد ہو جائے۔ قطب خود حق تعالیٰ سے فیض حاصل کرتا ہے ایسے قطب عالم کو قطب مدار اور قطب ارشاد کہتے ہیں۔ ارشاد کے معنی راہ دکھلانا اور مدار کے معنی ہیں جائے گردش یعنی قطب ارشاد سے اللہ کی مخلوق کو ہر طرح کا نفع بظاہر و باطن) بے حساب ملتا ہے اور قطب مدار بدین معنی کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہلے اور بذاتِ خود کامل و اکمل ہو یعنی ساری مخلوقات اس کی گرویدہ ہو اور اپنے کاموں میں اس سے مدد چاہے یہ سب مجازی نام ہیں مگر دراصل زمین و آسماں میں اس کا نام "عبدُ اللہ" ہوتا ہے۔ اور اس کے دو وزیر ہوتے ہیں ایک وزیر دائیں طرف اور دُوسرا بائیں طرف۔ وزیر یمین جس کا نام عبد المالک ہوتا ہے قطب مدار سے فیض پاکر عالم بالا والوں کو فیضان فرماتا ہے اور وزیر لیسار جس کا نام عبد الرب ہوتا ہے عالم لیست والوں کو فیضان فرماتا ہے۔

جب قطب مدار دُنیا سے عالم آخرۃ کو رحلت کر جاتا ہے تو وزیر یمین عبد المالک اس کی جگہ لے لیتا ہے اور وزیر لیسار عبد الرب، وزیر یمین کے مقام تک ترقی کر لیتا ہے اور ابدالوں میں سے ایک ابدال جو کہ سیّدنا اِسرافیل علیہ السّلام جیسا دِل رکھتا ہے، عبد الرب کی جگہ نامزد کر دیا جاتا ہے۔ اسیطرح قیامت تک یہ سلسلہ جاری رہے گا۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ:۔ تمام قطب جو بیک وقت دُنیا میں موجود ہوتے ہیں تعداد میں بارہ ہیں سات قطب سات اقلیم میں جنہیں قطب اقلیم کہا جاتا ہے اور پانچ قطب پانچ ولائیت میں قیام پذیر ہیں جنہیں قطب ولائیت کہا جاتا ہے۔

قُطبِ مدار کا فیضان قطبِ اقلیم پر اور اقطابِ اقالیم کی نوازشیں اقطابِ ولائیت پر اقطابِ ولائیت کی توجہ، اولیاء کرام پر صادر و نازل ہوتی ہیں یہ سلسلہ تا قیام قیامت قائم رہے گا۔ ولی اللہ ترقی کر کے قطب ولائیت، قطب ولائیت سے قُطبِ اقلیم اور قطب اقلیم سے ابدال جو کہ سیّدنا اسرافیل علیہ السّلام کا سا دِل رکھتا ہے، اور ابدال تینوں درجات طے کر کے قُطبِ مدار کے مقام تک پہنچتا ہے اور قُطبِ مدار و

ارشاد، ترقی یاب ہونے پر مقام فردانیت پر فیض یاب ہوتا ہے اور وہ سیدنا علی المرتضیٰ جیسا دِل رکھتا ہے اور حضرت علی المرتضیٰ، سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مظہرِ اتم ہیں۔ البتہ مقام تفرید پر فیض یاب شخصیتوں کی تعداد متعین نہیں کم و بیش ہوتے رہتے ہیں لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہیں۔ انہیں صرف قطبِ مدار یا دوسرے اقطاب پہچانتے ہیں۔ ترقی فرما کر قطب حقیقی اور قطب حقیقی سے مقامِ محبوبی میں فائز المرام ہوتے ہیں۔ مگر مقام محبوبی تک بہت تھوڑے لوگوں کو رسائی نصیب ہوتی ہے ——

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جمیع اولیاء اللہ سے صرف دو شخص مقام محبوبی تک رسائی حاصل کر گئے ایک شیخ المسلمین محی الدین عبدُ القادر جیلانی محبوبِ سبحانی رحمۃُ اللہ علیہ اور دوسرے شیخ المشائخ نظامُ الدین بدایونی محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ۔

سید محمد بن جعفر مکی حسینی رحمۃُ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ایک دِن دریائے نیل میں حضرت خضر علیہ السلام میرے ساتھ کشتی میں سوار تھے باتیں چل نکلیں تو اُنہوں نے فرمایا شیخ المسلمین شیخ محی الدین عبدالقادر محبوبِ سبحانی اور شیخ المشائخ نظامُ الدین بدایونی محبوبِ الٰہی دونو مقام محبوبی و معشوقی میں ہیں اور فرمایا قسم بخُدا نیلے گنبد والے آسمان کے نیچے ان دونوں جیسا اور کوئی شخص نہیں پیدا ہو سکا۔ ممکن ہے کوئی آجائے مگر اُمید نہیں کیونکہ مقام محبوبیت "غیرت" کا مقام ہے۔ انتہی کلامہ

یہاں اس مکتوب میں مقام محبوبیت کی تفصیل ممکن نہیں اس لئے اس مقام پر گفتگو کو ختم کئے دیتا ہوں فہم مَن فہم سمجھا جس نے سمجھ لیا۔ وَاللہُ اعلم بالصواب۔

## اسمائے دوازدہ اقطاب۔

بارہ اقطاب کے نام نامی اسمائے گرامی درج ذیل ہیں:

قطبِ اوّل:۔ سیدنا نوح علیہ السلام جیسا دِل رکھتا ہے۔ اور اس کا وِرد سُورۃ یٰسین ہوتا ہے۔ (یعنی اس کا دِل حضرت نوح علیہ السلام کے دل کی کیفیات سے متصف ہوتا ہے۔

قطب دوم :- سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ساجوہر رکھتا ہے اور اس کا وظیفہ سورۃ اخلاص ہے۔

قطب سوم :- سیدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا اور وظیفہ سورۃ النصر ہے۔

قطب چہارم :- سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا عکس اور اس کا ورد سورۃ فتح ہے۔

قطب پنجم :- داؤد علیہ السلام جیسا دل رکھتا ہے ورد ہے سورۃ زلزال۔

قطب ششم :- سیدنا سلیمان علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور ان کا وظیفہ سورہ واقعہ ہے۔

قطب ہفتم :- سید ایوب علیہ السلام کا بہترین نمونہ اور ان کا وظیفہ سورہ بقرہ ہے۔

قطب ہشتم :- سیدنا الیاس علیہ السلام کا ساجوہر رکھتا ہے اور وظیفہ سورہ کہف ہے۔

قطب نہم :- سیدنا لوط علیہ السلام کا مظہر اور وظیفہ ہے اس کا سورۃ نحل ہے۔

قطب دہم :- وہی تصرفات و اختیارات رکھتا ہے جو ہود علیہ السلام کو عطا ہوئے اور وظیفہ سورہ انعام ہے۔

قطب یازدہم :- سیدنا صالح علیہ السلام جیسا ہوتا ہے اور وظیفہ اُن کا سورۃ طٰہٰ ہے۔

قطب دوازدہم :- سیدنا شیث علیہ السلام جیسا دل ہوتا ہے اور ورد سورۃ ملک ہے۔

## قطبِ اقلیم کے اختیارات :-

قطب وہ ہے جو اگر ولی کا ولائت سے تبادلہ کرے تو کر سکتا ہے اور قطبِ مدار وہ ہے جو خود قطب کو مقامِ قطبیت سے تغیر دے سکتا ہے اور لوح محفوظ کے احکام و ارکان اور اس میں تغیر و تبدل اس کے اختیارات میں داخل ہیں۔ ترقی کر کے قطبِ مدار سے مقام فردانیت تک عروج کر جاتا ہے جو کہ انبساط و تسلیم کا مقام ہے اور اس مقام پر پہنچ کر اس ترقی یافتہ قطبِ مدار کو اب کوئی مراد و خواہش باقی نہیں رہ جاتی۔ اب اس کی مراد ربّ العزت کی مراد ہوتی ہے یہاں تک کہ "قطب مدار" بعض اولیاء کرام کو اہل سمجھتے ہوئے مقام فردانیت تک پہنچا دیتا ہے۔ قطبیت کے مقامات و مدارج طے کرانا ضروری نہیں سمجھتا۔ مگر یہ عنائت کسی نصیب والے کو نصیب ہوتی ہے ورنہ ولائت و درویشی کے آئین و روش کے مطابق پہلے قطب

ولایت بعدہ قطب فردانیت تک عروج ہوا کرتا ہے جیسا کہ سیّد العالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بُدَلَاءُ اُمَّتِی سَبْعَۃٌ۔ [ اور ابنِ عساکر نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت بیان کی وَلَہٗ سَبْعَۃٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ اِبْرَاھِیْمَ (حاشیہ علی المشکوٰۃ)۔ (مترجم) ]

یہ سات ابدال سات ولائیتوں میں سکونت رکھتے ہیں۔ ایک ولائیت میں ایک ابدال ہوتا ہے۔ اور اپنے اپنے ملک میں مخلوق کی مدد اور ان کی حفاظت و نگہبانی اس ابدال کی ذمّہ داری ہے اور جب ان میں سے کوئی ایک کم ہو جائے تو اوتاد میں سے اس کا بدل مقرر ہوتا ہے۔ یہ سات ابدال، سات مختلف انبیاء علیہم السلام کے دِل کی طرح ہوتے ہیں اور ایک معین نام سے موسوم ہوتے ہیں بہرحال ان کی برکات و فیوض تمام عالم میں محیط و منتشر رہتی ہیں۔ سات ابدال اور ان کا تفصیل وار ذکرِ خیر :-

جاننا چاہیئے کہ ربع مسکون کو ہفت اقلیم میں تقسیم کیا جاتا ہے ہٰذا اقلیم سے مُراد ہے ربع مسکون کا ساتواں حصّہ یعنی ایک بہت بڑا قطعہ زمین یا برِ اعظم ہے۔

ابدال اوّل :- اقلیم اوّل میں سکونت اور سیّدنا ابراہیم علیہ السلام جیسا مزاج و طبیعت رکھتا ہے۔ نام مُبارک، عالم باطن میں عبدالحیّ ہوتا ہے۔ جبکہ دُنیا میں اس کا کوئی دوسرا نام ہوتا ہے۔

ابدال دوم :- دوسری اقلیم کا حاکم باطنی جو کہ سیّدنا موسیٰ علیہ السلام جیسا دِل رکھتا ہے نام مُبارک ہوتا ہے "عبدالعلیم"

ابدال سوم :- تیسرے برّاعظم کا محافظ و معاون سیّدنا ہارون علیہ السلام کا ہم مشرب اور نام عبدُالمجید ہے۔

ابدال چہارم :- چوتھی اقلیم کا مالک سیّدنا ادریس علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور آپ کا نام عالم باطن میں عبدالقادر ہوتا ہے

ابدال پنجم :- پانچویں اقلیم میں رہتا ہے حضرت یُوسف علیہ السلام کا مظہر ہوتا ہے اور نام ہے عبدالقاہر۔

ابدال ششم :- سیّدنا عیسیٰ علیہ السلام کا سا دِل رکھتا ہے اور نام عبدُالسمیع ہے۔

ابدال ہفتم :۔ ساتویں اقلیم میں ساکن اور آدم علیہ السلام کا مظہر ہے۔ نام ہے عبدالبصیر مشہور و معروف میں جسے خضر علیہ السلام کہا جاتا ہے۔

یہ سب ابدال عارف کامل ہوتے ہیں اور ایک ہی لمحہ میں ساری کائنات کی سیر و سیاحت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جو اسرار و رموز از قسم سعد و نحس، سات ستاروں میں ودیعت رکھے ہیں وہ سب ان سات ابدالوں میں موجود ہوتے ہیں۔ انتظام عالم میں آبادی اور بربادی ان کے وجود مبارک پر موقوف ہے۔ مثلاً اگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو کہ کسی ملک، صوبہ ضلع یا موضع میں تباہی لائی جائے تو ان ابدالوں میں سے دو ابدال سیدنا عبدالقادر اور سیدنا عبدالقاہر جو کہ زحل و مریخ ستارے جیسی تاثیر رکھتے ہیں، ان پر حملہ آور ہوتے ہیں اور وہ ملک و صوبہ ان کے واسطہ وسیلہ سے تباہی پذیر ہو جاتا ہے اور باقی پانچ ابدال پر عالم دنیا و آخرت کی آبادی کا مدار ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ :۔ مذکورہ سات ابدال کے علاوہ تین سو ستاون دوسرے ابدال ہیں جو پہاڑوں میں رہتے ہیں۔ بیابانی لکڑی اور درختوں کے پتے، اُن کی غذا ہے اور معرفت میں باکمال ہیں اُن کا کہیں آنا جانا نہیں ہے تین سو ابدال۔ سیدنا آدم علیہ السلام جیسا مزاج اور اُن جیسا دل رکھتے ہیں ابدالوں میں اُن کا نام صفی ہے چالیس ابدال سیدنا موسیٰ کلیم جیسا دل رکھتے ہیں ان کا نام موسیٰ ہے۔ سات ابدال سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا مزاج رکھتے ہیں اور ان کا نام بھی ابراہیم ہے۔ پانچ ابدال سیدنا جبرائیل علیہ السلام کا سا دل رکھتے ہیں۔ جمال الدین نام ہے اور چار ابدال سیدنا میکائیل علیہ السلام کی صورت و سیرت اور نام ہے "محمد" صرف ایک ابدال حضرت اسرافیل علیہ السلام جیسا دل و دماغ رکھتا ہے اور ابدالوں میں اس کا نام ہے "احمد" جب یہ ایک ابدال قطب مدار کا وزیر بن جاتا ہے تو اس کا نام "عبدالرب" رکھدیا جاتا ہے۔ درج بالا مذکورہ ابدالوں کے علاوہ بھی چالیس ابدال ہیں۔ ان میں سے بارہ ابدال ملک شام میں اور اٹھائیس ابدال ملک عراق میں رہتے ہیں اور ہر ایک کا نام احمد ہے۔

کشف المحجوب اور بعض دوسرے مشائخ عظام رحمہم اللہ تعالیٰ ان چالیس ابدال کو

"ابرار" کا نام دیتے ہیں جو کہ عارف کامل ہیں۔

[ تائید میں دو احادیث مبارکہ ذکر کی جاتی ہیں۔

عَنْ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ الْاَبْدَالُ یَکُوْنُوْنَ بِالشَّامِ وَھُمْ اَرْبَعُوْنَ رَجُلاً کُلَّمَا مَاتَ رَجُلٌ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ رَجُلاً یُسْقٰی بِھِمُ الْغَیْثُ یُنْتَصَرُ بِھِمْ عَلَی الْاَعْدَاءِ وَیُصْرَفُ مِنْ اَھْلِ الشَّامِ بِھِمُ الْعَذَابُ

( مشکوٰۃ رواہ ص )

یعسوب الموحدین حضرت علی المرتضیٰ فرماتے ہیں میں نے حضور اکرم سے سنا کہ آپ نے فرمایا شام میں ابدال ہوتے ہیں جن کی تعداد چالیس ہے۔ جب ان میں سے ایک فوت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا مرد مقرر فرما دیتا ہے۔ ان کے توسل اور برکت سے بارش ہوتی اور ان کی برکت سے دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور انہی کے طفیل اہل شام سے عذاب دفع ہوتا ہے۔

اَخْرَجَ ابْنُ عَسَاکِرَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ مَرْفُوْعًا اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ ثَلٰثَمِائَۃِ نَفْسٍ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ آدَمَ وَلَہٗ اَرْبَعُوْنَ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ مُوْسٰی وَلَہٗ سَبْعَۃٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ اِبْرَاھِیْمَ وَلَہٗ خَمْسَۃٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ جِبْرَائِیْلَ وَلَہٗ ثَلٰثٌ قُلُوْبُھُمْ عَلٰی قَلْبِ مِیْکَائِیْلَ وَلَہٗ وَاحِدٌ قَلْبُہٗ عَلٰی قَلْبِ اِسْرَافِیْلَ۔ وَکُلَّمَا مَاتَ وَاحِدٌ مِنَ الثَّلٰثَۃِ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الْخَمْسَۃِ وَکُلَّمَا مَاتَ مِنَ السَّبْعَۃِ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الثَّلٰثِمِائَۃِ وَکُلَّمَا مَاتَ وَاحِدٌ مِنَ الثَّلٰثِ مِائَۃِ اَبْدَلَ اللّٰہُ مَکَانَہٗ مِنَ الْعَامَّۃِ۔ بِھِمْ یَدْفَعُ الْبَلَاءَ عَنْ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ

(مشکوٰۃ شریف ص )

ابن عساکر نے ابن مسعود سے مرفوعاً روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین سو نفوس پیدا فرمائے جن کے دل آدم کے دل جیسے ہیں اور چالیس جن کے دل موسیٰ کے دل کی طرح اور سات جن کے دل ابراہیم کے دل کی طرح اور پانچ جن کے دل جبرائیل کے دل کی طرح اور تین جن کے دل میکائیل کے دل کی طرح اور ایک جس کا دل اسرافیل کے دل کی طرح

جب ان میں سے ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ تین میں سے ایک کو اس کی جگہ لاتا ہے جب تین میں سے ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ پانچ میں سے ایک کو اس کی جگہ مقرر کر دیتا ہے اور جب پانچ میں سے ایک مرجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سات میں سے ایک کو اس کی جگہ پر لاتا ہے۔ اور جب سات میں سے ایک مرجائے تو چالیس میں سے ایک کو لاتا ہے اور جب چالیس میں سے ایک مرجائے تو تین سو میں سے اور جب تین سو میں سے ایک مر جائے تو اس کی جگہ عام آدمیوں میں سے ایک کو لاتا ہے۔ ان کی برکات سے اس اُمت کی مصیبتیں دفع کی جاتی ہیں۔ (مترجم) ]

فائدہ :۔ جاننا چاہیئے کہ اوتاد چار ہیں اور چار دانگ عالم میں مثل میخ آہن اپنے اپنے مقام پر جمے ہوئے ہیں ایک مغرب میں ایک مشرق میں، پہلے کا نام عبدالودود اور دوسرے کا نام ہے عبدالرحمٰن اور تیسرا جنوب میں ہے نام عبدالرحیم ہے اور چوتھا شمال میں مقیم رہتا ہے جس کا نام عبدالقدوس ہے۔ ان چاروں میں سے کسی ایک کا وصال ہو جائے تو ابوالوقت صوفیاء میں سے کسی ایک کو ان کے قائم مقام بنا دیا جاتا ہے

علاوہ ازیں تین سو نقباء ستر نجباء سات اخیار اور چار عمدا عالم ارض میں کام کر رہے ہیں اس کی تفصیل اس مختصر مکتوب میں ممکن نہیں ہے۔

ان سب میں ایک ممتاز ہستی غوث ہوتا ہے۔

[غوث فریاد رس کو کہتے ہیں یعنی جو بندگانِ خدا کے معاملات میں ظاہر اور باطن میں عدل و انصاف فرماتے ہیں اور ان کی شناخت مشہور ہے کہ جب چاہیں اپنے اعضا جدا کر لیتے ہیں۔ (مترجم) ]

باطنی دنیا میں غوث کا نام عبداللہ ہوتا ہے اور ان کی جائے سکونت مکہ معظمہ قرار پائی ہے تمام عالم کا حال اس پر مثل آئینہ واضح ہوتا ہے۔ ایک ہی لمحہ لحظہ میں تمام عالم ارض و سما کی سیر و پرواز کر لیتا ہے اور ہر ہر جگہ موجود اور حاضر بھی رہتا ہے۔

جب غوث کا وصال ہو جاتا ہے تو عمدا میں سے کسی ایک کو مقرر کر لیتے ہیں علیٰ ہذا القیاس اخیار ترقی کر کے عمدا اور نجباء بجائے اخیار نقباء سے نجباء اور

صالحین میں سے کسی صالح انسان کو نقیب بنایا جاتا ہے۔

## مقامات و مساکن:-

نقیب مغرب میں اور نجیب مصر میں رہتے ہیں اخیار، ہر دم سیر و پرواز میں رہا کرتے ہیں ان کے لئے جائے سکونت کہیں متعین نہیں البتہ عمدا زمین کے گوشہ گوشہ میں موجود ہیں۔ مذکورہ بارہ قطب اکثر و بیشتر قریہ و بستی میں سکونت رکھتے ہیں۔ صرف قطب مدار بہت بڑے شہر میں رہا کرتا ہے۔ اور تمام اقالیم میں اور سبھی اقطاب پر طاقت و تصرف رکھتا ہے۔ قطب مدار ترقی کر کے مقام فردانیت تک عروج کر جاتا ہے پھر اس کے لئے سکونت کی قید ساقط ہو جاتی ہے اب وہ جہاں چاہے جب چاہے باذن اللہ آمد و رفت رکھتا ہے بستی ہو یا شہر۔ قطب حقیقی یعنی مقام محبوبیت پر فائز شخصیت کے لئے بھی قید سکونت ساقط ہو جاتی ہے۔

کشف المحجوب میں داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علاوہ ازیں، چار مبارک وجود اور بھی ہیں جو کسی کو نظر نہیں آتے اور ان کے احوال باکمال سے کوئی مطلع نہیں یہاں تک وہ ایک دوسرے کو بھی نہیں پہچانتے ہمیشہ چھپے چھپائے رہتے ہیں۔ ہکذا فی کتب المشائخ و بحر المعانی و کشف المحجوب ـــــــــ

پس جاننا چاہیئے کہ جسطرح اس دنیا اور دنیا میں رہنے والوں کا امن و امان سے رہن سہن مجازی حکام کے انتظام پر موقوف ہے۔ ہر ہر اقلیم ہر ہر شہر بستی بستی قریہ قریہ نگر نگر اور موضع موضع میں مجازی حاکم آئین کے تحت بکار سرکار مصروف ہوتا ہے اس دنیا کا اور دنیا میں رہنے والوں کا بندوبست اور انتظام فرمایا کرتا ہے۔ بعینہ اسیطرح ہر ہر اقلیم و دیار جزائر و شہر اور قریہ و موضع میں بھی سرکار حقیقی سے باطنی حکام کا تعین ہوا کرتا ہے تمام چار دانگ عالم ان حکام حقیقی کے زیر تسلط کام کر رہے ہیں۔

اندریں حالات اولیاء کرام کے منکرین محض غلطی پر ہیں اور ان کا انکار کر کے

اپنی دُنیا و عاقبت کو خراب کر رہے ہیں۔ جب کہ سینکڑوں نہیں ہزاروں اور لاکھوں دفعہ لوگوں کو تجربہ حاصل ہے کہ حاکم مجازی کسی مقدمہ میں تساہل و غفلت سے کام لیتا ہے تو حاکم حقیقی سے فریاد کرنے والے سے سختی و مصیبت ٹل جایا کرتی ہے اُن کے حضور عرضداشت قبول ہوتے ہی تھوڑی سی توجہ دلانے سے مجازی حکام، فریادرس کا مطلب حسبِ مدعا قبول کر لیتے ہیں ——— والسلام علیکم و علی من لدیکم

خاکپائے درویشان غفر اللہ لہ

# مکتوب ۲۳

جناب عالی مدظلہ المتعالی!

گنہگار عاجز احقر العباد گذارش کرتا ہے کہ چند ایسے طلبہ جنہیں دینی علوم سے کما حقہٗ بہرہ وحصہ شافی وکافی میسر تو نہیں ہو سکا مگر احادیث نبویہ اور اقوال مجتہدین بطور سند پیش کر کے جاہل لوگوں کو گمراہ دل بنا رہے ہیں کہ رسول عالی مقام صلی اللہ علیہ وآلہ کے والدین طیبین نعوذ باللہ کفر پر فوت ہوئے جہنم کی آگ سے ان کی نجات نہیں ہو سکتی ان کی پیش کردہ آیات واحادیث درج ہیں۔

حدیث اول:۔ ایک دن آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا کاش مجھے اپنے والدین کے متعلق معلوم ہوتا...... الخ تو آیت کریمہ نازل ہوئی وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ اور تم سے دوزخ والوں کا سوال نہ کیا جائے گا (سورۃ البقرۃ رکوع ۱۴) الجحیم دوزخ کا ایک درجہ ہے جو کہ ابوجہل کی قیام گاہ ہے ۔ نتیجہ خود نکال لیجئے

حدیث دوم:۔ رَوَاہُ الْحَاکِمُ وَالْبَیْہَقِیُّ فِی الدَّلَائِلِ مِنْ طَرِیْقِ اَیُّوْبَ بْنِ ھَانِیْ عَنْ مَسْرُوْقٍ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَوْمًا اِلَی الْمَقَابِرِ وَخَرَجْنَا مَعَہٗ فَاَمَرَنَا فَجَلَسْنَا ثُمَّ تَخَطَّی الْقُبُوْرَ حَتّٰی انْتَھٰی اِلٰی قَبْرٍ مِنْھَا فَنَاجَاہُ طَوِیْلًا ثُمَّ ارْتَفَعَ بَاکِیًا فَبَکَیْنَا لِبُکَائِہٖ ثُمَّ اَقْبَلَ عَلَیْنَا فَتَلَقَّاہُ عُمَرُ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الَّذِیْ اَبْکَاکَ فَقَدْ اَبْکَانَا وَاَفْزَعَنَا فَجَاءَ فَجَلَسَ اِلَیْنَا فَقَالَ اَفْزَعَکُمْ بُکَائِیْ قُلْنَا نَعَمْ فَقَالَ اِنَّ الْقَبْرَ الَّذِیْ رَاَیْتُمُوْنِیْ اُنَاجِیْ فِیْہِ قَبْرُ اُمِّیْ آمِنَۃَ بِنْتِ وَھْبٍ وَاِنِّی اسْتَاْذَنْتُ رَبِّیْ فِیْ زِیَارَتِھَا فَاَذِنَ لِیْ فَاسْتَاْذَنْتُہٗ فِی الْاِسْتِغْفَارِ لَھَا فَلَمْ یَاْذَنْ لِیْ وَنَزَلَ عَلَیَّ۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ

وَلَوْ کَانُوْا اُولِیْ قُرْبٰی مِنْ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَھُمْ اَنَّھُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِیْمِ (پارہ )

فَاَخَذَنِیْ مَا یَاْخُذُ الْوَلَدُ لِلْوَالِدَۃِ مِنَ الرِّقَّۃِ فَذٰلِکَ الَّذِیْ اَبْکَانِیْ ــــ قَالَ الْحَاکِمُ ھٰذَا حَدِیْثٌ صَحِیْحٌ وَتَعَقَّبَہٗ الذَّھَبِیْ فِیْ شَرْحِ الْمُسْتَدْرَکِ وَقَالَ اَیُّوْبُ بْنِ ھَانِیْ ضَعَّفَہٗ ابْنُ مُعِیْنٍ

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ محترمہ کے لئے دُعائے مغفرت کی درخواست رب الارباب کے حضور پیش کی مگر اجازت نہ مل سکی اور دو آیات مذکورہ نازل ہو گئیں۔

حدیث سوم :۔ فِیْ صَحِیْحِ الْمُسْلِمِ عَنْ طَرِیْقِ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَہ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِکٍ اَنَّ رَجُلًا قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیْنَ اَبِیْ قَالَ فِی النَّارِ فَلَمَّا قَفَاہُ دَعَاہُ وَقَالَ اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّارِ (صحیح مسلم ومواہب لدنیہ)

حماد بن سلمہ کے ذریعے حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک مرد نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرا باپ کہاں ہے؟ فرمایا وہ دوزخ میں ہے جب وہ چلا گیا آپ نے اُسے واپس بلوالیا اور فرمایا میرا باپ اور تیرا باپ (دونوں) آگ میں ہیں۔

جب اللہ تعالیٰ نے بمطابق حدیث اول آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین کریمین کو اصحاب الجحیم کہا اور مشرکین کے بارے طلب مغفرت سے روک دیا آپ کی والدہ ماجدہ کو بھی مشرکین میں شمار کر دیا گیا۔

مزید برآں خود آپ نے اپنے باپ کو دوزخی قرار دیا تو کافرین ومشرکین کی طرح دوزخ کے عذاب سے آپ کے والدین نجات نہ پا سکے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات۔ (نقل کفر کفر نباشد)

فقہ اکبر امام اعظم :۔ میں صراحت سے یہ الفاظ ملتے ہیں "اِنَّ اَبَوَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ ــــ" "اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ کے والدین کفر پر مرے"

میرے مُرشد ہادی! بے علم غافل لوگ درج بالا اسناد پر اعتماد کر کے خوارج و دشمنانِ رسول کی پیروی میں گمراہ ہوتے جا رہے ہیں راہِ حق و ثواب بالتحقیق تحریر فرمایئے اور ہمیں بھجوا دیجئے تاکہ آنحضورؐ کے بیدام غلام اِس عقیدہ حسنہ پر محکم و مستحکم ہو جائیں اور دُعا کرتے ہیں کہ آپ کا سایہ ہماپایہ ہم سب غلاموں کے سروں پر تا ابد قائم دائم رہے۔

آمین بالصاد والنون

# جواب ۲۳

برخوردار بعد از سلام سُنت خیر الانام واضح باد

کہ ایسے مسائل میں بحث و مباحثہ اہلِ سُنت وجماعت کے نزدیک قطعًا نامناسب ہے اس لئے کہ یہ گفتگو اور مذاکرہ و مباحثہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے، ایذا ہے۔ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایذا دینا ہے اور اللہ کے رسُول کو ایذا دینے کی سزا جہنم ہے۔ خَالِدِیْنَ فِیْهَا اَبَدًا

ارشادِ باری تعالیٰ سُن لیجئے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا (پارہ ۲۲ - رکوع ۳)

بلشبہ جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسُول کو ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ دُنیا اور آخرت میں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ذِلّت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔ خُود آنحضُور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

لَا تُؤْذُوا الْاَحْیَاءَ بِسَبَبِ الْاَمْوَاتِ روا، علی بن ابیطالب مشکوٰۃ شریف

مرنے والوں کی وجہ سے تم زندہ لوگوں کو ایذا نہ دو ——— الحدیث

حالانکہ ثقہ عُلماء کرام اور معتمد و معتبر فضلاء حضرات کا پُختہ عقیدہ ہے کہ والدین کریمین آتشِ جہنم سے نجات یافتہ ہیں اور یہ بات دلائل سے ثابت ہو چکی ہے۔

| | |
|---|---|
| اہلِ اسلام اند آبائے نبی | گرچہ منکر مے شود لیس مدعی |
| والدینش ہر دو بر دینِ خلیل | قصۂ احیا ضعیف است و علیل |
| حافظ سیوطی آں شاہ دین | شش رسالہ کرد در اثبات این |

(ایمان کامل مُصنفہ مولانا عبدُالعزیز پرہاروی)

ترجمہ :-

نبی پاک کے والدین کریمین مومن و موحد ہیں جبکہ منکرین اس بات پر مُصر ہیں کہ ........آپ کے والدین ماجدین دونوں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ملت کے پیروکار تھے۔ انہیں دوبارہ زندہ کر کے دوبارہ کلمہ شریف پڑھانے کی روائیت ہمارے نزدیک کمزور ہے قابلِ عمل نہیں ہے۔ سیدنا سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مسئلہ پورے بسط و کشاد سے لکھ دیا ہے اور اس بارہ میں ان کے تصنیف شدہ ستہ رسائل مشہور و معروف ہیں۔

مخدوم محمد ہاشم صاحب ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف منیف "فتح القوی باصلاب النبی" میں والدین کریمین کا آتشِ دوزخ سے نجات یافتہ ہونا، قوی دلائل از قسم آیاتِ قرآنیہ احادیثِ نبویہ اور ثقہ اقوال سے ثابت کر دیا گیا ہے کہ حضور علیہ السلام کے والدین ماجدین تا آدم و حوا علیہم السلام کل آباء و امہات مومن و موحد ہیں اور کسی میں کفر و شرک نہیں ہے۔

مخدوم موصوف رضی اللہ عنہ، نے اپنی مبارک تصنیف میں بہت سے باطل سوال اور ان کے شافی وافی جوابات پوری وضاحت سے درج کر دیئے ہیں اور ہم ان میں سے نمونہ مشت خروار حسبِ استدعا اس مکتوب میں نقل کر رہے ہیں۔ آپ سبھی لوگ اس کا بغور مطالعہ فرمالیں اور اس محبوب و مبارک مضمون و موضوع کو دل کی گہرائیوں میں جگہ دیں اس عقیدہ صحیحہ پر مضبوطی سے قائم دائم رہیں اور منکرین کی لایعنی باتوں پر کان نہ دھرا کریں بلکہ ان سے اجتناب کیا کریں۔

فائدہ :- درج ہذا مسئلہ میں دو مبحث ہیں۔

مبحث اوّل :- ابوین شریفین کا مومن و موحد ہونا اور آتش دوزخ سے نجات اور سوال و جوابات۔

مبحث دوم :- ثابت کیا جائے گا کہ والدین کریمین تا آدم و حوا کل امہات و آباء مومن و موحد ہیں اور ان میں سے کسی ایک کا بھی کفر و شرک ثابت نہیں ہے۔

مبحث اوّل :-

حدیث اوّل :- منکرین ایک حدیث کی سند لاتے ہیں کہ کاش میں اپنے ابوین کا

انجام جانتا ہوتا؟ قرآن نازل ہوا لَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحَابِ الْجَحِيْم۔

اِس حدیث کے جوابات :-

جواب اوّل :- علامہ شامی اپنی سیرت میں فرماتے ہیں اس حدیث کی سند ضعیف ہے حجت میں لانے کے قابل نہیں ہے۔ حافظ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں درج حدیث کا معتبر حدیث کی کتابوں میں کہیں بھی ذکر نہیں ملتا۔ البتہ بعض تفاسیر میں منقطع سند کے ساتھ یہ حدیث مذکور ہے جو کہ قابل حجت نہیں ہے۔

مزید برآں حدیث مذکور کا مفہوم، دوسرے وجوہات کے پیش نظر بھی مردود اور غیر مقبول ہے۔ اور وجوہات درج ذیل ہیں غور ہونا چاہیئے۔

ا۔ عبد بن حمید، ابن ابی حاتم ابن جریرا اور ابن منذر وغیرہم اپنی اپنی تفاسیر میں صحیح سند کے ساتھ روایت کرتے ہیں کہ سورہ بقرہ کی پہلی چار آیات میں مومنین کے انعامات کا ذکر ہے۔ دو آیات میں کافرین کی مذمت کی گئی ہے پھر تیرہ آیات منافقین کے حق میں نازل ہوئی ہیں اور چالیسویں آیت سے لے کر آخر سورت تک ایک سو بیس آیات، بنی اسرائیل کے بارے مخصوص ہیں (اندریں صورت) از آیت یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ———— تاقولہ تعالیٰ واذا بتلی ابراہیم ربّہٗ ———— الخ بنی اسرائیل کے حق میں نازل شدہ آیات ہیں اور آیت متنازعہ فیہ" ولاتسئل عن اصحاب الجحیم" ۱۱۹ نمبر پر ہے جو کہ بنی اسرائیل کے بارے نازل ہوئی ہے۔

۲۔ جحیم، عظیم الدرجہ دوزخ ہے، ابن ابی حاتم، ابی مالک سے روایت کرتے ہیں الجحیم ما اعظم من النار "جحیم کتنی بڑی آگ ہے" نیز ابن ابی حاتم، ابو مالک، ابن جریر طبری اور ابن منذر سے روایت بسند صحیح لاتے ہیں لھا سبعۃ ابواب جحیم کے سات دروازے ہیں اور جحیم ابوجہل اور اس جیسے دوسرے ان لوگوں کی قیامگاہ ہے جو کفر و عناد میں شدید تھے۔ اور اس کے برعکس، صحیح حدیث میں آیا ہے۔

اِنَّ اَهْوَنَ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَاِنَّهٗ فِیْ ضَحْضَاحٍ مِّنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ يَغْلِیْ مِنْهُ دِمَاغُهٗ رواہ البخاری عن ابی سعید الخدری

بے شک دوزخ والوں میں سب سے زیادہ خفیف اور ہلکا عذاب والا ابوطالب ہے
وُہ دوزخ کے ایک گڑھے میں ہے دوزخ کی آگ صرف اس کے ٹخنوں تک پہنچ پاتی ہے
اور بس مگر اس سے اس کا دماغ ابل رہا ہے۔ بخاری میں ابوسعید الخدری کی روایت
سے یہ حدیث درج ہے۔

حدیث مذکور دلالت کرتی ہے کہ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین
جحیم میں نہیں ہو سکتے بالفرض اگر وُہ دوزخ میں ہوتے تو ابوطالب کی نسبت انہیں مزید بھی ہلکا
عذاب ہوتا کیونکہ نبی پاک کا تعلق نسبی حسبی اور قلبی روحانی اپنے والدین سے بہت زیادہ ہے۔
نہ اُنہوں نے نبی پاک کا عہد رسالت پایا نہ ان پر اسلام و ایمان پیش کیا گیا جس سے اُنہوں نے
انکار کیا ہوتا ______ جبکہ ابوطالب نے وقت بعثت پایا اسلام اور کلمہ تشہد
پڑھنے سے انکار کر دیا وغیرہ وغیرہ۔ اور جب ابوطالب کو درج بالا کوتاہیوں کے باوجود سید
دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عذاب میں تخفیف کی گئی ہے تو کس جرم کے ناطے ابوین
شریفین جحیم عظیم الدرک دوزخ میں بھیجے جاتے جو کہ بہت بھاری مجرموں کی قیامگاہ ہے۔

نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ھٰذَا الْبُھْتَانِ الْعَظِیْمِ وَلَا یَقُوْلُ بِہٖ مَنْ لَّہٗ اَدْنٰی ذَوْقٍ سَلِیْمٍ

حدیث دوم اور اُس پر بحث:۔

المختصر آقائے دو عالم فخر دو آدم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے استغفار
کرنا چاہی مگر غفور رحیم رب العالمین نے اجازت نہ دی آیت نازل ہو گئی۔ وَمَا کَانَ لِلنَّبِیِّ
وَالَّذِیْنَ آمَنُوا ___ الخ

اِس حدیث کو ابن جریر نے عطیہ اوفی کے ذریعہ، سیدنا عبداللہ بن عباس سے
روایت کیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ:۔ علامہ شامی نے اپنی سیرت میں زور دے کر فرمایا ہے کہ اس حدیث
کی سند بھی ضعیف ہے اور قابلِ قبول نہیں حجت بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اس کی
سند میں ایک شخص ایوب بن ہانی پایا جاتا ہے جسے بقول ذہبی فی المستدرک علامہ یحیٰی بن معین
نے ضعیف قرار دیا ہے اور حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ درج حدیث کو ضعیف قرار دیتے

ہیں حجت میں لانے کے قابل نہیں قرار دیتے اور فرماتے ہیں یہ حدیث باوجود ضعیف ہونے کے صحیح حدیثوں کے بھی مخالف واقع ہوئی ہے کیونکہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں آیا ہے کہ آیت پاک کا شان نزول ابوطالب ہیں چنانچہ سیّد الغافرین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ابوطالب کے لئے استغفار کرتا جاؤں گا یہاں تک کہ طلب مغفرت سے روک دیا جاؤں۔

اندریں حالت یہ حدیث دو طرح سے معلول ہے ایک سند میں ضعف پایا جاتا ہے اور دوسرے احادیث صحیحہ کے مخالف واقع ہوتی ہے۔ اور یہ طے ہے کہ حدیث معلول قابلِ حجت نہیں ہوتی۔

سوال :۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آیت درج بالا "مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا ــ الخ" دو دفعہ نازل ہوئی ہو ایک دفعہ آپ کے والدہ ماجدہ کے حق میں اور دوسری دفعہ ابوطالب کے حق میں۔

جواب :۔ علامہ حلبی اپنی سیرت حلبیہ میں ارشاد فرماتے ہیں یہ ناممکن ہے بلکہ محال اور باطل ہے کہ ایک دفعہ آپ کو کافروں کے لئے استغفار سے روک لیا جائے اور دوسری دفعہ آپ دوبارہ کسی دوسرے کافر کے لئے استغفار کریں اور پھر روک دیا جائے ــــــــــ

احادیث صحاح ستہ میں سے ایک حدیث جو صحیح مسلم اور صحیح ابن حبان میں روایت ہے کہ آپ نے اپنی والدہ ماجدہ کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست کی مگر اجازت نہ ملی۔ تو اس کے جواب میں حافظ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں استغفار کا اذن نہ ملنا، معاذ اللہ ان کے کفر کی دلیل نہیں بلکہ گناہوں سے پاک ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

بارہا اوائل اسلام میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مقروض کے لئے دعائے استغفار اور نماز جنازہ پڑھانے سے روک دیا گیا جبکہ مقروض مسلمان ہوتا تھا لہٰذا طلبِ مغفرت سے روک دینے کی حکمت کچھ یوں بھی ہو سکتی ہے کہ آقائے نامدار مستجاب الدعوات میں جب سرکار آپ استغفار فرماتے تو مدعولہ شخص فوراً جنت اعلیٰ میں اپنے عطا شدہ مقام مقررہ تک پہنچ پاتا جبکہ مقروض اپنے مقام مقررہ کی طرف جانے سے اسوقت تک روکا جاتا رہتا

جب تک اس کا قرض چکا نہ دیا جاتا نَفْسُ الْمَدْیُوْنِ مُتَعَلَّقٌ بِدَیْنِہٖ قرض دار مسلمان کا جی، اپنے قرض کے باعث مقام مقرّرہ تک پہنچ پانے سے روک دیا جاتا ہے جب تک کہ قرض کی ادائیگی نہ ہو جائے۔

ممکن ہے کہ والیٔ دو جہان علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی والدہ ماجدہ دین و ایمان کے باوجود کسی دُوسرے وجوہات کے زیرِ اثر برزخ میں رہ رہی ہوں اور انہیں جنّت تک کی رسائی سے روک رکھنا مقصود ہو جن کا خالص تقاضا تھا کہ آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کو صرف اس وقت دُعائے مغفرت سے روک دیا گیا ہو اور کسی دوسرے وقت آپ نے استغفار فرمائی ہو۔

اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کا دوبارہ زندہ ہونا اور آنحضرتؐ پر ایمان لانے کی خاطر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کو طلبِ مغفرت سے روک دیا گیا ہو۔ صاف ظاہر ہے کہ آخیر عُمر یعنی حجۃ الوداع کے موقع پر سیّد الکائنات علیہ الصّلوٰت نے اپنے والدین کیلئے دوبارہ دُعا کی اور آپ کے والدین نے زندہ ہو کر کلمہ تشہد پڑھ لیا اور ایمان حاصل کیا۔

والحمد للہ علیٰ ذالک

حدیث سوم اور اس پر بحث :۔

حماد بن سلمہ کے ذریعہ ثابت سے اور پھر انس بن مالک سے روایت ہے کہ کسی شخص نے پُوچھا میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا وُہ دوزخ میں ہے جب وُہ چلا گیا تو آپ نے واپس بلوایا اور فرمایا میرا باپ اور تیرا باپ دونو دوزخ میں ہیں مُسلم نے اپنی کتاب صحیح مُسلم میں یہ حدیث نقل فرمائی ہے۔ (صحیح مُسلم شریف)

اِس حدیث کے جواب میں سیّدنا امام جلال الدّین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے متعدد جوابات دیئے ہیں مگر صرف ایک جواب پر ہی اکتفا کر لیتے ہیں کہ یہ حدیث، بکثرت آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ، آثار و اقوال قویہ سے تعارض رکھتی ہے جن کا ذکر مبحث ثانی میں ہوگا اور یہ طے ہے کہ جب حدیث صحیح، آپس سے زیادہ وزن دار دلائل سے ٹکر کھائے تو اس حدیث صحیح میں تاویل کی جاتی ہے بشرطیکہ ممکن ہو تاکہ دو نصوص میں اجتماع ہو سکے (ورنہ چھوڑ دی جاتی ہے) زیرِ بحث حدیث "اِنَّ اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّارِ" کے لفظ "اب" سے مُراد عم یعنی چچا مراد ہیں

نہ کہ والد حقیقی سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہ' چنانچہ اللہ کریم نے ارشاد فرمایا :۔

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُولًا (پارہ رکوع )

ترجمہ :۔ اور ہم عذاب دینے والے نہیں جب تک کہ رسُول نہ بھیجیں۔

چونکہ والدین کریمین ایام فترت میں تھے اس لئے ان کی نجات کے لئے اعتقاد توحید ہی کافی تھا کسی شریعت اور احکام الٰہی کا اس وقت موجود نہ ہونا ثابت ہے۔ کوئی شریعت ہوتی تو بے فرمانی اور بے عملی سے کوئی گناہ صادر ہوتا یا اس بُرے کام سے بچنا ضروری قرار ہوتا لہٰذا ان کے حق میں استغفار کا نہ ملنا ثابت کرتا ہے کہ خبردار کسی کا ذہن ان کے گناہ کا وہم بھی پیدا نہ کرے۔

محاورات عرب میں چچا پر اَب کا اطلاق اکثر ہوتا آیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِلٰهَ آبَائِكَ اِبْرَاهِيمَ وَاِسْمَاعِيلَ وَاِسْحَاقَ

یعنی سیدنا یعقوب علیہ السلام کے حقیقی والد اسحاق علیہ السلام ہیں جو چچا ہیں انہیں بھی "اب" کہہ کر آباء میں شامل کر دیا گیا ہے۔

حدیث مذکور میں چچا پر اطلاق باپ کا بدیں وجہ بھی ممکن ہے کہ آپ ابوطالب کی کفالت میں رہے یہاں تک کہ ابوطالب نے نبوت کا دور پایا اور اپنی پوری زندگی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت و حفاظت فرماتے رہے۔ چنانچہ ایک دن سرداران قریش، ابوطالب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ تیرا بیٹا ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتا ہے اور ہمارے آباؤ اجداد کو گمراہ بتلاتا ہے اور ہمیں احمق ٹھہراتا ہے تم اس کو منع کر دو یا بیچ میں سے ہٹ جاؤ ہم اس سے سمجھ لیں گے۔ الخ

جب قریش نے دیکھا کہ ابوطالب اس طرح نہیں مانتا تو عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو ساتھ لے کر اس کے پاس گئے کہنے لگے اے ابوطالب! یہ عمارہ قریش میں نہایت حسین قوی اور خوبصورت نوجوان ہے ہم یہ تجھے دیتے ہیں تو اس کو اپنا بیٹا بنا لے اور اس کے عوض میں اپنے بیٹے کو ہمارے حوالے کر دے ابوطالب نے کہا اللہ کی قسم! تم مجھے بڑی تکلیف دیتے ہو کیا تم مجھے اپنا بیٹا دیتے ہو کہ میں اسے تمہارے واسطے پال لوں اور اپنا بیٹا تمہیں دیدوں کہ اسے قتل کر ڈالو اللہ کی قسم ایسا ہرگز نہ ہو گا۔

ما یوسف خود نمے فروشیم!

تو سیم سیاہ خود نگہدار!

درج واقعہ سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ ابوطالب پر آنحضرت کے لئے چچا کے بجائے باپ کا اطلاق اکثر و بیشتر ہوتا تھا از افاضات حافظ سیوطی فی الرسائل الستہ اور شیخ ابن حجر مکی کی شرح ہمزیہ اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی کی تصنیف فتح القوی۔ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی کتاب فقہ اکبر میں سے یہ لفظ اَنَّ اَبَوَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاتَا فِی الْکُفْرِ ——

کی توضیح و تشریح اور اس پر بحث کے پانچ وجوہات

وجہ اول:۔ علامہ ابن حجر مکی نے اپنے فتاوی میں واضح کر دیا ہے کہ فقہ اکبر میں نبی پاک کے والدین ماجدین کے متعلق درج الفاظ کی نسبت امام الناس ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کی طرف، مردود ہے غیر مقبول ہے۔ کیونکہ جس فقہ اکبر میں یہ الفاظ پائے جاتے ہیں وہ امام موصوف کی تصنیف نہیں بلکہ محمد بن یوسف ابوحنیفہ بخاری کی تالیف ہے۔

علامہ محمد برزنجی "سداد الدین" میں درج بالا عبادت نقل کر کے تبصرہ فرماتے ہیں کہ علامہ ابن حجر مکی کی تحقیق بالکل صحیح ہے کہ فقہ اکبر متنازع منہ سیدنا ابوحنیفہ نعمان بن ثابت الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف نہیں ہے۔

دراصل لوگوں کو اشتباہ میں ڈال دیا گیا وہ یوں کہ فقہ اکبر نام کی دو کتابیں ہیں اور ابوحنیفہ نام کی دو کنیتیں ہیں۔ ایک فقہ اکبر کے مؤلف محمد بن یوسف ابوحنیفہ بخاری ہیں اور دوسری فقہ اکبر کے مصنف نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کوفی ہیں۔ اندریں اشتباہ لوگوں کو وہم ہوا کہ جس فقہ اکبر میں درج بالا الفاظ موجود ہیں، وہی ابوحنیفہ کوفی کی تالیف ہے حالانکہ وہ محمد بن یوسف ابوحنیفہ بخاری کی تالیف ہے۔

اس اشتباہ پر تحقیق:۔

علامہ محمد برزنجی رحمۃ اللہ علیہ۔ سداد الدین تالیف میں فرماتے ہیں کہ مجھے ایک نسخہ صحیحہ فقہ اکبر تصنیف نعمان بن ثابت ابوحنیفہ کوفی دستیاب ہوا ہے جس کی روائت، ابو مطیع البلخی سے منسوب ہے جو کہ ان کے مخلص دوست ہیں اور اس نسخہ صحیحہ پر

بڑے بڑے حفاظ علماء اور فضلاء کرام کی تقریظات موجود ہیں میں نے اس کی ایک نقل اپنے پاس محفوظ کرلی ہے اور اس کی سند، امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ تک مجھے اتصالاً نصیب ہے الحمد! اور اس کے علاوہ ایک دوسرا نسخہ بھی ہے جو کہ فقہ اکبر کے نام سے لوگوں میں شہرت یاب ہے۔ اندریں حالت، حافظ ابن حجر مکی کا قول درست ہے۔

وجہ دوم۔ بالفرض، کتاب کی نسبت امام اعظم نعمان بن ثابت الکوفی رضی اللہ عنہ کی طرف اگر تسلیم کرلی جائے تو صاف ظاہر ہے کہ متنازعہ الفاظ آپ کے نہیں بلکہ بعض اعدائے دین نے، امام پاک کی شان میں نقص ڈالنے کے لئے، از خود وضع کئے ہیں اور کتاب میں لکھ دیئے ہیں جیسا کہ امام محمد غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "درہ فاخرہ" میں جھوٹے اور مدسوس الفاظ لکھ کر ان کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں۔

امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی رضی اللہ عنہ کے کمال زہد، خالص تقویٰ، حسن ادب اور عشق رسول سے انتہائی بعید ہے کہ آپ دین کے اعتقادیات پر مشتمل ایک ایسی کتاب تصنیف فرمائیں جو کہ شریعت حقہ کی اساس و بنیاد ہو اور لوگوں کو اسے پڑھنے، گھر میں رکھنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دیجائے مگر اس میں یہ بہتان و بکواس لکھی ہو کہ حضور والا شان رحمۃ للعالمین کے والدین کفر پر جئے اور کفر پر مرے جس سے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے نام لیواؤں کے لئے خالص ایذا رسائی ہے۔ نعوذ باللہ من ھذہ الخرافات

جبکہ ذکر متذکرہ، اعتقادیات ضروریہ سے بھی نہیں جس پر عقیدہ رکھنا لازم اور ضروری ہو

---

ہمارے درج بالا دعویٰ تدسیس کی تائید شارح مناقب ابو حنیفہ علامہ حافظ الدین نے کر دی ہے جو علمائے احناف میں عظیم المرتبت مانے جاتے ہیں آپ نے صریح لفظوں میں فرمایا کہ والدین ماجدین نجات یافتہ ہیں اور انہیں دوبارہ زندہ ہونے اور کلمہ طیب پڑھنے کے متعلق حدیث پاک بھی روایت کر دیتے ہیں اس میں شک نہیں اگر الفاظ متنازعہ آپ کی تصنیف میں سے ہوتے تو ان کے مقلد جناب علامہ حافظ الدین رحمۃ اللہ علیہ شارح مناقب ابو حنیفہ

آپ کے عقیدہ کی قطعاً مخالفت نہ کرتے۔

علامہ کمال الدین شمنی محققین احناف میں سے ہیں وُہ بھی ابن العربی مالکی کا قول نقل کرتے ہیں کہ والدین ماجدین کی طرف کفر کی نسبت کرنا اور انہیں دوزخ کی آگ سے نجات یافتہ تسلیم نہ کرنا ایذا رسانی ہے جو کہ موجب لعنت ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ الفاظ متذکرہ کو امام اعظم نعمان بن ثابت ابوحنیفہ الکوفی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کرنا، دشمنانِ دین کا بہتان وافترا ہے۔

وجہ سوم :۔ فقہ اکبر کی عبارت میں مضاف کا حذف پایا جاتا ہے۔ عبارت دراصل یُوں ہو۔ مَاتَا عَلیٰ عَھْدِ الْکُفْرِ یعنی والدین ماجدین، آنحضور کی نبوت اور اسلام کے ظہور سے پہلے والے عہد میں وفات پا گئے، یہ وُہ عہد ہے جو کُفر و جاہلیت کا عہد اور زمانہ تھا۔ یہ نہیں کہ معاذ اللہ وُہ بحالت کُفر مرے ہوں یعنی زمانہ فترۃ پر کُفر کا اطلاق کر دیا گیا ہے۔ یہ تاویل اس لئے ضروری ہے کہ جلیل الشان امام کے ساتھ حسن ظن رہے۔

وجہ چہارم :۔ الفاظ متنازعہ، اگر صحیح تسلیم کر لئے جائیں، تب بھی ابوین شریفین کا دوبارہ زندہ ہونے کے بعد ایمان لانا، اس کے منافی نہیں ہے۔ یہ چاروں وجوہ سید محمد برزنجی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تصنیف سداد الدین میں بیان فرمائے ہیں۔

[ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے والدین ماجدین کا زندہ ہونے کے بعد ایمان، اس لئے نہ تھا کہ معاذ اللہ وُہ کُفر پر مرے تھے ــــ بلکہ صرف اس لئے ان کو زندہ فرمایا گیا تاکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام پر ایمان لے آنے اور کلمہ تشہد پڑھنے کی فضیلت انہیں حاصل ہو جائے۔ (مترجم) ]

وجہ پنجم :۔

مان لیتے ہیں کہ فقہ اکبر میں موجود لفظ "اَنَّ اَبَوَیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ مَاتَا عَلَی الْکُفْرِ" سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ الکوفی رضی اللہ عنہ کے ہیں مگر ایک اصول از اصول فقہ بھی لکھے دیتے ہیں وُہ یہ ہے کہ جب کبھی فقہی امر میں امام ابوحنیفہ اور باقی مجتہدین علماء کرام میں اختلاف

واقع ہو جائے تو مصلحت وقت اور دینی ضرورت کے تقاضا کے تحت، امام اعظم نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی رضی اللہ عنہ کا قول ترک بھی کر دیا جاتا ہے اور اس کے بجائے دوسرے علماء کرام کے فتویٰ پر عمل کیا جاتا ہے۔

کتب فقہ میں "مسئلہ مزارعت" بہترین مثال ہے جس میں ابو حنیفہ و باقی مجتہدین میں اختلاف پایا جاتا ہے اور وقتی ضرورت کے تحت جناب ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول چھوڑ کر دوسرے مجتہدین کی اتباع کی جاتی ہے۔

متنازعہ مسئلہ اسلام ابوین شریفین میں ادب احترام اور عشق و محبت کا تقاضا ہے کہ سید الکائنات محبوب رب العالمین کی نسب مبارکہ میں تنقیص نہ کی جائے جبکہ یہ مسئلہ اعتقادیات ضروریہ میں سے بھی نہیں ہے ـــــ اندریں ضرورت، قول امام ترک کر دیا جاتا ہے۔

نیز مجتہد وقت پر خود اپنے اجتہاد کے مطابق پیدا شدہ صورت حال پر عمل کرنا واجب ہے۔ ضروری ہے۔ اور اسے اجتہادی صوابدید میں دو اجر ملا کرتے ہیں۔ اور اگر اس کے اجتہاد میں خطا اور غلطی پائی جاتی ہو تو پھر بھی ایک اجر ضرور مل جاتا ہے۔

متنازعہ فیہ مسئلہ میں جمیع جمہور علماء کرام میں ابوین شریفین کے ایمان و توحید پر اجتہاد ثابت ہو چکا ہے۔ کتاب و سنت اور اجماع امت سے کوئی دلیل نہیں مل سکی جس سے ابوین شریفین کا کفر ثابت ہو۔

پس لازم ہے کہ امام عالی مقام نعمان بن ثابت ابو حنیفہ الکوفی رضی اللہ عنہ کا قول، جناب سید الکونین محبوب الثقلین صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وبارک وسلم کے حضور ادب و احترام کے تقاضا کے تحت، ترک کر دیا جائے اور دوسرے مجتہدین کی تقلید کی جائے۔

"فتح القوی باصلاب النبی" تصنیف منیف جناب مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کیلئے ـــــــــــــــ

جناب حافظ محب الدین طبری رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "ذخائر العقبیٰ فی مودۃ ذوی القربیٰ" میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت فرماتے ہیں ایک دن سبیعہ بنت ابولہب، سید

دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حضور شکایت لائی کہ لوگ مجھے (طعنہ دے کر)
کہتے ہیں "اَنْتِ بِنْتُ حَطَبِ النَّارِ" تو اس شخص کی بیٹی ہے جو دوزخ کا ایندھن ہے۔
اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراضگی ہوئی اور منبر شریف پر بیٹھ کر خطبہ
دیا اور فرمایا :

مَا بَالُ اَقْوَامٍ تُوْذُوْنَنِیْ فِیْ قَرَابَتِیْ مَنْ آذٰی قَرَابَتِیْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ
آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰہَ رواہ

اس قوم کا کیا انجام ہوگا جو مجھے، میری قرابت کے بارے ایذا دینے کے درپے ہے۔
یاد رکھو! جس نے میرے عزیز واقارب کو ایذا دی اس نے مجھے ایذا دی اور جس نے مجھے
ایذا دی تو اس میں شک ہی نہیں ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا دی۔

نیز! علامہ ابن فتحون نے بھی تَذْیِیْلُ الْاِسْتِیْعَابِ در ترجمہ سبیعہ بنت ابی
لہب میں درج بالا حدیث روایت فرمائی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سبیعہ بی بی کیخاطر اس کے باپ ابولہب
کو ایذا دیئے جانے پر جو کہ بقول قرآن مجید بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل کیا گیا ہے، اتنی شدت
سے غصہ فرما رہے ہیں، تو خود اپنے والدین ماجدین کے ایذا دیئے جانے پر آپ کے غیظ و
غضب کی کیا حالت ہوگی؟ جبکہ والدین کریمین بعثت مبارکہ سے پہلے وفات فرما گئے
تھے۔ اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَعَنَھُمُ اللّٰہُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ
وَاَعَدَّ لَھُمْ عَذَابًا مُّھِیْنًا (پارہ ۲۲، رکوع ۳، الاحزاب)

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو۔ ان پر اللہ کی لعنت ہے
دنیا اور آخرت میں اور اللہ نے ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

علامہ محب الدین طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تائید میں معجم صغیر میں علامہ محدث طبرانی ایک
حدیث روایت فرماتے ہیں۔ حضرت عکرمہ بن ابوجہل بارگاہِ حبیب میں شکایت لائے
کہ لوگ اُسے بطور طعن اس کے باپ ابوجہل کی گالیاں دیتے ہیں تو آپ نے فرمایا :
لَا تُؤْذُوا الْاَحْیَاءَ بِالْاَمْوَاتِ، مردوں کے سبب، زندہ لوگوں کو ایذا نہ پہنچایا کرو۔

علامہ ابنِ حجر مکی نے یہ روایت اپنی کتاب النعمتہ الکبریٰ میں درج کی ہے اور علامہ محمد برزنجی رضی اللہ عنہ، جو کہ مدینہ طیبہ کے اکابرین صاحب علم لوگوں میں شمار ہوتے ہیں، اپنی کتاب "سداوالدین" میں فرماتے ہیں کہ ایک مہاجر شخص حضرت عباس بن عبدالمطلب سے ملا اور کہنے لگا اے ابوالفضل میں نے خواب میں عبدالمطلب اور کاہنہ قیطلہ یعنی ان دونوں کو دوزخ میں دیکھا ہے۔ آپ نے اس شخص کی بات سُنی اَن سُنی کر دی، اور دوبارہ بھی اور تیسری بار جب اس نے وہی واقعہ خواب دُہرایا تو آپ نے اس شخص پر ہاتھ اُٹھایا اور اُس کا ناک زخمی کر دیا۔ وہ شخص زخمی حالت میں بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گیا۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا۔ اندریں اثنا قوم قریش بمعہ اسلحہ اس شخص سے انتقام لینے اُٹھ کھڑی ہوئی تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَابَالُ اَحَدِکُمْ یُوْذِیْ اَخَاہُ فِیْ شَیْئٍ وَاِنْ کَانَ حَقًّا (فی ربیع الابرار اللزمخشری)

لوگو! تم اپنے بھائی کو کسی خاص وجہ سے کیوں ایذا دیتے ہو اگرچہ حق بھی ہو۔ علامہ برزنجی تھوڑی تفصیل میں جا کر فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم منبر شریف پر بیٹھ گئے خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

لوگو! تم سب میں سے اعلیٰ و اولیٰ کون ہے؟ سبھی لوگوں نے جواب دیا آپ ہم سب میں اعلیٰ اور اولیٰ ہیں۔ پھر فرمایا۔ اِنَّ الْعَبَّاسَ مِنِّیْ وَاَنَا مِنْہُ فَلَا تَسُبُّوْا اَمْوَاتَنَا فَتُؤْذُوْا اَحْیَاءَنَا۔ بیشک عباس مجھ سے ہے اور میں عباس سے ہوں۔ تم ہمارے مُردوں کو گالیاں دے کر ہمارے زندوں کو ایذا نہ دیا کرو۔

تمام لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ہم آپ کے غضب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں۔ اِس حدیث کو نقل کرنے کے بعد، برزنجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ خاندانِ نبوت میں سے مُردوں کو گالیاں دینا حرام ہے۔ اس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ایذا ہوتی ہے۔ چنانچہ اس مردِ مہاجر نے حد سے تجاوز کیا اور طمانچہ مارنے میں، عباس کریم حق پر تھے ورنہ بمطابق شریعتِ مطہرہ، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے ضرور قصاص دلواتے۔ اپنے چچا عباس سے قصاص لینے میں آپ کو کیا جھجک ہوتی جبکہ خود آپ اپنا قصاص لینے

دینے میں ذرہ برابر دریغ نہ فرمایا کرتے تھے۔

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ شیخ امام تقی الدین کے والد گرامی علامہ کمال الدین السبکی کے چند رسائل کا مجموعہ مجھے دستیاب ہوا۔ جس میں تحریر تھا کہ قاضی ابوبکر بن عربی مالکی سے ایک شخص کے بارے میں سوال کیا گیا کہ وہ پیغمبر خدا کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ، کو دوزخی قرار دیتا ہے۔ تو آپ نے جواب دیا کہ وہ ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بارے میں فرماتا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَ اَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا مُّهِیْنًا۔ (سورۃ احزاب رکوع ۳)

بیشک جو ایذا دیتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو، ان پر اللہ کی لعنت ہے۔ دنیا میں اور آخرت میں اور ان کے لئے ذلت کا عذاب تیار ہے۔

قاضی ابوبکر بن عربی مالکی نے زور دے کر فرمایا کہ اللہ اور رسول کے لئے اس سے بڑی ایذا اور کیا ہو سکتی ہے کہ کہا جائے نبی پاک کے آباؤ اجداد دوزخی ہیں۔

علامہ باجی رحمۃ اللہ علیہ شرح موطا میں فرماتے ہیں۔ ہر عام و خاص کو بامر مباح کچھ ایذاء تکلیف پہنچے تو شریعت میں، نہ تو یہ گناہ ہے اور نہ قابل گرفت ہے۔ مگر ادب گاہ نبوت میں ایذا رسانی حرام ہے۔ خواہ امر مباح کے ساتھ ہو، خواہ امر غیر مباح کے ساتھ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ، کو سیدہ فاطمہ پر سوکن بناکر ابوجہل کی اسلام یافتہ لڑکی سے شادی نکاح کرنے سے روک دیا تھا۔ اور فرمایا تھا۔

اِنَّ بَنِیْ هَاشِمِ مِنَ الْمُغِیْرَةِ اِسْتَاذَنُوْنِیْ عَلٰی اَنْ یُنْکِحُوْا اِبْنَتَهُمْ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ وَقَالَ اَنَا لَا اٰذِنُ ثُمَّ لَا اٰذِنُ اِلَّا اَنْ یُطَلِّقَ عَلِیُّ بْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اِبْنَتَهٗ وَیَنْکِحَ اِبْنَتَهُمْ اَوْ کَمَا قَالَ — فَقَالَ فَاطِمَةُ بُضْعَةٌ مِّنِّیْ فَمَنْ اَبْغَضَهَا فَقَدْ اَبْغَضَنِیْ — الی آخرہ (مشکوٰۃ شریف)

مسور بن مخرمہ کی روایت ہے مغیرہ کے بیٹے ہاشم کی اولاد نے مجھ سے اجازت مانگی کہ علی بن ابی طالب سے وہ اپنی بیٹی بیاہ دیں۔ میں اجازت نہیں دیتا۔ سوائے اس کے

کہ علی بن ابی طالب میری بیٹی کو طلاق دیدیں اور پھر ان کی بیٹی سے نکاح کرلیں۔

دوسری روایت ہے کہ جس چیز کو اللہ نے حلال کیا ہے اسے میں حرام نہیں کر سکتا لیکن قسم بخدا، رسول اللہ کی بیٹی اور اللہ کے دشمن کی بیٹی، کسی شخص کے ہاں ایک ہی نکاح میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔

اِس حدیثِ پاک کے تحت ثابت ہوتا ہے کہ نبی پاک کو ایذا پہنچانا جو کسی بھی وجہ سے ہو، ہر حالت میں حرام ہے خواہ امر مباح سے کیوں نہ ہو۔ (جیساکہ فاطمہ زہرا کے ساتھ دوسرا نکاح حرام ہے۔ اگرچہ مباح ہے۔)

سیدالاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم نے بعینہ اپنی ذات والاصفات کی طرح، فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کو بھی بامر مباح، ایذا پہنچانا حرام اور ممنوع قرار دیا ہے (الناجی شرح موطا)

حافظ ابن عساکر اپنی تالیف "تاریخ دمشق" میں جو اسی جلدوں پر مشتمل ہے اس میں عبداللہ بن یونس سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ کے لئے ایک کاتب تعینات کیا گیا جو آپ تو مسلمان تھا مگر اس کا باپ کافر تھا حضرت نے فرمایا کاش میرا کاتب مہاجرین میں سے ہوتا۔ کاتب نے کہا کہ مجھ سے نفرت نہ کریں۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد بھی کافر تھے (نعوذ باللہ) جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے اس کی گستاخی سنی سرد آہ کھینچی سر جھکا کر فکر مند ہو گئے۔ بالکل ہوش نہ رہا۔ آخر بہت دیر بعد بولے۔ دل چاہتا ہے تیری زبان، تیری گدی سے نکال لوں۔ ہاتھ کاٹ دوں یا تجھے قتل کر دیا جائے ؟ آخر الامر اُسے دفتر سے نکال دیا گیا اور اُسے کہدیا کہ تم کو میری زندگی تک دوبارہ یہاں نہیں آنا ہو گا۔ جاؤ اور بھاگ جاؤ (حلیۃ الاولیاء ابونعیم)

فیض! مخدوم محمد ہاشم صاحب علیہ الرحمۃ کی مبارک تصنیف فتح القوی میں علامہ برزنجی سے منقول ہے کہ ملا علی قاری پر سخت تعجب ہوتا ہے۔ متاخرین حنفیہ میں ہونے کے باوجود، حضور علیہ السلام کے والدین معظمین کے کفر پہ شدت اور بہت غلو سے کام لیا ہے۔ فقہ اکبر مؤلفہ ابوحنیفہ البخاری کو امام اعظم ابوحنیفہ کوفی کی تالیف سمجھ کر اس کی شرح لکھتے وقت والدین کریمین کے بارے ایسی دل آزار باتیں ذکر کر دیں جو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے

ایذا کا موجب ہیں۔

مزید برآں حضور علیہ السلام کے والدین کا کفر ثابت کرنے میں مُلا علی قاری نے شدت اور غلو سے کام لیتے ہوئے، ایک رسالہ بھی لکھ ڈالا۔ اہل علم حضرات، حنفیہ اور شافعیہ وغیرہ سبھی لوگوں نے پُرزور تردید کی، اور جواباً رسائل لکھے، اور جن لوگوں نے اپنی اپنی تصنیفات میں ضمناً اس مسئلہ پر سیر حاصل بحث کی، اور سید دو عالم رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین ماجدین کا زندہ ہونے کے بعد بھی ایمان ثابت کیا۔ ان کے نام یہ ہیں شیخ عبد القادر طبری امام مکہ، شافعی المذہب علامہ مصطفےٰ ابن فتح اللہ مکی حموی، شیخ حسن بن علی حنفی مکی، ان کے علاوہ اور بھی بہت لوگ ہیں، جو مکہ اور مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، شیخ عبد القادر امام مکہ الطبری الشافعی اپنے منفرد رسالہ کے آخر میں اپنا ایک خواب تحریر فرماتے ہیں، کہ میں آپ خود اور ملا علی قاری ہم دونوں باب ابراہیم کی چھت پر چڑھ گئے ہیں، میں نے اپنے ہاتھوں مُلا علی قاری کو چھت سے نیچے گرا دیا اور وہ دھڑام سے زمین پر آرہا۔ بیدار ہوا تو علی الصبح خبر ملی، کہ ملا علی قاری چھت سے نیچے زمین پر گر پڑے، اور بہت کچھ چوٹیں آئی ہیں، یہاں تک کہ پاؤں کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے، چنانچہ تھوڑے دن زندہ رہ کر وفات فرما گئے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ منتھی کلامہ

علامہ مصطفےٰ ابن فتح اللہ المکی الحموی، اپنی تصنیف "فوائد الرحلۃ" میں فرماتے ہیں کہ ملا علی قاری آخر عمر میں مصائب و تکالیف میں گھر گئے، اور انہیں فقر و مسکنت نے گھیر لیا، یہاں تک کہ اپنا کتب خانہ بیچ کھایا مکان تک نیلام ہو گیا، غرضیکہ ان مصائب و شاکل کے کشف و اظہار کے بجائے، افضل ہے، کہ پردہ میں رہنے دیا جائے۔ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ الْوَاحِدِ السَّتَّارِ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْغَفَّارِ۔ (ھکذا فی فتح القوی)

[ عرض ہے کہ ملا علی قاری نے آخر عمر میں رجوع کر لیا۔ اور توبہ کر کے دنیا سے رخصت ہوئے، حاشیہ نبراس صفحہ ۵۲۶ پر ہے، "وَنُقِلَ تَوْبَتُہٗ عَنْ ذٰلِکَ فِی الْقَوْلِ الْمُسْتَحْسَن (۱۲ للہ الحمد) چنانچہ اہل علم پر مخفی نہیں کہ اتنی پرزور لغزش کے باوجود بھی انہیں توبہ کی توفیق نصیب ہونا، اس بات کی دلیل ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مسئلہ کے سوا باقی

تمام مسائل میں خوش عقیدہ تھے، ظاہر ہے کہ خوش عقیدگی ضائع ہونے والی چیز نہیں اسلیئے اللہ جلّ شانہٗ کی توفیق ان کے شامل حال رہتی، اور وُہ اس قولِ شنیع سے تائب ہُوئے، مُلّا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ تعالےٰ کے علاوہ بھی جن خُوش عقیدہ لوگوں سے ایسی لغزش ہوگئی ہے، ان کے حق میں بھی ہمیں یہی حُسنِ ظن رکھنا چاہیئے کہ مرنے سے پہلے اللہ جلّ شانہٗ نے ان کو بھی توفیق توبہ عطا فرمادی گئی ہو، وَمَا ذالک علی اللہ بعزیز۔ (مترجم) ]

اَلمبحث الثانی :۔

اِس بحث میں آنحضُور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے آباؤ اجداد کے اسماء گرامی بیان ہوں گے اور ساتھ ہی اجمال وتفصیل کے ساتھ ساتھ انکے متعلقہ فوائد بھی بیان ہوں گے جو کہ دو طریق پر مشتمل ہے۔

طریقِ اوّل :۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے آباؤ اجداد کے اسماء مُبارکہ کا اجمال کے ساتھ ذکر ہے جسمیں ناموں کی تعداد تا آدم علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اور ان اسماء مُبارکہ کے معانی کی تحقیق کا بیان ہے۔

طریقِ دوم :۔ آنحضُور شافع یوم النشور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ابوین سے لے کر سیدنا آدم کریم تک سبھی کا اہلِ اسلام اور پیغمبروں کے پیغمبر ہونے کی تحقیق میں آیاتِ الٰہیہ اور احادیثِ نبویہ و اقوال قویہ سے استشہاد ہے۔

الطریق الاوّل :۔

آباؤ اجداد کے اسماء مُبارکہ اجمالاً ذکر کیئے جاتے ہیں۔

نسب مُبارک :۔ حضرت سیّد الانبیاء والمُرسلین محمد مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصیّ بن کلاب بن مرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان رضوان اللہ علیہم۔

فائدہ :۔ ہم نے نسب نامہ جناب عدنان تک لکھا ہے کیونکہ اس کے بعد نسب بیان

رنیوالوں کے بارے کہا جاتا ہے کذب النسابون اور محتاط علماء کرام نے بھی یہیں تک
پ کا نسب مبارک لکھا ہے جو کہ صحیح اور متفق علیہ ہے۔

ا۔ قُصَیّ، قاف پر پیش صاد پر زبر اور یائے تحتانیہ پر شد پڑھی۔ تصغیر کا صیغہ ہے۔
صی بفتح قاف، بعید کا معنی دیتا ہے یہ لقب آپ کو ملا کیونکہ اپنے وطن اصلی سے
ہت دُور چلے گئے تھے یہ آپ کا لقب ہے اصل نام "زید" ہے۔

کِلاب، کاف کے نیچے زیر اور لام تخفیف سے پڑھا جاتا ہے مکالبہ کے معنی میں
ستعمال ہوتا ہے یعنی جنگ کرنا، جبکہ مصدر، اسم فاعل بن کر استعمال ہوتا ہے۔ اندریں حالت،
کِلاب بمعنی جنگ کرنیوالا یعنی مُکالِب ہے اور یُوں بھی ممکن ہے۔ کلاب جمع ہے کلب
کی بمعنی کُتا عرب لوگوں میں رسم تھی کہ وہ نظرِ بد کے دفاع کے طور پر اپنی اولاد کا لقب
کلب، کر لیا کرتے تھے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال۔

کَعْب، کاف پر زبر عین مہملہ پر جزم ہے۔ معنی ہے ٹخنہ یعنی ایک ایسی ہڈی جو
قدم میں کہیں اُونچی نظر آتی ہے جسے فارسی میں شتالنگ اور اُردو میں ٹخنہ کہتے ہیں۔ اپنی
قوم میں رفیع الشان ہونے کے باعث فال کے طور پر، نام اور لقب، کعب رکھ دیا گیا۔

لُؤَیّ، لاء کی تصغیر ہے۔ ہمزہ پر زبر اور یائے تحتانیہ مشدد پڑھی جاتی ہے۔ وجہ تسمیہ
میں تین قول ہیں مشہور یہ ہے کہ لُؤَیّ، لآء (اوّل لام دوم الف اور پھر ہمزہ) سے
اسم مصغر ہے اور لآء دیر کے معنی دیتا ہے تو اس حالت میں معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو
کام کرنے میں جلد بازی سے نہیں بلکہ سوچ سمجھ کر کام کرنے میں دیر لگ جایا کرتی۔ اس
لئے آپ کا لقب بن گیا، لُؤَی"

فِہر، فاء کے نیچے زیر ہائے مہملہ پر جزم ہے اور آخر میں رائے مہملہ ہے سنگ دراز
کے معنی دیتا ہے۔

مالک اسم فاعل ہے اہلِ عرب کا مالک ہونے کی وجہ سے آپ کو مالک پکارا جاتا ہے۔

نضر نون پر زبر ضاد معجمہ پر جزم اور آخر میں رائے مہملہ ہے اصل نام قَیس ہے۔
ترو تازگی کا معنی دیتا ہے۔ خوبرو اور حسن و جمال نے آپ کو نضر کا لقب دیا ہے۔

کِنانہ، کاف کے نیچے زیر اور دونوں نون زبر والے آخر میں ہائے مہملہ ہے ترکش کے معنی دیتا ہے جسطرح ترکش اپنے اندر تیروں کو ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ اسی طرح آپ بھی اپنے پاؤں تک کو ڈھانپ کر رکھا کرتے تھے تو لقب کِنانہ پڑ گیا۔

خُزیمہ، خا پر پیش اور زاء پر زبر یائے تحتانیہ پر جزم ہے اور الیاس بروزن فِعیال الس سے مشتق ہے جس کے معنی کمزور عقل کے ہیں اور کچھ عرب لوگ اپنی اولادوں کو حقیر ناموں سے موسوم کر دیتے جیساکہ غافل، آثم، عاصی حمار و کلب وغیرہ مقصود نظر بد کا دفاع ہوتا تھا اور اسی سبب سے الیاس بھی ہے۔

مُضَر، میم پر پیش ضاد پر زبر ہے یہ ماضر سے معدول ہے جیساکہ عمر، عامر سے اور یہ غیر متصرف ہے، مُضیرہ سے اشتقاق کرکے "ترشی" کا معنی بھی مُراد لیا جاتا ہے اپنے مقابل سے ترشی اختیار کرنے کی وجہ سے آپ کا نام مُضر مشہور ہُوا۔

نِزار، نون کے نیچے زیر زاء پر زبر اور تخفیف سے پڑھی جاتی ہے اور نزر سے متعلق ہے۔ قلت کے معنی دیتا ہے اپنے زمانہ میں آپ جیسا دُوسرا فرد معدوم تھا اس لئے آپ کو نزار کہا جاتا ہے یعنی عدیم المثال اور قلیل الوجود۔

عدنان، عین پر زبر دال پر جزم اور اخر میں الف و نون زائدتان ہیں مشتق از عدن بمعنی اقامت۔

چنانچہ علامہ شامی اپنی سیرت شامی میں لکھتے ہیں کہ جمیع نسابین کا اتفاق ہے کہ نسب مبارک عدنان تک صحیح ہے اور اس کے بعد آنیوالے آباؤ اجداد میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ یعنی عدنان سے اسمٰعیل علیہ السلام تک شدید اختلاف پایا جاتا ہے الفاظ میں بھی اور آباؤ اجداد کی تعداد میں بھی جیساکہ ابن اثیر نے اسد الغابہ میں اس بات کی تصریح کر دی ہے۔ اور علامہ شامی بھی اسی طرف گئے ہیں مگر بعض دوسرے نسّاب کچھ یُوں کہتے ہیں کہ عدنان تا اسمٰعیل کچھ معلوم نہیں ہو سکتا ہے۔ اور ایک جماعت کا خیال ہے کہ آباؤ اجداد کا علم تو ہے مگر ان کے تعین میں اختلاف ہے مثلاً آٹھ ہیں نو ہیں دس ہیں پندرہ ہیں تیس ہیں اڑھتیس ہیں اُنتالیس ہیں یا چالیس ہیں یا اکتالیس ہیں وغیرہ چنانچہ ابن جریر، ابن حبان اور

بن مسعود رضوان اللہ علیہم نے اپنی اپنی تصنیف وتالیف میں اس بحث کو بڑی بسط وکشاد سے لکھا ہے۔

علامہ ابوعلی محمد بن اسعد جوانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضورؐ نے نسب درج بالا میں اختلاف کا سبب یہ ہے کہ قدیم دور کے عرب لوگ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے اس لئے وہ صرف اپنے حافظہ پر اپنی یادداشت پر سہارا لیا کرتے تھے امور ومقاصد میں ایک دوسرے کی طرف حافظہ اور دل کی روشنی کی بنیاد پر رجوع کیا کرتے تھے ـــــ انتہی کلامہ

لیکن اکثر و بیشتر علماء کرام کا اختیار کردہ فیصلہ یہی ہے کہ از عدنان تا سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام صرف آٹھ واسطے ہیں جو کہ حسب ذیل ہیں۔

عدنان بن اُدبن اُدد بن الیسع بن الھمیسع بن سلامان بن بنت بن حمل بن قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام اور اکثر و بیشتر اہل کشف ومشاہدہ، مشائخ عظام، کا مسلک یہی ہے۔

علامہ شامی اپنی تصنیف سیرت شامی میں فرماتے ہیں کہ علامہ ابوعلی محمد بن اسعد جوانی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے قیدار بن اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد مبارکہ اطراف عالم میں پھیل گئی اور قبائل عرب وجود میں آئے اور ان میں سے اکثر و بیشتر فوت ہو گئے اور ان کے پیچھے اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سوائے اولاد قیدار کے اور کوئی بھی زندہ نہ بچ سکا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مبارک اولاد کو ادھر اُدھر بکھیر دیا کہ وہ جاکر اپنی زبان اور بولی سکھلائیں چنانچہ آپ کی اولاد میں سے قیدار بچ رہا جو کہ آپ کا بیٹا ہے اور عرب کا باپ "ابو العرب" کہلاتا ہے۔

بعض علمائے کبار اور مؤرخین فرماتے ہیں عدنان بن ادد بن مقوم بن ناحور بن شیرح بن یعرب بن یشجب بن نابت بن حضرت اسمٰعیل بن حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام اس قول کے مطابق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب مبارک از عدنان تا اسمٰعیل صرف سات پشت پر مشتمل ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال والیہ المرجع والمآل۔

فائدہ:- از عدنان تا اسمٰعیل علیہ السلام پر علمائے کرام کے نزدیک سوال وجواب ہیں

جنہیں تفصیل وار "فتح القوی بانساب النبی" میں بیان کیا گیا ہے۔ میرے اس مختصر رسالہ میں انہیں شرح وار درج کرنے کی گنجائش نہ ہے۔ لہٰذا اختصار سے کام لیا گیا ہے ____

فائدہ :۔ سیدنا ابراہیم اور آدم علیہما السلام کے درمیان والی نسب میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ علامہ ابن اسحٰق کے نزدیک نسب مبارک یوں ہے۔

حضرت ابراہیم بن تارخ بن ناحور بن شاروح بن راعو بن فالخ بن عیبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لامکبن متوشلخ بن خنوخ کہ مشہور ادریس ہے علیہ السلام بن برد بن مہلائیل بن قینان بن یانش بن شیث بن آدم علیہم السلام۔ ھکذا فی سیرت ابن اسحاق

علامہ سہیلی نے اپنی شرح روض الالف میں نسب نامہ یوں ہی بیان کیا ہے۔ البتہ طبری سے منقول ہے کہ عیبر اور شالخ کے درمیان ایک اور باپ ہے جس کا نام ہے "قینن" آپ ساحر تھے اس لئے تورات میں آپ کا ذکر ندارد ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں زیر آیت وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِیْمَ خَلِیْلًا ( پارہ رکوع ) نسب نامہ یوں لکھا ہے حضرت ابراہیم بن آذر اور آذر کا نام تارح بتلایا ہے۔

لفظی تحقیق :۔ تارح ، تائی فوقانیہ پر زبر ، رائے مہملہ پر زبر اور آخر میں حائے مہملہ ہے۔ ناحور نون پر زبر ، حائے مہملہ پر پیش ہے۔

شاروخ شین پر زبر رائے مہملہ پر پیش اور آخر میں خائے معجمہ ہے۔

راعو، میں غین ہے۔

فالخ ، فائے اور لام پر زبر اور آخر میں خائے معجمہ ہے۔

عیبر، عین مہمل ، یائے تحتانیہ اور بائے موحدہ ہے اور کچھ لوگ عیبر کو عابر بھی پڑھ جاتے ہیں۔ شالخ میں شین اور خائے معجمہ آیا ہے۔

سیدنا ابراہیم علیہ السلام و نوح کریم تک نسب میں ماسوائے لفظی تحقیق اور کوئی اختلاف نہیں ہے۔ جمہور مؤرخین نسابین اور اہل کتاب میں درج بالا ترتیب میں اتفاق پایا جاتا ہے البتہ علامہ ابن حبان سے نسب نامہ میں منقول اختلاف مبنی بر شاذ ہے۔ حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ

کا طبری سے عیبر اور شالخ میں مزید ایک باپ کا اضافہ میں نقل کرنا بھی مبنی بر شاد ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ ابن دُرید کی تصنیف کتاب الاشتقاق میں آیا ہے کہ از ابراہیم تا آدم نسب صحیح ہے اور ان میں قطعاً اختلاف نہیں ہے تورات میں ان کی نسبت اور مدت عمر بھی درج ہے۔ علامہ نساب ابو علی محمد بن اسعد الجوانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے مقدمہ میں نسب نامہ مذکور کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ البتہ ضبط اسماء میں اختلاف واقع ہے جس کا سبب، صرف زبان و بولی کی گرانی کے سوا کچھ نہیں ہے۔ انتہی کلام الجوانی

مخدوم محمد ہاشم فتح القوی میں فرماتے ہیں ابن دُرید اور جوانی کے بقول نسب نبوی میں صرف دو جگہ پر اختلاف موجود ہے۔ ایک از عدنان تا اسمٰعیل اور دوسرے مقام پر تعداد میں نہیں صرف تلفظ میں اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ صاحب کتاب ہٰذا خواجہ خواجگان امام بخش بن خواجہ غلام فرید رحمہما اللہ تعالیٰ نے اپنے کتب خانہ میں سے سیرت کی تمام کتابوں کا مطالعہ کیا جو کہ یہ ہیں۔ سیرت ابن اسحاق۔ سیرت گازرونیہ۔ سیرت شامی نوان تمام کتابوں میں از ابراہیم علیہ السلام تا آدم علیہ السلام اٹھارہ آباؤ اجداد پائے نہ زیادہ نہ کم۔ مگر ان اسماء کے تلفظ میں اختلاف تھا اس تفحص و تجسس سے ابن درید اور جوانی کے قول کی تائید ہوگئی۔ علامہ سہیلی فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں الفاظ کی آمد و رفت سے تلفظ میں گڑ بڑ ہوگئی ہے "فتح القوی بانساب النبی" میں یوں بھی لکھا ہے۔

مختصر اینکہ جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسب از سیدنا عبداللہ رضی اللہ عنہٗ تا عدنان اکیس افراد پر مشتمل ہے اور عدنان سے حضرت ابراہیم تک دس یا نو افراد ہیں۔ حضرت ابراہیم اور آدم علیہم السلام کے درمیان بیس شخص ثابت ہوتے ہیں منجملہ باون اور ایک قول میں اکاون افراد ہیں جو کہ نسب نامہ مبارکہ میں موجود ہیں۔

واللہ اعلم بالصواب

الطریق الثانی۔ سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بن عبداللہ، عبداللہ علم ہے مرکب اضافی سے منقول ہے مثلاً عبد بمعنی بندہ اور اللہ بمعنی خدا یعنی خدا کا بندہ اور آپ کی کنیت ابو قثم ہے کیونکہ نبی پاک کے ناموں میں ایک نام قثم ہے بمعنی بخشش

ابو محمد، ابو الحارث بھی آپ کی کنیت ہے۔ آپ کا لقب ذبیح ہے واقعہ یوں ہے کہ عبدالمطلب کو زمزم کا کنواں کھودنے کا حکم خواب میں دیا گیا اسوقت عبدالمطلب کے صرف ایک صاحبزادے "حارث" تھے۔ حضرت عبدالمطلب زمزم کھودنے میں مصروف ہو گئے جبکہ یہ کام ان کے لئے عزت و فخر کا کام تھا قوم قریش نے آپ کے ساتھ شریک ہونا چاہا مگر آپ نے انکار کر دیا جھگڑا بڑھ گیا اور طعنہ دیا گیا تم اکیلے اور قلیل الاولاد ہونے کے باوجود بھی ہم پر دست دراز ہوتے ہو اس سلسلہ میں آپ کو کچھ پریشانی لاحق ہوئی تو آپ نے نذر مانی اگر اللہ کریم نے اس کام کو مجھ پر آسان کر دیا اور ایک دوسری روایت کے مطابق نذر مانی کہ اے اللہ تعالیٰ مجھے پورے دس بیٹے عنایت فرما دے اور وہ سب میرے معاون ہوں تو ان میں سے ایک بیٹے کی میں قربانی کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے نذر قبول فرمائی دس بیٹے مل گئے جن کے نام درج ذیل ہیں۔

حارث ۔ زبیر ۔ حجل ۔ ضرار ۔ مقوم ۔ ابولہب ۔ عباس ۔

حمزہ ۔ ابوطالب اور عبداللہ ۔

---

زمزم کا کنواں کھودنے کے تیس سال بعد آپ کعبہ مطہرہ کے پاس قیام اللیل میں مشغول تھے کہ ایک خواب سیدنا عبدالمطلب نے دیکھا کہ کہنے والا کہہ رہا ہے اس گھر کے رب کی جو نذر مانی تھی وہ پوری کیجئے۔ بہت غمگین ہوئے سب بیٹوں کو جمع فرمایا اور انہیں نذر پوری کرنے کی دعوت دیدی۔ سب اطاعت شعار تھے۔ قرعہ انداز ہوئے تو حضرت عبداللہ کا نام نکل آیا۔ اپنے بیٹے عبداللہ کا ہاتھ پکڑا چھری لی اور مقام منیٰ کی طرف چلدیئے۔ سرداران قریش آڑے آئے اور مشورہ دیا کہ خیبر میں فلاں کاہنہ کے پاس چلیں جس کا نام قطبہ ہے بعض نے اس کا نام سجاح کہا ہے شاید وہ ایسی بات بتادے جس میں کشادگی اور گنجائش ہو چنانچہ سب لوگ خیبر پہنچے۔ تمام واقعہ اسے سنوایا گیا تو اس کاہنہ نے کہا تم میں خون کی قیمت کتنی ہوتی ہے۔ کہا گیا دس اونٹ تو اس نے کہا آپ سب لوگ واپس اپنے ملک جائیں دس اونٹ اور عبداللہ کے درمیان قرعہ ڈال لیں اگر قرعہ دس اونٹوں کے بجائے عبداللہ کے نام نکل آئے تو دس اونٹ بڑھا کر پھر قرعہ ڈال لیں

اور جب تک عبد اللہ کا نام نکلتا رہے دس، دس اونٹ بڑھاتے رہیں۔ یہاں تک
کہ اونٹوں کے نام کا قرعہ نکل آئے پھر وہ اونٹ بجائے عبداللہ ذبح کر دیے جائیں
وہ قربانی گویا عبداللہ کی قربانی ہوگی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا ہر قرعہ پر عبداللہ کا نام نکلتا رہا۔
اور دس دس اونٹ بڑھاتے رہے۔ یہاں تک کہ سو اونٹ تک پہنچے تو جناب عبداللہ
کے بجائے اونٹوں کا نام قرعہ میں نکلا سردارانِ قریش نے پیچ بچاکر مزید دو تین دفعہ قرعہ
ڈالا تب بھی ہر بار جناب عبداللہ کے بجائے اونٹوں کا نام قرعہ میں نکلتا رہا سو اونٹوں کو
قربان کر دیا گیا یہ قربانی اونٹوں کی نہیں بلکہ جناب عبداللہ والد آنحضور کی قربانی قرار پائی اور
یہی وجہ ہے کہ آنحضور نے فرما دیا کہ "میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں" یعنی سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام
اور سیدنا حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کا۔ اور وہ قربان شدہ اونٹ تھے جنہیں چرند پرند
اور انسان نوش کر گئے۔ یکنا ذکرہ الشامی۔ مواہب اللدنیہ جلد اول ص۱۶

حضرت زہیر کبار تابعین میں سے ہیں، وہ فرماتے ہیں دیت انسانی میں سو اونٹ کی
رسم قوم قریش میں پیدا کرنے والا سب سے پہلا شخص عبدالمطلب ہیں اور یہی رسم قریش
عرب میں موجود چلی آرہی ہے۔

اعرابی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یَابْنَ الذَّبِیحَیْن کہنے پر: آنحضرت نے تبسم فرمایا
اور بتایا ان میں سے ایک اسمٰعیل ہیں اور دوسرے ہیں عبداللہ بن عبدالمطلب۔

علامہ ابن حزم نے کہا کہ حضرت عبداللہ کی اولاد صرف سیدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم
تھے اور کوئی بچہ یا بچی نہ تھا حضرت عبداللہ اور حضرت آمنہ نے صرف اور صرف رحمۃ العالمین
کو جنم دیا اور بس۔ عبداللہ کی مدت عمر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اٹھارہ سال، پچیس سال
بیس سال کی عمر میں حضرت آمنہ سے شادی ہوئی۔ علی اختلاف الاقوال۔ سن وفات اور
اس کے ماہ و ہفتہ میں بھی اختلاف رونما ہوتا ہے جن کی بنیاد شادی کا سال اور مہینہ
ہے۔ اس لئے بقول راجح آپ کی وفات مبارکہ شادی والے سال میں ہوگئی۔ حضرت عبداللہ
اور حضرت آمنہ رضی اللہ عنہما کی پہلی ملاقات شب زفاف میں ہی سید دو عالم صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم کا مقدس نور، حضرت آمنہ کریمہ کو منتقل ہو گیا۔ چونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ

بی بی آمنہ کے ہاں تین رات قیام پذیر رہے۔ بعد ازاں والد ماجد سیّدنا عبد المطلب کا ارشاد ہوا کہ مدینہ طیبہ کی کھجور لائی جائے۔

سیّدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ، قافلہ قریش کے ساتھ شام کو تجارت کیلئے گئے واپسی پر مدینہ طیبہ میں اپنے ماموں کے پاس ٹھیر گئے ایک ماہ کامل بیمار رہے اور وہیں پر وفات پائی۔ (تواریخ حبیب اللہ)

قول اصح یہ ہے کہ صرف دو ماہ حمل پر گذرے تھے کہ آپ کے والد حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ، کی وفات ہوگئی۔ ہکذا فی کتب الثقات

اور جب سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم چھ سال کے ہوئے اور ایک روایت کے مطابق جب آپ چار سال کے ہوئے تو آپ کی والدہ آمنہ کریمہ رضی اللہ عنہ، آپ کو لے کر مدینہ شریف اپنے اقارب سے ملنے گئی تھیں مکہ مکرمہ واپس آتے ہوئے "الوا" کے مقام پر آمنہ کریمہ نے بیس سال کی عمر میں وفات پائی (سیرت ابن ہشام) اس وقت اُم ایمن بھی ساتھ تھیں سیوطی و شامی نے بھی یونہی فرمایا ہے (مداہب اللدنیہ)

الوا ہمزہ کی فتح اء کی جزم کے ساتھ ایک جگہ کا نام ہے جو مکہ و مدینہ کے درمیان مدینہ سے دس فرسنگ کے فاصلہ پر ہے۔

سیّدنا عبد المطلب :۔

میم پر پیش طاء مہملہ پر زبر مشدد اور لام پر زیر ہے بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ کا نام عامر ہے یا شیبہ حضرت حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ میں افعالِ حمیدہ بکثرت موجود تھے اس سے آپ کو شیبۃ الحمد کا نام دیا گیا۔۔۔۔۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ بوقت پیدائش آپ کے سر کے بال سفید تھے لہٰذا آپ کو شیبہ نام دیا گیا شیبہ کے معنی ہیں "سفید بالوں والا" آپ کے والد محترم نے وفات پاتے وقت وصیت کی تھی کہ میرے بیٹے کا نام شیبہ رکھنا۔۔۔۔۔ آپ کی کنیت ابوالحارث اور ابوالبطحا ہے سیّدنا عبد المطلب قریش میں شرف رکھتے تھے اور آپ ہی اُن کے سردار تھے عقل و فراست، علم و حکمت وافر مقدار میں تھی۔ مستجاب الدعوات تھے جود و عطا کی بھرپور صفت سے

موصوف تھے لوگوں نے آپ کو فیاض کا لقب دیدیا۔ اپنا کھانا پرندوں چرندوں کو دیا کرتے تھے۔ آپ کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے از خود، ایام جاہلیت میں اپنے اوپر شراب کو حرام قرار دے دیا تھا اور اپنی اولاد کو ظلم اور بغاوت نہ کرنے دیتے تھے۔ امور دنیہ اور خصائل خسیسہ سے منع کرتے تھے۔ محاسن اخلاق اور مکارم اشفاق کی ترغیب دیتے تھے۔ ان کے بہت سے کام ہیں جنہیں قبولیت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اور انہیں اسلام میں بھی باقی رکھا گیا ہے۔ اور قرآن و حدیث میں ان کی مثالیں وافر مقدار میں پائی جاتی ہیں جیسا کہ نذر پوری کرنا۔ محارم سے نکاح کی حرمت۔ چور کے ہاتھ کاٹنا زنا حرام ہونا۔ بغیر ستر ڈھانپے طواف کا ممنوع ہونا وغیرہ کذا ذکرہ حلبی

حلیہ مبارک اور سیرت:۔

سیدنا عبدالمطلب جسیم تھے وسیم طویل القامت تھے رنگ سفید تھا۔ زبان میں فصاحت و بلاغت تھی جو کوئی انہیں دیکھ لیتا گرویدہ ہو جاتا۔ عظمت و شرافت میں اپنی قوم میں مشہور و معروف تھے۔ ذات وصفات، جسم وجان، ادب وکمال میں عدیم المثال تھے جائے سکونت حسن وجمال اور مکارم اخلاق اور حسن افعال میں ان کا کوئی ثانی نہ تھا۔ جناب عبدالمطلب کے جسم مبارک سے مشک کی خوشبو آتی تھی۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور مبارک، ان کی پیشانی مبارک میں چمکتا رہتا تھا۔ آپ میں ہیبت کما حقہ پائی جاتی تھی۔

غرضیکہ آپ کے کمالات، حصر و حساب کی حد سے باہر ہیں۔ (مواہب اللدنیہ)

کہا جاتا ہے عبدالمطلب کے بال بہت جلد سفید ہو گئے۔ کسی ایک بادشاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے آپ کو خضاب کرنے کا مشورہ دیا آپ نے سرخ مہندی لگائی مگر اس بادشاہ نے خدمت میں "وسمہ" خضاب بھیج دیا جو کہ ایک بوٹی ہے اور اس کے پتوں کو بطور خضاب استعمال کیا جاتا ہے۔ چنانچہ آپ کے بال مبارک گہرے سیاہ ہو گئے۔ والوں نے خضاب کرنا آپ سے سیکھا اس لحاظ سے خضاب لگانے والے آپ پہلے شخص ہیں۔ آپ ہی پہلے شخص ہیں جس نے دیت میں سو اونٹ مقرر کرنے کی رسم ڈالی زمزم کا کنواں آپ نے کھودا جبکہ اس کے آثار مٹ چکے تھے۔ پیغمبر کا نام نامی محمد آپ

نے رکھا۔ زندگی تک رحمۃ للعالمین کی خدمت، وکفالت کرتے رہے۔ اور اسی طرح ابوطالب کو وصیت کر گئے۔ (کتب سیر، مواہب اللدنیہ انسان الحیون سیرت ابن ہشام)

اولاد امجاد۔ جاننا چاہیئے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ علیہ کی نرینہ اولاد کے بارے نسابیں مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مثلاً تیرہ۔ بارہ۔ گیارہ اور دس کی روایات ملتی ہیں (انسان الحیون جلد اول سیرت ابن ہشام) جناب حافظ محب الدین طبری اپنی تصنیف "ذخائر العقبٰی فی مودۃ القربٰی" میں پہلی روایت تیرہ بچے کو اختیار کر کے فرماتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچوں کی تعداد بارہ ہیں اور تیرھویں خود آپ کے والد ماجد سیدنا عبداللہ ہیں چچوں کے نام حسب ذیل ہیں۔

حارث[1]، ابولہب[2]، ابوطالب[3]، عبدالکعبہ[4]، ایذاق[5]، مقوم[6]، فرار[7]، قثم[8]، مجل[9]، عبداللہ[10]، حمزہ[11]، عباس[12]، رضی اللہ تعالیٰ عنہم (انتہی کلامہ)

بروایت ثانی بارہ لڑکے مقوم کا دوسرا نام عبدالکعبہ ہے اور بروایت سوم گیارہ لڑکے دوسری روایت کے ساتھ یہ کہا جاتا ہے ایذاق اور مجل ایک ہی شخص کے دو نام ہیں بروایت چہارم (دس لڑکے) قثم کو زائد قرار دیتے ہیں سیرت شامی اور بلا اختلاف سیدنا عبدالمطلب کی لڑکیاں چھ ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

صفیہ۔ عاتکہ، امیمہ، اروٰی، بیضٰی۔ برہ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف چار چچا صاحب اولاد تھے حارث، ابوطالب، ابولہب اور عباس اور باقی چچاؤں کی کوئی اولاد نہ تھی۔ بناء علیہ آپ کے چچازاد بھائیوں کی تعداد پچیس بنتی ہے۔ صرف دو آدمی "طالب بن ابی طالب اور عتبہ بن حارث" کے علاوہ باقی سبھی لوگ اسلام و ایمان لے آئے تھے۔ ہر ایک کی تفصیل وار زندگی کے حالات، سیرت کی کتابوں خصوصاً فتح القوی میں پائے جاتے ہیں۔ (شرح المواہب، سیرت شامی وسیرت حلبیہ)

یاد رکھنا چاہیئے کہ ولادت نبوی کے آٹھویں سال، جناب عبدالمطلب کی وفات ہو گئی بقول اول، مدت عمر ایک سو دس سال اور بقول دیگر، ایک سو بیس سال ہے۔ حضرت ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ کے عین سامنے، واقع قبرستان حجون میں دفن کر دیئے گئے۔ حجون

حاء پر زبر اور جیم پر پیش پڑھا جاتا ہے۔ (شرح بخاری علامہ عینی)

حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ "روضۃ الاحباب" میں فرماتے ہیں کہ جب سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم آٹھ سال کے ہوئے تو اسی ایک ہی سال میں عادل بادشاہ نوشیرواں، سخی حاتم طائی اور جناب عبدالمطلب نے وفات پائی۔

عبدالمطلب کے مسلمان ہونے میں اختلاف واقع ہے۔ مگر اکثر و بیشتر محققین اور تمام اہلِ سیر سے دو قول ملتے ہیں۔

قول اول یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب رضی اللہ عنہ اہلِ فترۃ میں سے ہیں انہیں دعوتِ اسلام نہ مل سکی وہ پہلے وفات پا گئے

بخاری و مسلم کی ظاہر صحیح حدیث اور عبدالمطلب کی اپنی نیک سیرت کا بھی یہی تقاضا ہے جناب امام سیوطی رضی اللہ عنہ بھی اس قول کو زیادہ بہتر و برتر اور اعلیٰ و اولیٰ قرار دیتے ہیں

دوسرا قول یہ ہے کہ جناب عبدالمطلب ملتِ ابراہیمی رکھتے ہیں اور موحد ہیں جناب مجاہد و سفیان بن عیینہ سے آثار منقولہ اور فخر الدین الرازی کی تحقیق سے یہی ثابت ہوتا ہے۔ مسلک الحنفاء میں سیوطی فرماتے ہیں رحمۃ اللہ علیہ الف الف مرۃ کہ نبی پاک کے آباؤ اجداد کو کفر کی طرف منسوب کرنے کی ممانعت احادیث کثیرہ میں پائی جاتی ہے تو ثابت ہوتا ہے جناب عبدالمطلب موحد اور ملتِ ابراہیمی پر قائم تھے ورنہ کیوں کہا ہوتا۔

"اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِب   اَنَا ابْنُ عَبْدُ الْمُطَّلِبْ"

(ہکذا فی فتح القوی فی انساب النبی)

ہاشم اسم فاعل ہے اور ہشم سے نکلا ہے اس کے معنی ہیں سوکھی چیز کو توڑنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا خصوصاً سوکھی لکڑیاں توڑنا۔ آپ کا نام عمرو ہے اور بحالت اضافی عمرو العلاء بھی کہتے ہیں اس لئے کہ آپ قریش میں عالی مرتبہ اور ان سب کے سردار تھے۔

"ہاشم" لقب تھا جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جس نے مکہ معظمہ میں اپنی قوم کے لئے روٹی کو توڑ کر شوربے سے تر کر کے ثرید بنایا اور انہیں کھلایا کرتے کنیت ابو نضلہ ہے نون پر زبر اور ضاد معجمہ پر جزم ہے۔ نضلہ آپ کے بیٹے کا نام ہے۔

بیان ہے کہ حضرت ہاشم پہلے شخص ہیں جس نے قریش میں "دو رحلتوں" کو رواج دیا۔ ایک رحلت الشتاء حبشہ کیطرف اور دوسری رحلتہ الصیف یہ سفر شام کی طرف ہوتا تھا پہلا موسم سرما کا سفر و کوچ اور دوسرا موسم گرما میں وطن چھوڑ کر سفر کو چلدینا ہے۔

حضرت ہاشم مالدار تھے بہر حال، بیت اللہ شریف کے حاجیوں کے لئے اپنا بہت سا مال خرچ کرتے اور زمزم شریف والی جگہ پر چمڑے کے تیار شدہ حوض رکھ دیتے جو دوسرے کنوؤں کے پانی سے بھرے جاتے تھے۔ اور حجاج کرام وہ پانی اپنے استعمال میں لاتے۔ یہ کام زمزم کو کھودنے سے پہلے کا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ حضرت ہاشم حجاج کو سیر شکنی سے کھانا کھلاتے تھے۔

پہلی دفعہ مکہ معظمہ میں سات ذی الحج کو کھانا کھلایا پھر مزدلفہ اور عرفات میں روٹیاں چورا کر کے، اسے گوشت گھی، خرما اور پستہ و مغزیات وغیرہ میں تر کر کے لوگوں کو کھلایا اور قریش کو بھی حجاج کو کھانا کھلانے کی ترغیب دیا کرتے تھے یکم ذوالحج ہوتے ہی خانہ کعبہ کی دیوار سے باہر، دروازہ کی جانب آکر بیٹھ رہتے اور خطبہ دیتے :

"کہ اے اہل قریش! تمہیں نسب کے لحاظ سے سرداری ملی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے تمہیں بیت اللہ کا محافظ بنا کر اکرام و انعام فرمایا ہے۔ اور تمہیں بنی اسمٰعیل سے صرف اور صرف تمہیں خانہ کعبہ کی ہمسائیگی نصیب ہوئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خانہ کعبہ کے زائرین کو اللہ تعالیٰ کا مہمان سمجھتے ہوئے خوب خدمت کیجئے۔ ان کے بال بکھرے ہوئے ہیں۔ گرد و غبار سے اٹے پڑے ہیں اور ان کے بالوں میں جوئیں پڑ چکی ہیں۔ سفر کی مشکلات ان کے ساتھ ہیں اور اپنی جان مال وقت اس راہ میں قربان کرنے آئے ہیں۔ تمہیں ان کی امداد اور ان کی خدمت کرنا لازم ہے۔"

تمام قریش آپ کے حکم کی تعمیل کر کے حجاج کرام کی تہہ دل سے خدمت بجالاتے تھے۔ اور اپنا مال و متاع ان پر خرچ کرتے تھے تمامی اور سیرت کی کتابوں میں ایسے لکھا ہے۔

حضرت ہاشم ظاہری باطنی حسن و جمال کے ساتھ شرافت و فراست کا پیکر تھے

اہلِ عرب آپ کو چودھویں کا چاند (بدر) اور خالص سونا (قرح النضر) کا نام دیتے تھے۔
علامہ ابوسعید نیشاپوری اپنی تصنیف "شرفُ المُصطفٰے" میں فرماتے ہیں کہ سیدنا ہاشم کے چہرے مُبارک میں چمکتے ہُوئے چاند کی طرح نُورانی عکس نظر آیا کرتا تھا جو کوئی انہیں دیکھ لیتا گرویدہ ہو جاتا تھا۔
قیصرِ روم نے آپ کی خدمت ایک قاصد بھیجا اور اپنی لڑکی عقد میں دینے کی درخواست کی مگر سیدنا ہاشم نے اپنے خاندان کی اجازت پر توقف کر کے، انہیں انکار کر دیا۔
(مترجم "ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے دَورانِ سفر، مدینہ طیبہ میں ٹھیرے وہاں سال کے سال بازار لگتا تھا تو آپ نے وہاں ایک عورت کو دیکھا شرافت و فراست حُسن وجمال تھا۔ دریافت پر معلوم ہُوا خاندان بنو نجار سے ہے اور سلمٰی نام ہے شادی کی درخواست کی اس عورت نے قبول کیا غرضیکہ نکاح ہو گیا۔")
حضرت ہاشم کے چار لڑکے ہیں۔ نضلہ، عبدُالمطلب، اسد، اعلی المرتضٰی کے ناناجان) اور الوصفی ۔ جبکہ پانچ لڑکیاں ہیں جن کے نام شفا۔ خالدہ۔ صفیہ۔ رقیہ اور حبہ ہیں۔
شادی کے بعد آپ شام کو گئے اور شہر غزہ (مضافاتِ دمشق) میں انتقال فرمایا۔ آپ کی عُمر مُبارک بیس سال اور بعض کے نزدیک پچیس سال ہے۔
عبد مناف میں میم کی زبر اور یہ ترکیب اضافی ہے۔
علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ "روض الاالف" میں فرماتے ہیں کہ مناف بروزن مُفعَل ہے باب افعال کے مصدر انافہ سے ماخوذ ہے یعنی بلند ہونا اور بڑھ جانا۔
اصل نام مغیرہ ہے جس سے مُراد ہے اپنے امور مضبوط کرنے والا یا اپنی رائے کو لوٹنے والا واللہ اعلم بالصواب۔ آپ کی کنیت ابو عبدُالشمس ہے۔ لقب قمرالبطحٰی ہے۔ نہایت ہی حُسن وجمال کا پیکر تھے۔ اپنے والد کی موجودگی میں قریش کے سردار کہلانے لگے۔ اور قریش آپ کے تہہ دِل سے اطاعت شعار تھے۔ آپ میں خوفِ خُدا

تھا۔ لوگوں کو صلہ رحم کی تلقین کرتے تھے آپ کے پانچ لڑکے تھے۔
ہاشم۔ مطلب۔ (امام شافعی آپ کی اولاد میں) عبدالشمس۔ نوفل اور عبید۔ آپ کی سات لڑکیاں ہیں سلف صالحین کی کتابوں میں بسیار کوشش کے باوجود آپ کی قبر مبارک اور عمر شریف کا علم نہیں ہو سکا ہے۔

ابنِ قُصَیّ :۔

قاف پر پیش اور صاد پر زبر، یائے تحتانی پر شد پڑھی جاتی ہے۔ تصغیر کا صیغہ ہے اور یہ لفظ قصیٰ دوری اور بُعد کا معنی دیتا ہے۔ یہ لقب آپ کو ملا کیونکہ آپ اپنے وطن اصلی سے بہت دُور چلے گئے تھے اور اصل نام آپ کا "زید" ہے۔ علامہ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید میں لکھا ہے کہ قُصَیّ نے اپنے خاندان کو جمع کر کے آس پاس بسایا اس لئے آپ کا لقب مُجَمِّع بھی منقول ہے۔

بیان کیا گیا ہے کہ قصی کی والدہ مسماۃ فاطمہ، اپنے خاوند کی وفات کے بعد اپنے بیٹے قصی کو ساتھ لے کر شام چلی گئیں جب قصی جوان ہوئے تو اپنی والدہ سے، والد بزرگوار اور اپنی حسب و نسب کے متعلق پوچھا والدہ نے سب معلومات فراہم کئے۔ قصی نے حالات سنتے ہی اپنے وطن اصلی مکہ معظمہ کو روانگی شروع کر دی والدہ صاحبہ نے مہلت مانگی چنانچہ موسم حج میں حجاج کے قافلے کے ساتھ مکہ معظمہ تشریف لائے۔ حج ادا کیا اور وہاں ہی اقامت اختیار کر لی۔ قوم قریش نے سیاست و ریاست قصی کے حوالے کر دی اور ان کی قدر و منزلت حد سے زیادہ کرنے لگے کیونکہ آپ راست گوئی اور عفت مآب تھے۔ عفیف پارسا اور صدق و دیانت میں مشہور تھے۔

جب قصی مکہ شریف تشریف لائے وہاں بنو خزاعہ کی حکومت تھی زمزم کی سقایت، بیت اللہ کی کنجی۔ حجاج کی خدمت، عمرو بن لحی الخزجی کے وقت سے لے کر اب تک بنو خزاعہ کے سپرد تھی۔ قصی نے حلال خزاعی سے اس کی لڑکی صبا نامی کا نکاح مانگ لیا۔ آپ کی شادی ہو گئی اور اب قصی مکہ معظمہ میں مقیم ہو رہے۔ بی بی صبا سے اللہ تعالیٰ نے حضرت قصی کو بکثرت اولاد بخشی، بفضلہ تعالیٰ آپ کے ہاں مال و دولت میں فراوانی آئی

اور عظیم شرف ملا۔ جلیل خزرعی وفات پانے لگے وصیت کرکے بیت اللہ شریف کی کنجی ولائت وسیادت، قصی کے ہاتھ کر گئے۔ مگر بنو خزاعہ نے انہیں بیتُ اللہ کی چابی دینے سے انکار کر دیا اور قصی اور قریش سے جنگ چھڑ گئی۔ بنو خزاعہ کو شکست ہوئی اور قصی نے انہیں مکہ معظمہ سے شہر بدر کر دیا اور قصی قریش، مکہ معظمہ زمزم، حجاج کرام کی خدمت، حجابت سقایت اور ریاست ورفادت کے متولی ہوئے۔ قصی نے اپنی قوم قریش کو چن چن کر جمع کرکے خانہ کعبہ کے اردگرد بسایا اس لئے آپ کا لقب ہوگیا۔ مُجمِّع یعنی اپنی قوم کو جمع کرنے والا۔

قُصَیٌّ اَبُوْکُمْ مَنْ یُسَمّٰی مُجَمِّعًا

بِہٖ جَمَعَ اللّٰہُ الْقَبَائِلَ مِنْ فِھْرٍ!

قصی تمہارا باپ ہے جس کو مجمع کا نام دیا گیا ہے اس لئے کہ اس کے طفیل اللہ تعالیٰ فہر کے قبائل کو جمع کر دیا۔

قصی نے مکہ شریف میں دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا۔ قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرنا چاہتے تو اسی عمارت میں آکر باہمی مشورہ سے قوافل باہر بھجواتے نکاح شادی بیاہ اور باقی تقریبات کے مراسم بھی یہاں ادا ہوتے تھے۔

ہکذا فی فتح القوی منقول از سیرت شامی و سیرت حلبی وغیرہ۔

قصی نے بڑے بڑے کام سرانجام دیئے جو ایک مدت تک یادگار رہے۔ مثلاً مکہ کی ولائت و ریاست ملتے ہی سقایہ اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا انہی کے ہاتھوں قائم ہوا۔ تمام قریش کو جمع کرکے خطبہ دیا کہ سینکڑوں ہزاروں کوس کا سفر کرکے لوگ مکہ معظمہ کی زیارت کو آتے ہیں ان کی میزبانی آپ کا فرض ہے۔

چنانچہ قریش نے ایک سالانہ خطیر رقم مقرر کی اور اس سے منیٰ مزدلفہ اور عرفات میں حجاج کو کھانا کھلاتے تھے۔ اور یہ رسم، اسلام قائم ہونے تک [illegible] قائم رہی۔ قصی کی چھ اولادیں ہیں۔

عبد الدار۔ عبد مناف۔ عبد العزیٰ۔ عبد بن قصی (بغیر اضافت) اور لڑکیاں تخمر اور برہ، ہیں۔

آپ کی وفات مکہ پاک میں ہوئی اور حجوں میں دفن ہوئے۔ ہکذا فی طبقات ابن سعد وسیرت شامی۔

ابن کلاب ۔

کِلاب کاف کے نیچے زیر اور لام تخفیف والا جس کے معنی طریق اوّل میں بیان کر دیئے ہیں۔ آپ کا نام "حکیم" اور بعض کے نزدیک عروہ ہے کنیت ابوزہرہ ہے آپ کا بڑا لڑکا زہرہ نامی ہے جس سے نسبت کر کے کنیت ابوزہرہ ہے۔

کِلاب پہلا شخص ہے جس نے تلواروں کو سونا اور چاندی پہنا کر خانہ کعبہ میں رکھوا دیا بلا اختلاف، کلاب کی دو اولادیں ہیں ایک قُصّی (نبی پاک کا دادا) اور دوسرے زہرہ ہیں جو کہ نبی پاک کے نانا ہیں نسب یوں ہے۔ آمنہ بنت وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب۔

ابن مُرّہ ۔

مُرّہ میم پر پیش اور رائے مہملہ پر شد یہ اسم وصفی ہے اور وصف سے نقل ہو کر اسم بننے میں بہت وجوہ منقول ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

وجہ اوّل: مُرہ، مرارت سے تلخی کا معنی دیتا ہے عرب والے کہتے ہیں رجلٌ مُرٌّ اور مُرّہ میں تا مبالغہ کیلئے ہے۔

وجہ دوم: جناب حافظ سمیعی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق یہ ہے کہ قبائل عرب، جانوروں، درختوں اور پودوں کے نام پر، اپنی اولادوں کے نام رکھتے تھے، مُرّہ ایک بوٹی کا نام ہے جس کی پتے ساگ کی طرح کھائے جاتے ہیں اور اس کا پودا، کاسنی کے پودے کی طرح ہوتا ہے اور حضرت ابوحنیفہ دینوری رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی خیال ہے۔

وجہ سوم: مُرّہ، مُرّت سے ماخوذ ہے جس کے معنی قوت کے ہیں۔ کہا جاتا "رجل ذو مِرّۃٍ" قوت والا آدمی، چونکہ مُرّہ بہت قوی اور طاقتور تھے تو یہی نام پڑ گیا۔

کنیت: بڑے لڑکے کا نام یقظہ ہے، اس سے ابو یقظہ کہلائے اور والدہ کا نام مخشیہ ہے، سلسلہ نسب یہ ہے۔

"مخشیہ بنت شیبان بن محارب بن فہر بن مالک بن نضر"

تین اولادیں ہیں۔ کلاب، یقظہ (اور مخزومی قریش آپ کی اولاد ہیں) اور تیسرے صلبی زادے کا نام "تیم" ہے تاء پہ زبر یائے تحتانیہ پر جزم صدیق اکبر اور حضرت طلحہ بن عبداللہ آپ کی اولاد ہیں۔

ابن کعب:۔

کعب میں کاف پر زبر اور عین مہمل پہ جزم ہے۔ کعب، قدم میں اُبھری ہوئی ہڈی کو کہا جاتا ہے۔ فارسی میں شتالنگ اور اُردو میں ٹخنہ کہا جاتا ہے۔ پاؤں میں جیسے ٹخنہ اونچا ہوتا ہے کعب بھی اپنی قوم میں اُونچی شان والے انسان سمجھے جاتے تھے۔

ابن اثیر کی تحقیق یہ ہے کہ کعب کے معانی اُونچی اور عالیشان چیز کے ہیں جسطرح، بیتُ اللہ شریف عالی اور رفیع الشان ہونے کے ناطے، کعبہ کہلاتا ہے۔ آپ بھی عالیشان تھے تو نام کعب" رکھدیا گیا۔ والدہ کا نام" مادیہ" ہے جو بنی قضاعہ سے تھیں اُن کنیت ہے ابو ہُصیص ہاء پر پیش صاد پر زبر اسم مصغر ہے۔

اولیات:۔ کعب پہلے شخص ہیں جو لوگوں کو عروبہ کے دن جمع کر کے انہیں وعظ ونصیحت کیا کرتے تھے اور خطبہ دیا کرتے تھے۔ جاہلیۃ کے زمانہ میں جمعہ کو یوم عروبہ کہتے تھے۔ کہ اے میری قوم! اپنے وعدوں کو پورا کیا کرو صلہ رحم لازم کرلو۔ اپنے مال سے خلق خدا کو فائدہ پہنچایا کرو۔ حرم بیت اللہ شریف کی تعظیم وتکریم کرو۔ خبردار رہو کہ بیتُ اللہ حرم شریف میں پیغمبر خدا کے ظہور کا وقت قریب ہے قدر و منزلت والے نبی ہیں ان کا نام نامی محمدؐ ہے اور ان کا دین اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ ہے۔ سیدنا موسیٰ وعیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما السلام اور تورات وانجیل کی بھی انہیں خبر ہے۔ قسم بخدا! اگر میں اسوقت تک زندہ رہا اور میرے ہاتھ پاؤں صحیح وسالم رہے تو یقیناً میں، کفار کے بالمقابل جنگ کے میدان میں ڈٹ کر، سیدنا دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعانت وامداد کرونگا (سیرت شامی)

وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ایام جاہلیت کا بنا ہوا نام عروبہ بدل دیا۔ اور اسے جمعہ کا نام دیا ہے۔ آپ کی تین اولادیں ہیں ہُصیص، مرہ، عدی یہ تینوں بیٹے ایک ہی ماں

سے ہیں۔

از وفات کعب تا بعثت نبوی، پانچ سو ساٹھ سال کی مدت ہے ابو نعیم کی روایت کچھ آگے جاتی ہے کہ حضرت کعب، عرب میں عظیم القدر سمجھے جاتے تاریخ "عام الفیل" تک آپ کے وصال سے شمار ہوتی رہی بعدہ تاریخ عام الفیل شمار ہونے لگی حضرت عبدالمطلب کی وفات تک بعدہ وصال عبدالمطلب کی تاریخ، ہجرت نبوی تک رہی۔ مدتوں بعد صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے بالاتفاق ہجرت کا سن مقرر کر لیا۔ کذا ذکرہ ابن اسحاق

ابن لوئی۔

لام پر پیش ہمزہ پر زبر اور یائے تحتانیہ پر شد ہے۔ یہ اسم منقول ہے اور اس میں تین وجہ بیان کئے جاتے ہیں۔

وجہ اول۔ لوئی۔ لای سے اسم مصغر ہے جس کے معنی گائے کے ہیں عرب کے لوگ جانوروں کے نام پر بھی نام رکھنے کے عادی تھے جیسا کہ اسد ثور کلب غدو غیرہ، ابو حنیفہ دینوری کی تحقیق اسی طرح ہے۔

وجہ دوم۔ علامہ حافظ سہیلی رحمۃ اللہ کی تحقیق یہ ہے کہ لوئی تصغیر ہے لائی سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "دیر کرنا" برین تقدیر یہ نام پڑنے کا سبب یہ ہو سکتا ہے کہ آپ کام کاج، جلد بازی سے نہیں کرتے تھے بلکہ سوچنے سمجھنے میں دیر کر دیتے تھے۔

وجہ سوم، لوئی، لواء سے ماخوذ ہے جس کے معنی علم یعنی جھنڈا کے ہیں حضرت لوئی صاحب علم ہیں، حضرت کی کنیت ابو کعب ہے حلم و حکمت اور دانائی کی باتیں، صغر سن میں کرنے لگے تھے۔ قریش کے ماوی ملجائے تھے مقبول و مطاع تھے آپ کی والدہ کا نام، سلمی بنت کعب بن عمرو الخزاعی ہے۔ سات لڑکے تھے نام یہ ہیں۔

کعب، عامر، سام، خزیمہ، سعد، حارث اور عوف۔

ابن غالب۔

اسم منقول ہے غلبہ سے مشتق ہے آپ کی کنیت ابو تیم ہے۔ اور والدہ کا نام لیلی بنت سعد بن ہذیل بن مدرکہ بن الیاس۔ (سیرت ابن ہشام)

غالب کے دو بیٹے تھے لؤی اور تیم، چونکہ ٹھوڑی کی دو ہڈیوں میں سے ایک ہڈی ناقص تھی اس لئے آپ کو تیم ادرم کہا جاتا ہے۔ ابن ہشام کا کہنا ہے کہ آپ کی [illegible] والدہ سلمیٰ ہے نام ہے قیس اور ان تینوں کی والدہ ایک ہی ہے۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے کہ غالب قریش کے اشراف اور سرداروں میں شمار کئے جاتے ہیں اور مرجع خلائق تھے۔

ابنِ فہر:-

فائے پر زبر اور ہائے پر جزم اور اخیر میں رائے مہملہ ہے۔ فہر، سنگ دراز کے معنی دیتا ہے اور علامہ خشنی فرماتے ہیں فہر کے معنی ہیں ایسا پتھر جو ہاتھ بھر لمبا ہو اور لوگ فہر کو قریش کہتے ہیں اس سے پہلے والوں کو قریش نہیں کہا جاتا۔

[حافظ عراقی سیرت منظوم میں فرماتے ہیں۔

اما قریش فالاصح فہر جماعها فالاکثرون النضر

زرقانی جلد اول (مترجم)]

اس مسئلہ میں اختلاف ہے کچھ محققین کہتے ہیں کہ آپ کا نام فہر اور لقب قریش تھا اور کچھ لوگ اس کے برخلاف ہیں آپ کی کنیت ابو غالب اور والدہ کا نام "جندلہ" ہے (بِالجیمِ وَالنُّونِ وَالدَّالِ) بنت عامر بن حارث بن مضاض اکبر بن عمرو جرہمی۔

ابن ہشام کا کہنا ہے کہ مضاض اکبر کو [illegible] کی لڑکی حضرت اسمٰعیل بن خلیل کریم کے نکاح میں ہے۔ فہر مکہ کے رئیس ہیں عرب والے آپ سے خوف کھاتے تھے چار اولادیں ہیں۔

غالب، حارث، اسد اور محارب (ہکذا فی سیرت الشامی)

فائدہ:- جاننا چاہیئے کہ علمائے کرام میں اختلاف ہے اول لقب قریش کس کو ملا؟ چنانچہ سیرت شامی میں فرماتے ہیں اس بارے میں چار قول ملتے ہیں۔

قول اول:- علامہ ابن شہاب زہری، حافظ بیہقی، حافظ ابن حجر کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا ہے اور انہی کی اولاد قریشی کہلاتی ہے۔

قول دوم:- محمد بن اسحاق صاحب المغازی، معمر بن مثنی، قاسم بن سلام اور امام شافعی

وغیرہم کی تحقیق یہی ہے جس شخص نے اس خاندانِ نبوت کو قریش کے لقب سے نواز دیا وہ نضر بن کنانہ ہے۔ نضر بن کنانہ سے پہلے کے لوگوں کو قریش نہیں کہا جاتا۔

قولِ سوم:۔ ابو عمرو والو الحسن الاخفش اور حماد بن سلمہ کا بیان ہے کہ قریش کا لقب الیاس بن مضر بن نزار کو ملا ہے یعنی الیاس علیہ السلام کی اولاد قریش کہلاتی ہے اور آپ سے پہلے والے، قریش نہیں ہیں۔

قولِ چہارم:۔ مضر بن نزار کی اولاد کو قریش کہا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

فتح القوی فی انساب النبی مُصنّفہ مخدوم میں ہے کہ فہر بن مالک، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد میں گیارھویں نمبر پر ہیں، نضر بن کنانہ، تیرھویں نمبر پر، الیاس بن مضر، سترھویں نمبر پر اور مضر بن نزار اٹھارویں نمبر پر شمار ہوتے ہیں۔

ظاہر پر دھیان رکھا جائے تو قول دوم جاندار نظر آتا ہے اکثر عُلمائے کرام کا مسلک یہی ہے ... اور یہی وجہ ہے کہ تفسیر فقہ اور لغت کی کتابوں میں نضر بن کنانہ کو قریش کا لقب دیا جانا، لکھا ہے تفصیل وار کتب کے نام درج ذیل ہیں۔

کُتب تفاسیر:۔ تفسیر ثعلبی، تفسیر کشاف، زمخشری، بیضاوی، مدارک جلالین۔

کُتب فقہ:۔ معارج الدرایہ۔ عینی، غایۃ البیان، ہدایہ کے شروح، بحر الرائق، شامی اور شرح وقایہ۔

کُتب لغت:۔ صحاح۔ جوہری۔ صراح مختصر صحاح اور قاموس وغیرہ۔

ابن ہشام کا بیان ہے کہ نضر بن کنانہ نے خاندانِ نبوت کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا اور انہی کی اولاد قریشی کہلاتی ہے۔ مگر مؤرخین میں یوں مشہور ہے کہ نضر بن کنانہ کی اولاد میں صرف فہر کی اولاد قریشی ہے اور بس۔

(روضۃ الاحباب اور زرقانی)

قریش کی وجہ تسمیہ:۔

قریش کی وجہ تسمیہ میں اختلاف ہے حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمرو بن عاص و محمد بن سلام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ قریش ایک دریائی جانور کا نام ہے

جو تمام دریائی جانوروں پر غالب اور قوی ہے اور انہیں کھا جاتا ہے بوجہ قوت و غلبہ اس قوم کو اس زوردار جانور سے تشبیہ دے کر قریش کا لقب دیا گیا ہے۔

اور بعض کہتے ہیں کہ قریش، قرش سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں "تجارت کرنا" لین دین اور تجارت قریش قوم کا پیشہ تھا اس لئے قریش کہلانے لگے۔

اور بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ قریش، تقریش سے مشتق اور ماخوذ ہے اور تقریش کے معنی تفتیش اور جستجو کے آتے ہیں۔ اسی بناء پر انہیں قریش کہتے ہیں کہ وہ مساکین اور فقراء کو ڈھونڈھا کرتے اور ان کی ضروریات کو پورا کرتے تھے۔ دوسرے وجوہ بھی بہت ہیں نمونہ مشت از خروار پر کفایت کرتا ہوں۔

عشرہ مبشرہ:۔ چونکہ عشرہ مبشرہ حضرت فہر کی اولاد میں ہیں۔ ان کی تفصیل درج ذیل ہے

۱۔ ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ ابن ابی قحافہ، جاہلیت میں آپ کا نام عبد الکعبہ تھا لیکن ایمان لانے کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کا نام عبد اللہ رکھ دیا۔ کنیت ہے ابوبکر اور صدیق و عتیق القاب تھے۔ آپ خاندان قریش کی ایک شاخ بنو تیم سے ہیں آپ کے والد کا نام عثمان، کنیت ابو قحافہ ہے۔ مشرف باسلام تھے شجرہ نسب یوں بیان کیا جاتا ہے۔

عبد اللہ ابوبکر الصدیق بن عثمان ابی قحافہ بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر رضوان اللہ علیہم۔

ساتویں پشت میں جاکر آپ کا شجرہ نسب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نسب سے مل جاتا ہے۔

۲۔ عمر رضی اللہ عنہ الفاروق بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن ریاح بن عبد اللہ بن قرط بن زراخ بن عدی بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر۔

آپ کا سلسلہ نسب، آٹھویں پشت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاتا ہے

۳۔ عثمان غنی رضی اللہ عنہ بن عفان بن ابو العاص بن امیہ بن عبد الشمس بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر۔

آپ کا سلسلہ نسب پانچویں پشت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا ہے۔

۴۔ علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہٗ بن ابوطالب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

آپ کا سلسلہ نسب نبی پاک سے دوسری پشت میں مل جاتا ہے۔

۵۔ طلحہ رضی اللہ عنہٗ بن عبید اللہ بن عثمان بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

آپ کا سلسلہ نسب سیدنا ابوبکر الصدیق کی طرح ساتویں پشت میں بذریعہ حضرت مرہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ملتا ہے۔

۶۔ زبیر بن عوام رضی اللہ عنہٗ بن خویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کا نسب مبارک پانچویں پشت میں حضرت قصی میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب سے جا کر مل جاتا ہے۔

آپ نبی پاک کی پھوپھی صفیہ بنت عبدالمطلب کے بیٹے ہیں روایت میں آتا ہے۔

عَنْ حَسَنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ لِکُلِّ نَبِیٍّ حَوَارِیٌّ وَحَوَارِیَّ زُبَیْرُ بْنُ الْعَوَّامِ

بروایت حسن نبی پاک نے فرمایا ہر نبی کا ایک رفیق و ساتھی ہوتا ہے اور میرا رفیق زبیر بن عوام ہے۔

۷۔ سعد بن وقاص رضی اللہ عنہٗ بن وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر رضی اللہ عنہم

چھٹی پشت میں بذریعہ کلاب سلسلہ نسب نبی پاک سے جا کر مل جاتا ہے۔

۸۔ سعید بن زید رضی اللہ عنہٗ بن عمرو بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن ریاح بن عبداللہ بن قرط بن زراح بن عدی بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر۔

امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کی طرح آٹھویں پشت میں بذریعہ کعب بن لوئی آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ و بارک وسلم سے سلسلہ نسب مل جاتا ہے۔

۹۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہٗ بن عوف بن عبدالحارث بن زہرہ بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوئی

بن غالب بن فہر رضوان اللہ عنہم
سعد بن ابی وقاص کی طرح چھٹی پشت میں بذریعہ کلاب، آپ کا سلسلہ نسب نبیؐ
تک جا ملتا ہے۔

۱۰۔ ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ آپ کا نام عامر ہے بن عبداللہ بن جراح بن ہلال بن
ضبہ بن حارث بن فہر ہے۔ رضی اللہ عنہم اجمعین گیارھویں پشت میں آپ کا سلسلہ
نسب بذریعہ فہر بن مالک آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وبارک وسلم سے جا ملتا ہے۔

(فتح القوی)

درج بالا تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام عشرہ مبشرہ، پدری نسب کے لحاظ سے
قریشی ہیں۔ البتہ مادری نسب میں حضرت سعید اور حضرت طلحہ کی ماں کے سوا باقی سب
قریش ہیں۔ کیونکہ سعید بن زید رضی اللہ عنہ کی والدہ بنی خزاعہ سے ہے اور حضرت طلحہ کی
والدہ بقول بعض قحطان بن عامر کی اولاد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب
عشرہ مبشرہ کے باپ اسلام لے آئے تھے سوائے ابی طالب کے۔ ان کا ایمان
اسلام بقول روافض ثابت ہے۔

(شرح المواہب الزرقانی)

البتہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ مسلمان تھیں صحابیات میں سے
ہیں اور ان کی وفات مدینہ منورہ میں واقع ہوئی ہے۔ (سیرت شامی) اس تفصیل کے
بعد ہم دوبارہ نسب نبوی کی طرف آتے ہیں۔

ابن مالک:۔
مالک، ملک سے مشتق ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے چونکہ آپ، عرب والوں کے
مالک تھے اس سے آپ کا نام مالک مناسب رہا۔
کنیت ابو الحارث ہے والدہ کا نام عاتکہ بنت عدوان بن عمرو بن قیس بن عیلان
بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ہے۔ اور عاتکہ کا لقب عکرشہ ہے اور آپ کا صرف
ایک بیٹا تھا نام تھا فہر رضی اللہ عنہ۔

ابن نضر:- نون پر زبر اور ضاد عجمی اخیر میں رائے مہملہ ہے۔ اصل نام قیس ہے
حسن وجمال شباب اور جوانی نے آپ کا لقب نضر بنا دیا۔

کہا جاتا ہے کہ نضر بمعنی سونا خالص، ہو تو آپ کو بوجہ خوبصورتی، سرخ سونے سے
تشبیہ دیتے ہوئے نضر کا لقب دیا گیا ہے۔

کنیت بڑے لڑکے کی نسبت سے ابو یخلد ہے۔ والدہ کا نام، برہ بنت مر
بن اد بن طابخہ بن الیاس بن مضر رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کی تین اولادیں ہیں یخلد، مالک اور تیسرے حلث ہیں۔

ابن کنانہ:- کاف کے نیچے زیر، دونو نون زبر والے اور ان دونوں نون کے
درمیان الف ہے آخر میں ہائے وقف ہے۔ کنانہ کے معنی ہیں "ترکش" جس طرح
ترکش اپنے اندر تیروں کو ڈھانپ کر رکھتی ہے۔ اسیطرح آپ بھی اپنی قوم کی پردہ پوشی
فرماتے تھے۔ اپنے آپ کو خصوصًا اپنے پاؤں تک کو ڈھانپ کر رکھتے تھے۔ اسی سبب
سے آپ کا لقب کنانہ پڑ گیا۔ کنیت ابو نضر اور والدہ کا نام، عوانہ بنت سعد بن قیس بن
عیلان بن مضر ہے۔ (ابو اسحاق، زرقانی، سیرت شامی، حلبی)

آپ بہت خوبصورت اور عظیم المرتبت تھے علم وفضیلت کے سبب، دور دور کے
لوگ آپ کی زیارت کرنے آیا کرتے اور اپنی قوم کو فرمایا کرتے

"پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور عنقریب ہونے کو ہے قوم
قریش ہو گی اور آپ کا نام نامی" احمد "ہے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو
اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کی طرف بلائیں گے اور انہیں ہدایت دیں گے،
احسان مکارم اخلاق اور نیکی کی تلقین وتبلیغ فرمائیں گے ضروری ہے کہ آپ کی
تابعداری کر کے اپنی عزت وعظمت میں اضافہ کیجئے کیونکہ پیغمبر کا قول وفعل؛
حق اور سچ ہے کہیں تکذیب نہ کر بیٹھیں۔"

جناب کنانہ کی چار اولادیں تھیں نضر، ملکان، عمرو اور عامر۔

علامہ سہیلی روض الانف میں فرماتے ہیں کہ علامہ محب الطبری نے ان چار بیٹوں کے

علاوہ دیگر نو اولادیں بیان کی ہیں اور ابن ہشام نے اُن کے نام کچھ اسیطرح بتلائے ہیں۔

عامر۔ حارث۔ نضیر۔ غنم۔ سعد۔ عوف۔ جرولہ۔ جلال، غزوان، والله اعلم بالصواب

ابنِ خزیمہ :۔ خاء پر پیش، زائے پر زبر اور یائے تحتانیہ پر جزم ہے۔ اسم منقول ہے خزم سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں ایک درخت جس کی کھال سے رسیاں بنائی جاتی ہیں۔ (صراح)

بعض محققین کا خیال ہے کہ خَزم سے مشتق ہے جو کہ موتی پرونا اور صلاحیت پیدا کرنا کے معنی دیتا ہے۔ اور کچھ لغت والوں نے خزامہ تصغیر بتلا کر معنی کیا ہے۔ بالوں کا حلقہ جو اونٹ کی ناک میں مہار باندھتے وقت ڈالا جاتا ہے۔

علامہ محبُّ الدین بن شہاب الدین اپنی کتاب "الغرر المضیعہ" میں ذکر فرماتے ہیں کہ علمائے کرام خزیمہ کو اسم منقول بتلانے میں بہت وجوہات بیان کرتے ہیں اور میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ وجہ مناسبت میں کسی نے تعرض بھی کیا ہو۔ البتہ یوں کہہ دیا جاتا ہے کہ مناسبت ملحوظ خاطر صرف نقل اسماء میں ہوتی ہے۔ نقل القاب میں نہیں ہوتی۔

(والله اعلم بالصواب)

جناب خزیمہ کی کنیت ابوالاسد ہے۔ والدہ کا نام سلمٰی بنت سلمہ بن الحاف بن قضاعہ ہے۔

مکارمِ اخلاق عزت و اقتدار حاصل تھا۔ لوگوں نے آپ کی مدح میں بہت قصائد لکھے ہیں۔ جنہیں اختصار کے پیش نظر، ترک کر دیا گیا ہے۔ شوق و ذوق کی تسکین ملحوظ ہو تو دیکھا کیجئے فتح القوی مصنفہ مخدوم ٹھٹھوی۔

علامہ شامی سیرت میں فرماتے ہیں ابن حبیب جید سند کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت فرماتے ہیں کہ جناب خزیمہ کا انتقال ملت ابراہیمی پر ہوا۔ آپ کی چار اولادیں ہیں۔ کنانہ۔ اسد۔ اسدہ اور ہُمون۔

علماء کرام اس بحث میں بہت کچھ سوال و جواب کی شکل میں لکھتے آئے ہیں بوجہ اختصار پسندی۔ انہیں ہم نے ذکر نہیں کیا ہے۔

ابن مُدرِکہ :-

میم پر پیش دال پر جزم اور رائے مکسور ہے آخر میں کاف زبر والا اور ہائے وقف ہے۔ مصدر اِدراک سے اسم فاعل مُدرِک کا اسم منقول ہے۔ بکثرت علمائے کرام، حلبی و بلاذری، قاسم بن سلام، ابن دُرید اور مبرد کی تحقیق کے مطابق بقول صحیح مدرکہ کا نام "عمرو" ہے اور کنیت ابوہذیل ہے۔ مدرکہ لقب ہے اس میں دو وجہ بیان کئے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

وجہ اوّل :- آپ نے ہر اُس شرف و عزت کو اپنا لیا تھا جو کہ آپ کے آباؤ اجداد میں موجود تھا۔

وجہ دوم :- حضرت الیاس کے تین بیٹے تھے عمرو۔ عامر۔ عمیر، ایک دن تینوں بیٹے اپنے اپنے اونٹ لے کر جنگل پہاڑ کو چلدیئے خرگوش ظاہر ہوا اونٹ ڈر کے مارے بھاگے ان تینوں نے خرگوش کو پکڑنا چاہا چنانچہ عمرو نے اس خرگوش کو جالیا اور عامر نے اس کا گوشت پکایا اور عمیر نے انقماع کیا یعنی وہ تنہا چھڑ کر بیٹھ رہے اور رک گئے جب وہ تینوں بیٹے باپ کی خدمت میں حاضر ہو کر ماجرا بیان کرنے لگے تو باپ انہیں ان کی کارکردگی کے مطابق نام دیتے رہے۔ چنانچہ اوّل کا نام مدرکہ دوم طابخہ اور سوم قمعہ نام لے بیٹھے آپ کے دو بیٹے تھے۔ خزیمہ اور ہُذیل (کذا ذکرہ ابن اسحاق)

ابن الیاس :- الیاس کے ہمزہ میں اختلاف واقع ہے۔

علامہ ابن انباری فرماتے ہیں کہ زیر بحث الیاس بروزن فیعال میں ہمزہ کو زبر سے پڑھا جاتا ہے۔ اسی وزن میں تمام اسم مکسور الفاء واقع ہوئے ہیں۔ اس سے مشتق ہے ہمزہ اور لام دونوں پر زیر ہو تو اس کے معنی ہیں عقل کا ضعیف ہونا۔ وجہ تسمیہ میں کہا جاتا ہے بعض اہل عرب اپنی اولاد کے نام میں حقارت کو پیش نظر رکھا کرتے ہیں جیسا کہ غافل۔ آثم۔ کلب اور حمار وغیرہ تو یہ نام الیاس بمعنی ضعیف العقل، اسی زمرہ میں سے ہے۔

وجہ دوم جب الیاس بروزن اِفعال ہو تو "لیس" لام اور یاء پر زبر کے ساتھ

معنی بنتا ہے۔ استقامت اور میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہنا۔ جیسا کہ عرب بولتے ہیں۔ رَجُلٌ اَلْیَسُ اے اَشْجَعُ لَایَفِرُّ ایسا بہادر انسان جو کہ میدان جنگ میں ثابت قدم رہے اور بھاگنے نہ پائے۔

بعض عُلماء کرام کی تحقیق کے مطابق اُلیاس میں پہلا ہمزہ پر زبر ہے اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پہلا ہمزہ وصل کا ہے جو کہ درج کلام میں گر جاتا ہے۔ بعد لام تعریف والے پر زبر پڑھی جاتی ہے۔

علامہ سہیلی اور علامہ حلبی اس قول کو صحیح قرار دیتے ہیں اور اسے جمہور کا مذہب بتلاتے ہیں۔

درج مذکور تحقیق کے مطابق اُلیاس دراصل "یاس" ہے جو کہ "رجاء" کا متضاد ہے اور دلیل میں کہا جاتا ہے کہ آپ کے والد محترم جناب مُضَر سن رسیدہ ہو چکے تھے اولاد سے ناامیدی سی ہو چکی تھی۔ اللہ رب العالمین نے اپنے کرم کے صدقہ ایک بچہ عنایت کیا تو باپ نے اس کا نام "الیاس" رکھ دیا۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ الیاس میں الف لام تعریف کا ہو تو اس کا اصل "یاس" قرار پاتا ہے جس کے معنی ہیں "سل کی بیماری" جو کہ آنتوں اور پھیپھڑوں میں زخم کر دیتی ہے۔ الیاس بن مُضر بھی آخیر عمر میں اس بیماری "مرض سل" سے مُبتلا ہو گئے اور وفات پائی۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

سوال ۔ نام اول عمر میں رکھا جاتا ہے جبکہ مرض سل آخیر عُمر میں لاحق ہُوا وجہ تسمیہ کیونکہ دُرست ہوگی؟

جواب ۔ ممکن ہے کہ اوّل عُمر میں ماں باپ نے کوئی نام متعین کیا ہو جو کہ مٹ کر رہ گیا ہو اور آخیر عمر میں بوجہ سل مرض "الیاس" کے نام مشہور ہو گئے ہوں جس کی وجہ یہ ہے کہ آپ سے اول کوئی شخص نہیں مل پایا جو کہ اس مرض سل میں بیمار ہو کر فوت ہُوا ہو۔ اور یہ الیاس ہی پہلا شخص ہے جو کہ اِس موذی مرض میں فوت ہُوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کا نام "الیاس" زبان زد عوام وخواص ہو گیا۔

آپ کی کنیت ابوعمرو ہے والدہ کا نام جناب معد بن عدنان کی اولاد کی نسبت کے ناطے "معدیہ" ہے۔

جناب الیاس اپنی قوم اور اپنے قبیلہ کے سردار تھے عرب والے آپ کے صلاح و مشورہ کے بغیر کوئی کام نہ کیا کرتے تھے۔

تمام اہل عرب آپ کی دانش مندی کے معترف تھے اور تعظیم بجالاتے جیسا کہ لقمان حکیم، حکمت و علم اور دانائی و دانشوری کے سبب اپنی قوم میں قابل تعظیم سمجھے جاتے ہیں بلوجودیکہ آپ کی قوم بنی اسرائیل نے آباؤ اجداد کے رسم و رواج میں تغیر و تبدل کر دیا تھا۔

جناب سہیلی نے روضۃ الانف میں فرمایا کہ ہمارے پاک پیغمبر نے فرمایا الیاس کو برا بھلا نہ کہا کرو کیونکہ وہ مومن تھے۔

حضرت الیاس کے تین بیٹے تھے ایک عمرو لقب مدرکہ دوسرے عامر لقب طباخ ہے اور تیسرے عمیر ہیں ان کا لقب قمعہ ہے۔

ابن مضر:- میم پر پیش اور ضاد معجمہ پر زبر ہے "ماضر" سے معدول ہے جس طرح عمر، عامر سے اور زفر زافر سے معدول ہے اور غیر منصرف کے دو سبب موجود ہیں "علم اور عدل" لہٰذا مضر غیر منصرف ہے۔ مضر لقب ہے اور نام عمرو ہے۔ علامہ قتبی فرماتے ہیں کہ مضر، مضیرہ سے مشتق ہے۔ مضیرہ کے معنی ہیں ایک قسم کا کھانا جو کھٹے دودھ سے تیار کیا جاتا ہے۔ جناب عمرو کا لقب مضر مشہور ہو گیا صرف اس لئے کہ آپ کھٹے دودھ کی طرح سفید فام تھے۔ یا اس لئے کہ آپ اپنے خاندان میں ترش رو ہونگے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

فائدہ: آپ کو حمرا کی طرف اضافت کے بطور مضر الحمراء بھی کہا جاتا ہے علمائے کرام بکثرت وجوہات لکھ جاتے ہیں مگر میں نے بوجہ اختصار انکا ذکر چھوڑ دیا ہے۔

جناب مضر کی کنیت "ابوالیاس" ہے والدہ کا نام سودہ بنت عمک بن عدنان ہے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ حدی جو ایک راگ کا نام ہے جس کی تخلیق جناب مضر

نے فرمائی ہے۔ اس راگ کو سن کر اونٹ مستی پکڑتے ہیں۔ اطاعت و انقیاد کے ساتھ ساتھ تیز رفتار ہو جاتے ہیں اور آج تک یہی راگ میدانِ جنگ میں بھی گایا جاتا ہے۔

وصایا مبارک:۔ زراعت پیشہ لوگوں کو چاہیئے اونٹوں سے پیار کریں۔ ملتِ ابراہیمی کو دُنیائے عالم میں رواج دیا اور ان کی شریعت کو مضبوط سے مضبوط تر بنانے میں جناب مضر کا بہت کچھ حصہ ہے۔

ابو عبیدہ البکری نے فرمایا کہ مضر کی قبر روحاء میں موجود ہے جو کہ زیارت گاہ ہے اور روحاء مدینہ طیبہ سے دو منزل دور ہے۔ (حلبی و شامی)

حدیث پاک میں آیا ہے کہ ربیعہ اور مضر کی بدگوئی نہ کیا کرو وہ دونوں مسلمان تھے۔

حضرت سعید بن مسیب ایک مضبوط سند کے ساتھ راوی ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مضر، ملتِ ابراہیمی پر تھے۔ اور جناب ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اود جو کہ عدنان کے باپ ہیں اور معد، ربیعہ، مضر، قیس بن غیلان، تمیم بن اسد، ضمہ اور خزیمہ رضوان اللہ علیہم یہ سبھی لوگ مومن مسلمان تھے اور ملتِ ابراہیمی کے پیروکار تھے۔ (روض الانف للسہیلی)

ابن نزار:۔ نون کے نیچے زیر زاء معجمہ پر زبر ہے "نزر" سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں "قلیل اور تھوڑا ہونا"

جود و عطا میں اس زمانہ میں جناب نزار کی نظیر و مثال نہ ملا کرتی تھی اسلیئے آپ کو نزار کا لقب دیا گیا۔ حضرت سہیلی فرماتے ہیں جب نزار پیدا ہوئے تو نورِ نبی از اصلاب تا اصلاب منتقل ہوتے ہوئے جناب نزار میں نمودار ہوا آپ کے والد اس چمکدار نورِ مبارک کو دیکھ کر خوش ہوئے اور ایک ہزار اونٹ اس خوشی میں ذبح کر ڈالے۔ لوگوں کو کھانا کھلایا اور لوگوں نے حضرت معد بن عدنان (والد نزار) کو اسراف اور مال ضائع کر دینے کا طعنہ دیا تو آپ نے جواب دیا ایسے سعادت مند بیٹے کی پیدائش کی خوشی میں صرف ایک ہزار اونٹ کی قربانی کچھ زیادہ نہیں یہ تو قلیل نذر ہے اس وجہ سے بھی آپ کا لقب نزار پڑ جانے کا امکان بجا ہے۔

ابوالحسن ماوردی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب اعلام النبوۃ میں فرماتے ہیں جناب نزار میں شوکت و قدرت اور ہیبت و جرأت فراوان تھی مگر آپ کا جسم و بدن لاغر اور کمزور تھا۔ فارس کے بادشاہ جب آپ کو ملے تو گویا ہوئے "اے نزار تراچہ شدہ است" ارے اتنے کمزور ہو تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ فارسی میں کمزور و لاغر شخص کو نزار بھی کہا جاتا ہے ممکن ہے اس وجہ سے بھی نزار میں شہرت پائی ہو۔ نام نامی "خلدان" ہے مگر لقب نزار غلبہ کر گیا۔

والدہ کا نام حرہ ہمیہ ہے آپ پہلے شخص ہیں جس نے عربی زبان میں کتاب لکھی جناب نزار کی چار اولادیں ہیں۔ مضر۔ ربیعہ۔ ایاد اور انماد (کذافی سیرت ابن ہشام)

ابن معد:۔

میم اور عین پر زبر دال مھملہ پر شد ہے یہ اسم منقول ہے اور اس کی نقل میں بکثرت وجوہ پائے جاتے ہیں۔

وجہ اول:۔ معدؔ بروزن مفعل، عدد سے نکلا ہے جس کے معنی ہیں "گنتی کرنا"

وجہ دوم:۔ عُدّۃ سے نکلا ہے معنی ہیں گھوڑے پر سوار ہوتے وقت قدم کی جگہ یہی وجہ ہے کہ زین کے دونو طرف، دونو پائیدانوں کو معدین کہتے ہیں۔

وجہ سوم:۔ تمعدد سے ماخوذ ہے جو کہ قوت و قدرت کے معنی دیتا ہے۔

وجہ چہارم:۔ روضۃ الصفا میں لکھا ہے معد بمعنی تر و تازگی اور ہر چیز کا شباب ہے۔ وجہ مناسبت ظاہر ہے چنانچہ وجہ آخر میں کہا جا سکتا ہے آپ کشادہ پیشانی اور خوبرو تھے۔ اسلئے آپ کا نام مشہور ہو گیا "معدؔ"

فتح القوی میں لکھا ہے کہ جناب معد کی کنیت ابوقضاعہ یا ابونزار ہے۔ والدہ کا نام مہدد بنت لحم ہے اور بعض کہتے ہیں کہ آپکی والدہ کا تعلق طیم بن لاود بن سام بن نوح علیہ السلام (کذافی ابن ہشام)

علمائے کرام اور مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے بایں طور کہ حضرت معد سیدنا موسیٰ علیہ السلام کے دور میں ہیں یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں۔

علامہ ابن حجر العسقلانی نے متعدد وجوہ سے قول اوّل کو راجح قرار دیا چنانچہ اختصار اور تکرار سے اجتناب کی بنیاد پر اس رسالہ میں یہ بحث ترک کر دی گئی ہے۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں جناب معد بن عدنان کثیر الاولاد تھے۔ علامہ عبدالمالک بن حبیب فرماتے ہیں کہ معد کی سترہ اولادیں ہیں جن میں سے آٹھ لڑکوں کی نسل و نسب چلی ہے مگر نو شخص اس دنیا سے لاولد ہو کر گئے۔ آٹھ بچوں کی اولاد تا ہنوز جاری وساری ہے۔ اور وہ درج ذیل ہیں۔

قضاعہ۔ نزار۔ ایاد۔ نیدان۔ عبید۔ جُنَید۔ سلیم اور قیس رضوان اللہ علیہم یہ آٹھوں یمن کی طرف قلب مکانی کر کے چلے گئے۔ مؤرخین، قضاعہ کو معد بن عدنان کا بیٹا قرار دینے میں اختلاف رکھتے ہیں واللہ اعلم بالصواب

علم نحو میں ہے کہ "معد، قریش اور ثقیف" کو بطور غالب الاستعمال مذکر منصرف دونوں طرح پڑھا جاتا ہے یعنی یہ تینوں الفاظ جب قبائل میں استعمال ہوں تو مذکر و منصرف بطور غالب استعمال ہوں گے اور جب یہی اسماء، اشخاص پر اطلاق کئے جائیں تو پھر انہیں مذکر و منصرف پڑھنا لازم ہو جاتا ہے۔

ابن عَدنان :۔

عین پر زبر اور دال مہملہ پر جزم ہے۔ دونوں کے درمیان الف زائدہ ہے بوجہ الف و نون زائدتان، عدنان غیر منصرف ہے۔ عدن سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "کسی جگہ اقامت پذیر ہونا" عرب کے لوگ کہتے ہیں "عَدَنَ الرَّجُلُ بِالْمَکَانِ اَیْ قَامَ بِهٖ" یعنی شخص نے کسی جگہ اقامت کر لی۔

منقول ہے کہ حضرت عدنان پہلے شخص ہیں جنہوں نے خانہ کعبہ کو غلاف پہنایا ایک دن جناب عدنان کہیں چلے جا رہے ہیں کہ اَسّی (۸۰) آدمی دشمنی کی نیت سے آپ پر حملہ آور ہوئے آپس میں سخت معرکہ ہوا۔ گھوڑے سے اتر کر پہاڑ کی چوٹی پر تشریف لے گئے مگر یہودیوں نے وہاں تک پیچھا کیا تو عدنان نے بارگاہِ الٰہی میں التجا کی اور اچانک غیب سے ایک ہاتھ نمودار ہوا جس نے حضرت عدنان کو محفوظ مکان تک

پہنچا دیا اور دشمنوں کو ایک ہولناک آواز سنائی دی وہ سب کے سب ہلاک ہو گئے چنانچہ پیغمبر کے معجزوں میں سے یہ بھی ایک معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔

شیخ اصفہانی اپنی تصنیف روضتہ میں ذکر فرماتے ہیں کہ درج بالا واقعہ کو "معجزہ" کا نام دینا ان لوگوں کی تجویز ہے جو کہ بعثت اور ظہور سے پہلے بھی معجزہ صادر ہونے کے قائل ہیں۔ جب کہ دوسرے لوگ اسے کرامت کا نام دیتے ہیں۔

عدنان کے سات بیٹے ہیں معد۔ وبث۔ ابی۔ ابعی۔ عد حرث اور ذہب ساتویں بیٹے خوبصورتی میں سونے کے مشابہ تھے اس لئے ان کا نام ذہب رکھا گیا ذہب سونے کو کہتے ہیں جیسا کہ عرب کا قول ہے کہ "فُلَانٌ اَجْمَلُ مِنَ الذَّھَبِ" فلاں آدمی سونے سے زیادہ خوبصورت ہے۔

حافظ ابوالقاسم سہیلی اپنی تصنیف میں فرماتے ہیں بعض لوگوں کا خیال ہے کہ عدنان کی اولاد میں ایک بیٹا ضحاک نامی تھا جب کہ دوسرے علماء کرام کے نزدیک یہ بات غلط ہے بلکہ ضحاک، معد کے بیٹے ہیں۔ عدنان کے بیٹے نہیں ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب

حافظ محمد بن علی توزری قصیدہ شقراطیسہ میں شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں عجمی نام جو صرف چار یا اس سے زیادہ حروف پر مشتمل ہو تو وہ اسم بلاخلاف غیر منصرف ہوتا ہے اس میں دو سبب ہوتے ہیں علم اور معرفہ اور اگر عجمی نام تین حروف والا ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ درمیانی حرف متحرک ہو تو وہ غیر منصرف اور اگر درمیانی حرف ساکن ہو جیسا کہ نوح ہود وغیرہ تو اس میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ مشہور مذہب یہ ہے کہ وہ منصرف ہوتا ہے (شرح جامی اور ہدایتہ النحو)

ابن اُد:

ہمزہ پر پیش اور دال مہملہ پر شد ہے۔ حافظ ابوعمرو بن عبدالبر فرماتے ہیں کہ جمہور علماء کرام نسابین کے نزدیک عدنان بن اُدّ مشہور ہے مگر ایک جماعت کا کہنا ہے عدنان بن اُد بن ادد ہے۔ علامہ محب الدین بن الشہاب الدین بن ہاشم غرر المرضیہ میں فرماتے ہیں اد اور اُدَد کا مادہ اشتقاق ایک ہی ہے۔ (کذا ذکرہ الشامی)

آپ کی والدہ نعجا بنت عمرو بن تبع اسعد ہے۔ جو کہ حمیر بن سبا کی اولاد سے ہے

ابن اُدَدَ :۔

ہمزہ پر پیش اور اس کے بعد دو، دال ہیں جبکہ پہلا دال زبر والا ہے ادد کے

مادہ میں بہت سے اقوال پائے جاتے ہیں جو کہ درج ذیل ہیں۔

قول اول اُدَد بروزن فُعَل یہ اسم منصرف ہے اس لئے کہ یہ اسم سرر کے ہموزن

ہے اور ادد، عمر کی طرح معدول نہیں ہے سیبویہ کا قول بھی اسی طرح ہے۔

قول دوم ادد، اد سے ماخوذ ہے ہمزہ زبر والا اور زیر والا دونوں طرح ہے۔ بمعنی

دشوار اور گراں معاملہ قرآنِ مجید میں آتا ہے۔ وَلَقَدْ جِئْتُمْ شَيْئًا اِدًّا میں تمہارے

پاس گراں چیز لے کر آیا ہوں۔ شاذ قرات میں اَدّا پر ہمزہ مفتوح بھی پڑھا جاتا ہے مگر

مفتوح یا مکسور دونوں حالتوں میں معنی یکساں رہتا ہے۔

قول سوم:۔ اُدَد، اُدٌّ سے ماخوذ ہے بروزن مَدٌّ معنی ہیں۔ دراز کرنا۔ اہل عرب کہتے ہیں

"اَدَدْتُ الثَّوْبَ اَیْ مَدَدْتُه" میں نے کپڑا پھیلا دیا۔

قول چہارم:۔ باہر جانا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، مقولہ ہے "اُدِدَتِ الاِبِلُ

اَیْ اُخْرِجَت" اونٹ باہر نکال دیئے گئے ہیں۔ یہ اسم منقول ہے لہٰذا وجہ مناسبت

بھی بنائی جا سکتی ہے۔

آپ کی والدہ کا نام حَیَّہ ہے بنی قحطان قبیلہ سے تعلق ہے "حَیَّہ" میں حاء

پر زیر اور یائے مشدد پڑھی جاتی ہے۔

صرف دو عورتوں کے نام قدرے مختلف ہیں ایک یحییٰ بن اکثم کی بہن ہے۔

نام ہے "خَنَّہ" خائے معجمہ اور نون دوسری مریم بنت عمران کی والدہ جس کا نام حَنَّہ

ہے۔ حائے پر زبر اور نون پر شد ہے۔

ابنُ الیسع:۔ آپ نبی مرسل ہیں اول میں ہمزہ وصل کا ہے جو درج کلام میں گر

جاتا ہے۔ اور اس ہمزہ پر زبر پڑھی جاتی ہے۔

الیسع عجمی نام ہے غیر منصرف ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے یہ عربی نام ہے۔ وسعت سے مشتق ہے۔ یہ فراخی اور فراخدستی کے معنی دیتا ہے۔ چونکہ آپ میں علم ربانی وسعت سے پایا جاتا تھا نام الیسع مشہور ہوا ہے اور اگر "سعی" مادہ قرار دیا جائے تو امور حقہ میں کوشاں ہونے کے باعث الیسع کے نام سے شہرت پائی۔

ابن ہمیسع ۔ ہائے مہملہ اور میم دونو پر زبر اور یائے تحتانیہ پر جزم ہے۔ بعض علمائے کرام ہائے مہملہ پر پیش پڑھتے ہیں جبکہ اول صواب ہے۔

سہیلی فرماتے ہیں ہمیسع بمعنی زاری تضرع آتا ہے آپ کی والدہ کا نام حارثہ بنت مرواس بن زرعہ ہے جو کہ قبیلہ بنی حمیر سے ہے۔

ابن سلامان ۔ علامہ شامی فرماتے ہیں سلامان کا معنی و مطلب مجھے کسی تاریخ و لغت میں نہیں مل سکا۔

ابن نبت ۔ نون پر زبر ہے اور کچھ لوگ "نابت" پڑھتے ہیں امیر ابونصر بن ماکولاء نبت کو سلامان پر مقدم لاتے ہیں۔ لیکن علامہ جوانی کتاب نسب میں، حافظ ابن الجوزی تلقیح میں سلامان کو پہلے اور نبت کو بعد میں لاتے ہیں۔

آپ کی والدہ کا نام مامہ بنت زید بن کہلان بن سباء بن یشجب بن یعرب بن قحطان ہے۔

ابن حمل ۔ حا اور میم پر زبر اور آخر میں لام واقع ہے۔ والدہ کا نام عاجزہ یہ بنت ملک جرہم ہے۔

ابن قیذار ۔ ذال معجمہ کے بعد الف آتا ہے۔ اور بعض کے نزدیک بغیر الف بھی ہے یعنی ذال پر زبر اور پیش دونو پڑھے جاتے ہیں۔ علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن سہیلی فرماتے ہیں۔ قیدار اونٹ والے کو کہتے ہیں وجہ تسمیہ میں کہا جاتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل اونٹ والے (ساربان) تھے اور قیذار کے معنی بادشاہ بھی ہیں چونکہ قیذار اپنے زمانے میں بادشاہ تھے۔

علامہ جوانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں کے

اطراف وجوانب میں پھیل گئی اور بہت لوگ فوت بھی ہو گئے اور نسابین نے ان کی اولاد در اولاد تک کا ذکر نہیں کیا صرف جناب قیذار کی اولاد باقی رہ گئی تو رب العالمین نے آپ کی اولاد کو ہر طرف زمین کے کونے کونے میں بسا دیا اور انہوں نے اپنے باپ کی زبان عربی سکھلائی۔ اس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے کہ جناب قیذار "ابوالعرب ہے"

آپ کی والدہ کا نام، مالہ بنت حرث بن مضاض جرہمی ہے۔

ابن اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام:۔

اسمٰعیل کے معنی "مطیع" کے ہیں اور قاموس لغت کی کتاب میں لکھا ہے۔ کہ اسمٰعیل بنی آدم میں پہلا شخص ہے جو اس نام سے موسوم ہے صرف فرشتگان میں اسمٰعیل نامی ایک فرشتہ پایا جاتا ہے جو کہ امیر الملائکہ ہے۔

علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اسمٰعیل نامی فرشتہ زمین میں رہنے والے فرشتگان کا امیر ہے۔ واقعہ معراج الرسول میں اس فرشتہ کا ذکر ملتا ہے۔

اللہ رب العالمین نے جناب پیغمبر سیدنا اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو، جرہم کے جاہلوں اور عمالیق قوم کی طرف رسول بنا کر بھیجا تھا۔ ان میں سے کچھ ایمان لے آئے اور بہت کچھ کافر رہ گئے۔ جرہم ایک قبیلہ ہے جرہم کے نام پر اپنے دادا سے نسبت ہے۔ سلسلہ نسب یہ ہے۔ جرہم بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح۔

عمالیق:۔

عملیق بن لاود بن سام بن نوح کی اولاد ہیں اور سہیلی نے لکھا ہے کہ عمالیق مصر کے بادشاہوں میں سے ہیں جنہیں فراعنہ کہا جاتا ہے جیسا کہ فرعون لعین کہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام ان کے زمانے میں مبعوث ہوئے تھے۔

اور فرعون کا نسب:۔ ولید بن مصعب بن عمرو بن معویہ بن راشہ بن معویہ بن عملیق ہے

امام بیہقی، ابو فہم اور ابن ہشام، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کا حلیہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام، سفید رنگ مائل بسرخی، ناک بلند اور اچھے قد و قامت

والے تھے اور آپ کے چہرے پر نورِ نبوت چمکتا تھا۔ خشوع و خضوع آپ میں بکثرت پایا جاتا تھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد محترم سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے بہت زیادہ مشابہت رکھتے تھے۔

خصوصیات :- آپکی دس خصوصیات تھیں جنہیں صاحب مطلع اور دوسروں نے بیان کیا ہے

۱۔ آپ کی بولی عربی تھی۔ امام حاکم مستدرک میں حضرت عباس کی روایت بیان فرماتے ہیں کہ آپ پہلے شخص ہیں جس نے عربی زبان میں کلام فرمایا۔

۲۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام، نورِ محمدیؐ کے مرکز تھے۔

۳۔ اپنے والدِ محترم کی سب سے بڑی اور پہلی اولاد تھے۔

۴۔ بیت اللہ شریف کی تعمیر میں اپنے والد صاحب کے ساتھ ساتھ رہے۔

۵۔ عرب کے تمام نسب و نسل کا آخری مرجع حضرت اسمٰعیل ہیں۔

۶۔ بوقت امتحان آپ نے ذبح ہونے کیلئے اپنی گردن رکھ دی

۷۔ اور اس میں شک نہیں کہ قربانی کا معاملہ مکہ معظمہ میں پیش آیا۔ اس لئے مکہ شریف میں دسویں ذی الحج کو منیٰ میں قربانی دی جاتی ہے۔ اور رمی جمرات کی رسم یادگار منائی جاتی ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑ لگائی جاتی ہے۔ اور یہ سعی، سیدہ ہاجرہ کی یادگار ہے ــــــ اندریں حالات معلوم ہوتا ہے کہ دونو ماں بیٹا (ہاجرہ اور اسمٰعیل) مکہ شریف میں مقیم تھے نہ کہ شام میں۔

آپ کی والدہ صاحبہ کا نام ہاجرہ ہے جو کہ خاتونِ اوّل سارہ کی باندی تھی۔ سیدہ سارہ نے اپنی باندی ہاجرہ اپنے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عطا کر دی تھی۔

یاد رہے کہ ہاجرہ کسی قبطی جابر بادشاہ کی لڑکی تھی۔ حضرت ہاجرہ کی والدہ مصر کے قریب ایک بستی "حفن" کی رہنے والی تھی۔

۷۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو "وَفَدَیْنَاہُ بِذِبْحٍ عَظِیْمٍ" سے خلعت بخشی۔

۸۔ ہمارے پاک پیغمبرؐ کو، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد سے منتخب فرمایا۔

۹۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر نبی پاک نے فرمایا اور فخر کا اظہار کیلہ ہے۔ "اَنَا ابْنُ الذَّبِیحَیْنِ" میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔

۱۰۔ اللہ رب العالمین نے قرآن مجید میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بارہ نام دیئے۔ غلام۔ علیم۔ حلیم۔ مسلم۔ مستسلم۔ آمر۔ مرضی۔ صادق الوعد۔ رسول نبی۔ مذکور اور صابر علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

علامہ حلبی سیرت میں لکھتے ہیں۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام جب پیدا ہوئے تو آپ کے والد محترم کا بڑھاپا تھا عمر میں قدرے اختلاف ہے۔ بروائیت اول چھیاسی سال اور دوسری روائیت میں آپ کی عمر ستر سال بتلائی گئی ہے۔

روضتہ الصفا میں آیا ہے جب سیدنا اسحاق علیہ السلام پیدا ہوئے تو آپ کے والد محترم کی عمر مبارک سو سال تھی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام اپنے بھائی اسحاق علیہ السلام سے صرف تیس سال اور بقول دیگر چودہ سال بڑے تھے اور بس۔

سیرت حلبی میں لکھا ہے کہ دونو بھائی اپنے والد محترم کی زندگی میں، منصب نبوت پر فائز ہو چکے تھے۔ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے صرف ایک نبی ہوئے۔ نام مبارک ہے سیدنا محمد رحمتہ العالمین صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس لئے ابن کثیر اور دوسرے بیغمبر علمائے کرام کا فیصلہ ہے کہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کے بعد عرب میں صرف ہمارے پاک پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور بس۔

سوال ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے پیغمبر علیہ السلام کے درمیان حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے خالد بن سنان علیہ السلام نبی بن کر تشریف لائے تو ابن کثیر کا فیصلہ کیونکر صحیح ہوگا؟

جواب ہے۔ حافظ ابن حجر رحمتہ اللہ علیہ شرح بخاری المسمی بہ فتح الباری میں فرماتے ہیں سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ عیسیٰؑ اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہے۔ اندریں حالت، درج بالا سوالیہ روائیت قابل اعتماد نہیں رہتی۔

سوال ۔ ابنِ کثیر رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ عرب میں اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے سوائے پیغمبر آخر الزمان کے اور کوئی نبی مبعوث نہیں ہوا جبکہ اس کے برعکس الیسع علیہ السلام پیغمبر تھے اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔

جواب ۔ الیسع کی مستقل نبوت نہ تھی وہ تو اپنے پیشرو نبی پاک کی شریعت کی اتباع کیا کرتے تھے۔ ابنِ کثیر کی مراد ہے کہ "مستقل شریعت والانبی" نہیں ہے۔

منقول ہے کہ سب سے اوّل جس شخص نے گھوڑوں پر سواری فرمائی وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں آپ کے سوار ہونے سے پہلے گھوڑے، وحشی تھے۔ سیدِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں گھوڑوں پر سواری کیا کرو کیونکہ گھوڑے، تمہارے باپ سیدنا اسمٰعیل کی میراث ہیں۔

تفسیر عرائس البیان اور سیرت حلبی میں مذکور ہے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی خصوصیات میں شکار کرنا، گھوڑوں کی سواری، تیر اندازی اور کشتی گری کو شمار کیا جاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

فائدہ ۔ جاننا چاہیئے کہ حافظ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تصنیف "مسالک الحنفاء" میں واقدی سے ابن سعد کی روائیت فرماتے ہیں۔ سیدہ سارہ رضی اللہ عنہا کو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے اولاد نہ مل سکی۔ دریں اثناء حضرت ہاجرہ نے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو جنم دیا۔ سیدہ سارہ کو بے حد غیرت ہوئی اور آپ نے قسم کھالی کہ حضرت ہاجرہ کے تین عضو کاٹ لوں گی۔ ہر چند حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سفارش کی قبول نہ ہوئی تو قسم کی ادائیگی ہوئی۔ بایں صورت کہ ہاجرہ کے دونو کان چھید لئے جائیں اور اس کا ختنہ بھی کر دیا جائے۔ سیدہ سارہ نے اپنی قسم درج بالا طریق سے درجہ تکمیل تک پہنچائی۔ تب سے عورتوں کے دونوں کان چھیدے جاتے ہیں اور ان کا ختنہ بھی کیا جاتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت سیدہ سارہ کی غیرت ورشک روز بروز زیادہ ہوتی رہی اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ وحی حکم دیا کہ آپ براق پر سوار ہو کر حضرت

اسمٰعیل علیہ السلام کو آگے بٹھادیں اور حضرت ہاجرہ کو پیچھے سوار کریں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ابھی شیر خوار تھے۔ اور جبرائیل علیہ السلام ہمراہ تھے۔ چلتے چلتے مکہ شریف پہنچے وہاں خاردار کیکر کے درخت تھے جگہ بالکل ویران تھی۔ خانہ کعبہ کے آثار مٹ چکے تھے۔ صرف بلندی اور ٹیلہ کی شکل میں آثار پائے جاتے تھے۔ کوئی آبادی نہ تھی۔ انسان حیوان کوئی موجود نہ تھا۔ عمالیق قبائل اس زمانے میں عرفات میں اقامت پذیر تھے۔ سب سے پہلے مکہ شہر میں حضرت ہاجرہ اور سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام نزول فرما ہوئے۔ کھانے پینے کی چیزیں نہ تھیں۔ زمزم کے قریب بیت اللہ کے ٹیلے پر چڑھ کر بیٹھ گئے۔ یہاں اسوقت نہ کوئی آبادی تھی نہ کوئی چشمہ نہ پانی۔ صرف ایک ٹفن میں کھجوریں اور ایک برتن میں تھوڑا سا پانی دے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام ان دونوں ماں بیٹا کو اکیلا چھوڑ کر واپس ہوئے اور واپس جاتے وقت مڑ کر بھی نہ دیکھا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی والدہ بی بی ہاجرہ نے عرض کیا۔ میرے سرتاج آپ کہاں جاتے ہو اور اس وادی میں بے انیس و رفیق کیوں چھوڑے جاتے ہیں مگر آپ نے کچھ جواب نہ دیا اور نہ ان کی طرف توجہ فرمائی۔ بی بی صاحبہ نے پھر کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے حکم دیا ہے آپ نے فرمایا جی ہاں! اسوقت سیدہ ہاجرہ کو اطمینان ہوا اور عرض کیا ہم راضی برضا ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں ضائع نہیں ہونے دیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام چلے گئے۔ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے بارگاہ خدا میں ہاتھ اُٹھائے۔ دُعا کی اور بروایت دیگر ابراہیم علیہ السلام نے دُعا کی:

فرمایا:۔ رَبَّنَآ اِنِّیْٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ عِنْدَ بَیْتِکَ الْمُحَرَّمِ لِیُقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ فَاجْعَلْ اَفْـِٕدَۃً مِّنَ النَّاسِ تَھْوِیْٓ اِلَیْھِمْ وَارْزُقْھُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّھُمْ یَشْکُرُوْنَ۔ (ابراہیم رکوع ۱۸ پارہ ۱۳)

اے میرے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک نالے میں بسائی جس میں کھیتی نہیں ہوتی تیری حرمت والے گھر کے پاس۔ اے میرے رب اس لئے کہ وہ نماز قائم کریں تو تو کچھ لوگوں کے دل ان کی طرف مائل کردے اور انہیں کچھ پھل کھانے کو دے شاید وہ احسان مانیں۔

حضرت ہاجرہ اپنے فرزند اسمٰعیل علیہ السلام کو دُودھ پلانے لگیں اور وہ پانی بھی ختم ہوگیا۔ پیاس کی شدت ہونے لگی۔ صاحبزادے کا حلق پیاس کی شدت سے خشک ہوگیا تو اب پانی کی تلاش اور آبادی کی جستجو میں صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا شروع کر دیا۔ وہاں نہ کوئی انسان نہ آبادی نہ پانی ملا ایسا کرنے سے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا سنتِ ہاجرہ اور ان کی یادگار ہے۔ جب ہاجرہ نا امید ہوکر واپس آئیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے بُلایا اب فرشتے کے پَر مارنے سے اور بروایت دیگر، خود حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم مبارک رگڑنے سے اس خشک زمین میں سے ایک چشمہ نکل آیا۔ نام رکھا گیا "زمزم" حضرت ہاجرہ ڈر گئیں مبادا پانی ضائع نہ ہوجائے۔ اپنی ایڑھی رکھ دی اور فرماتی رہی تھیں "زم زم" رک جا اے پانی رک جا۔ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے آواز دی کہ فکر مت کیجئے۔ آپ کے خاوند حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کا بیٹا بڑا ہوکر دونو باپ بیٹا، بیت اللہ شریف کی تعمیر کریں گے۔ جب حضرت ہاجرہ نے زم زم کا پانی پیا اس کے پینے سے دُودھ وافر مقدار میں آنے لگا۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو پانی پلایا، پانی نہایت میٹھا تھا اور طعام و شربت کا نعم البدل تھا۔

قبیلہ جرہم کے دو آدمیوں نے اپنے گمشدہ اُونٹوں کی تلاش میں وہاں سے گزرتے ہُوئے ایک پرندہ کو دیکھا تو انہیں تعجب ہُوا کہ بیابان میں پرندہ کیسے زمین پر اُتر رہا ہے۔ شاید کہیں چشمہ اُبل پڑا ہے۔ جستجو کی جبل ابو قبیس پر چڑھ گئے تو دیکھا زمزم چشمہ نکل رہا ہے۔ وہاں آئے اور حضرت ہاجرہ سے پانی میسر آنے کی کہانی سُنی خود بھی پانی پیا۔ اور خوشی خوشی واپس عرفات گئے سب ماجرا من وعن وہاں کے لوگوں کو سُنا دیا چنانچہ قبیلہ جرہم کے لوگوں نے عرفات سے نزول کر کے وہاں بسنے کی اجازت چاہی اور ان عمالقہ کو اس شرط پر حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا نے اجازت دی کہ چشمہ زمزم میں تمہارا حق نہ ہوگا۔ چنانچہ قبیلہ جرہم کے لوگ اور عمالقہ وہاں بس گئے۔ اسی دوران حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوگئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر ہر ماہ براق پر سوار ہوکر شام سے چل کر

مکہ شریف پہنچتے اور اپنی بیوی اور صاحبزادہ اسمٰعیل علیہ السلام کی خیریت دریافت کر کے اسی شام واپس شام کو چلے جاتے تھے۔ عمالقہ کا وہاں آباد ہونا اور پانی کی کثرت اور ان کا آپ کے اہل وعیال سے انس گرہونا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے مسرت وشادمانی کا باعث بنے۔

فائدہ:۔

جب حضرت اسمٰعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو عمالقہ کے لوگوں نے آپ کے تقویٰ و طہارت کو دیکھ کر اپنے خاندان میں آپ کی شادی کر دی۔ حضرت ہاجرہ کا وصال ہوا اور مدت بعد، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے اپنے والد محترم کے حکم کے مطابق، اپنی بیوی کو طلاق دے دی۔ کچھ عرصہ بعد یمن میں قحط پڑ گیا۔ قطورا اور جرہم دونو بھائی بھائی ہیں نسب یہ ہے جرہم وقطورا بن قحطان بن عامر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح علیہ السلام، چونکہ قبیلہ قطورا بھی یمن قحط زدہ چھوڑ کر، مکہ شریف، زمزم شریف کے قریب اردگرد سکونت کر گئے۔ اشجار اور تروتازگی پانی وغیرہ نے ان کے دل موہ لئے۔ قبیلہ جرہم کا پیشوا کا نام "مضاض بن عمرو" اور قبیلہ قطورا کا پیشوا کا نام "سمیدع" بیان کیا جاتا ہے۔ جب دونو قبائل مل جل کر رہنے لگے تو عمالقہ کو ان پر حسد آنے لگا۔ جھگڑا شروع ہوا جنگ چھڑ گئی۔ آخر کار جرہم اور قطورا، ان عمالقہ پر غالب آئے اور انہیں مکہ سے باہر نکال دیا۔ جناب مضاض کی دختر نیک اختر سے اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی ہوگئی۔ بولی عربی تھی۔ اور ادھر حضرت اسمٰعیل علیہ السلام حسن وجمال اور شباب وشجاعت میں اپنی مثال آپ تھے۔ البتہ اس خاتون کے نام میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اول:۔ سیدہ بنت مضاض

قول دوم:۔ رعلہ بنت مضاض

قول سوم:۔ حداءة بنت حارث بن مضاض، واللہ اعلم بالصواب

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دوسری نئی نویلی بہو کی طبیعت میں نیکی اور شستگی دیکھی تو اللہ رب العالمین کے حضور ان کے لئے دعا مانگی تھی۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی جب عمر تیس سال ہو گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مکمل عمر ایک سو سال ہو گئی تو دونو باپ بیٹے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے بیت اللہ شریف کو بنایا۔ بیت اللہ کی تعمیر کا واقعہ طویل ہے بوجہ اختصار یہ بحث ذکر نہیں کی جاتی ہے۔ جب خانہ کعبہ تیار ہو گیا تو ہر سال، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور سیدہ سارہ اور ان کا بیٹا اسحاق اور آپ کی اولاد امجاد اور انبیاء علیہم السلام خانہ کعبہ کا حج پڑھنے آیا کرتے تھے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد امجاد میں بارہ لڑکے اور ایک لڑکی ہے نابت۔ قیذار۔ اوائل۔ منشی۔ مشمع۔ ناش۔ دما۔ آذر۔ طیما۔ نطور۔ نیش۔ قیذما یہ بارہ لڑکے ایک ہی ماں کی اولاد ہیں۔

جبکہ علامہ ابوالقاسم عبدالرحمٰن السہیلی بھی روض الانف میں صراحت فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے۔ اور آپ کی بچی کا نام "نسمہ بنت اسمٰعیل ہے" اور اپنی بچی کی شادی اپنے بھتیجے عیصور بن اسحاق سے کر دی۔ روم وفارس اسی عیصور بن اسحاق کی اولادیں ہیں۔

سیرت شامی میں ذکر ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے مکہ شریف میں وفات پائی اور انہیں اپنی والدہ ہاجرہ کے ساتھ حجر اسود کے قریب، خانہ کعبہ کے دروازہ کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

عمر مبارک میں اختلاف ملتا ہے ایک سو تیس (۱۳۳) سال اور زیادہ صحیح روایت میں ایک سو سینتیس (۱۳۷) سال ہے۔ نوے سال والد صاحب کے بعد سے آپ کی مدت دعوت اسلامی سینتالیس سال اور بعض کے نزدیک پچاس سال بتائی جاتی ہے۔ کنیت ابوالعرب لقب اعراق البشر ہے معجزات حدو شمار سے باہر ہیں۔

ایک مرتبہ ایک جماعت مہمان تھی گھر میں کچھ نہ پایا ایک پیالہ میں زمزم بھر کر رکھتے ہی دعا کیلئے ہاتھ اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے لاج رکھ لی انواع واقسام کے مختلف طعام و شراب کو موجود پایا تمام مہمانوں نے کھانا تناول فرمایا۔

ابن ابراہیم علیہ السلام۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام رسول تھے اور یہ "ابراہیم" عجمی نام ہے کسی لفظ سے اس کا اشتقاق ثابت نہیں۔ آپ کی کنیت "ابو الضیوف" ہے کیونکہ مہمانوں کے بغیر کھانا نہ کھاتے تھے۔ اور بعض لوگوں کا خیال ہے کہ آپ کی کنیت "ابو الانبیاء" ہے۔ آپ کے بعد آنیوالے انبیاء علیہم السلام آپ کی اولاد میں سے ہیں۔ لقب خلیل اللہ اور خلیل الرحمٰن ہے۔

پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد، جمیع انبیاء و مرسلین میں افضل ترین نبی، سیدنا خلیل اللہ شمار ہوتے ہیں۔ چنانچہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، کی روایت ہے نبی پاک نے ارشاد فرمایا۔

خِیَارُ الْاَنْبِیَاءِ، آدَمُ وَنُوحٌ وَاِبْرَاهِیْمُ وَمُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمُحَمَّدٌ وَخَیْرُهُمْ مُحَمَّدٌ ثُمَّ اِبْرَاهِیْمُ اَوْکَمَا قَالَ۔ سب سے بہترین نبی، حضرت آدم، نوح، ابراہیم، موسیٰ عیسیٰ اور سیدنا محمد ہیں۔ اور ان میں سب سے بہتر و برتر صاحب فضیلت نبی، سیدنا محمد ہیں صلی اللہ علیہ وسلم پھر آپ کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے پیدائش میں اختلاف موجود ہے۔ بعض علماء کرام کا کہنا ہے کہ دمشق کے مضافات میں ایک "برزہ" نامی بستی میں ہوئی جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ مملکت عراق کے صوبہ بابل میں "کوثہ" کے مقام پر آپ کا تولد ہوا ہے۔ حافظ ابو القاسم سہیل اور ابن عساکر اسیطرح کہتے ہیں۔

منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش کے وقت، آپ کے والد محترم کی عمر مبارک، ستائیس سال تھی ایک روایت میں آتا ہے جب وضع حمل کا وقت ہوا آپ کی والدہ ماجدہ کسی ایک بڑی نہر کے کنارے جا پہنچی جس کا پانی خشک ہو چکا تھا آپ پیدا ہوئے تو والدہ صاحبہ نے کپڑے میں لپیٹ کر آپ کو وہاں ندی کے کنارے چھوڑ دیا اور اکیلے گھر تشریف لائیں اپنے خاوند کو حالات بتلائے تو آپ کے والد وہاں گئے زیر زمین آپ کے لئے ایک مکان تعمیر کیا گیا اور درندوں کے خوف سے اس کے سوراخ پتھروں سے اچھی طرح بند کر دیئے گئے اور واپس آ گئے۔ بعدہٗ آپ کی

والدہ وقتاً فوقتاً آپ کی خیریت دریافت کرنے جاتی تھیں، دودھ پلاتی تھیں یہاں تک کہ حضرت علیہ السلام جوان ہو گئے۔

سیدنا آدم علیہ السلام کے دو ہزار سال بعد آپ کی پیدائش ہوئی۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان دس قرن پائے جاتے ہیں۔

حضرت ابن حجر عسقلانی کی تحقیق میں ایک قرن تقریباً ایک سو سال کے برابر ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام "نویا" اور بروایت ثانی "لیوثا" ہے علی اختلاف الاقوال، والدہ صاحبہ کے ایمان دار ہونے کی تصریح علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں اور حضرت ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی قول کو ترجیح دیتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام پہلے وہ شخص ہیں جن کا ختنہ ہوا ہے اور یہی سنتِ ابراہیمی تا قیامت عالم اسلام میں چلتی رہے گی۔

صحیح بخاری میں بروایت ابوہریرہؓ، اسی سال کی عمر میں آپ کا ختنہ تیشہ سے کیا گیا اور کچھ لوگ ایک سو بیس سال کی عمر بتلاتے ہیں۔ ختنہ کے بعد، اسی سال زندہ رہے اسی طرح کل عمر دو سو سال ہوتی ہے۔ بظاہر یہ حدیث، پہلی حدیث کے مخالف ہے۔ مطابقت پیدا کرنے کی یوں کوشش کی گئی کہ پہلی حدیث میں ظہور نبوت سے حساب کیا گیا اور دوسری حدیث میں ابتدا ولادت سے عمر کی گنتی کی گئی۔ لہٰذا دونو روایات اور دونو عمریں صحیح ہیں۔

---

اولیات :۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولیات درج ذیل ہیں :

مونچھیں پست بنائی گئیں۔ ناخن کاٹ دیتے۔ آپ نے موئے زیرِ ناف کو صاف کر دیا۔ شلوار پہنی۔ منبر پر خطبہ دینا شروع کیا۔ ثرید آپ کی تخلیق ہے۔ بوقت ملاقات بغل گیر ہوتے۔ تیر و کمان اور شکار کرنا آپ سے شروع ہوتا ہے۔

آپ کی ابتدائی زبان سریانی تھی اور آخیر عمر میں عبرانی زبان میں کلام فرمانے لگے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام زراعت پیشہ کسان تھے۔ بستیاں، قصبے اور شہر بسانا آپ کا محبوب مشغلہ رہا ہے۔ آپ کے اور آپ کی اولاد کے عہد مبارک میں بڑے بڑے شہر بسائے گئے۔

حُلیہ مُبارک یہ ہے۔ رنگ سُرخ و سفید۔ قد مُبارک موزوں و مناسب اور دونو آنکھیں سیاہ زردی مائل تھیں۔ سینہ چوڑا اور جسیم تھے۔ علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

آپ کی اولادیں تیرہ ہیں۔ اسماعیل بن ہاجرہ۔ اسحاق بن سارہ۔ مدین۔ مدان۔ زمران۔ مشوح۔ نقشان۔ نشق یہ چھ برادر ایک ہی والدہ ماجدہ سے تھے جس کا نام "قنطورا بنت یقطا" تھا۔ اور باقی پانچ بچے دوسری بیوی "حجون بنت آہین" سے ہیں۔ ان کے نام یہ ہیں اور وُہ پانچ ہیں کیسان۔ سورح۔ امیم۔ بعطان۔ ناقص۔ علامہ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ان کی صلبی اولاد میں صرف دو لڑکے نبی تھے۔ ایک حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اور دوسرے اسحاق علیہ السلام۔ آپ کی تاریخ وصال نو محرم ہے اور جمعرات کا دِن بتلایا جاتا ہے۔ آپ کو ارض مقدسہ میں، مزرع معروف کے اندر دفن کر دیا گیا۔ (شامی اور حلبی)

مدت عمر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اول:۔ ایک سو پچاسی سال اور علامہ قتبی رحمۃ اللہ علیہ نے معارف میں فرمایا کہ آپ کی مُدت عمر دو سو سال ہے۔

قول دوم:۔ علامہ مسعودی رحمۃ اللہ علیہ ایک سو پچانوے سال کی تصریح و توضیح فرماتے ہیں جبکہ تمام روایات مختلفہ میں سب سے زیادہ راجح اور صحیح روایت، مسعودی کی ہے۔

ابن تارح:۔ تائے فوقانیہ اور آخر میں حائے مہمل ہے۔ بعض لوگ خائے معجمہ پڑھا کرتے ہیں۔ اہل علم کا کہنا ہے کہ آذر، تارح کا نام ہے اور دلیل میں آیت قرآن پیش کیا جاتا ہے۔ وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِيْمُ لِاَبِيْهِ آزَرَ (پارہ ۷ رکوع ۹)

اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آذر اور تارح دونوں حضرت ابراہیم کے والد کے نام ہیں نیز یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام "تارخ" تھا جب نمرود نے آپ کو وزیر خزانہ بنا دیا تو آپ نے اپنا نام آذر رکھ لیا۔

مگر اکثر اہل ثقہ اور معتبر اہل علم مثلاً صاحب قاموس مجدالدین بغدادی اور حافظ سیوطی کا مسلک کچھ یُوں ہے کہ والد کا نام تارح ہے اور "آذر" آپ کے چچا ہیں اور یہ سب لوگ آیت مذکورہ "لابیہ آذر" کا جواب دُوسری آیت کو مؤید قرار دے کر یُوں دیتے ہیں کہ عرب

میں پرورش کرنیوالا چچا بھی "اب" کہلاتا ہے۔ کَمَا قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ۔

قَالُوا نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَاِلٰہَ اٰبَآءِکَ اِبْرَاھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحَاقَ (پارہ ۱ رکوع ۱۵)

ترجمہ:۔ اولاد یعقوب کہنے لگے ہم عبادت کریں گے تیرے رب اور تیرے باپ دادا کے رب کی ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحٰق کے رب کی۔

اس آیت میں اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی آباء میں شامل کیا گیا ہے جبکہ آپ یعقوب علیہ السلام کے چچا ہیں باپ نہیں ہیں۔ آپ کو باپ کہنے کی وجہ ظاہر ہے کہ چچا بھی باپ ہوتا ہے۔

علامہ سیوطی اور صاحب قاموس کا قول زیادہ صحیح اور معتبر ہے۔ کیونکہ آذر کو ابراہیم علیہ السلام کا باپ قرار دینے میں آیاتِ الٰہیہ۔ احادیث نبویہ اور اجماع امت سے تعارض ہو کر مشکلات پیدا ہوتی ہیں تفصیل وار عرض سن لیجئے

۱۔ آیت پاک ہے اَلَّذِیْ یَرٰکَ حِیْنَ تَقُوْمُ وَتَقَلُّبَکَ فِی السّٰجِدِیْنَ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۵) وہ اللہ تعالیٰ جو تمہیں دیکھ رہا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہارے پھرنے پر نگاہ رکھتا ہے۔

سید المفسرین علامہ فخر الدین رازی تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، ایک سجدہ گزار سے، دوسرے سجدہ گزار کی طرف منتقل ہوتا رہا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آبائے رسول میں سے آذر کو خارج سمجھا جائے کیونکہ وہ بت پرست تھا سجدہ گزار نہ تھا

۲۔ حدیث مبارک ابو نعیم کی روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے۔

لَمْ اَزَلْ اُنْقَلُ مِنْ اَصْلَابِ الطَّاھِرِیْنَ اِلٰی اَرْحَامِ الطَّاھِرَاتِ (مواہب اللدنیہ جلد اول)

میں ہمیشہ طیب وطاہر پیٹھ سے طیب وطاہر رحم کی طرف منتقل ہوتا رہا ہوں۔

بُعِثْتُ مِنْ خَیْرِ قُرُوْنِ بَنِیْ اٰدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰی بُعِثْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِیْ کُنْتُ فِیْہِ رواہ البخاری۔ رسول پاک فرماتے ہیں مجھے بنی نوع آدم کے اچھے سے اچھے دور میں

بھیجا جاتا رہا، یہاں تک کہ موجودہ اِس دَور میں بھی بھیجا گیا ہوں۔

درجِ بالا احادیثِ مُبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدالرسل صلی اللہ علیہ وسلم کا نور، ہمیشہ ساجدین سے ساجدین کی طرف، اصلابِ طاہرہ سے ارحامِ طیبّہ کی طرف اور خیرالقرون سے خیرالقرن کی طرف مُنتقل ہوتا آیا ہے، تو کیسے ہو سکتا ہے کہ آذر بُت پرست حضرت ابراہیم علیہ السلام کا والد قرار پائے جس نے دعوتِ ابراہیم کو نہ تو قبول کیا اور نہ آپ کی ملّت کی اطاعت کی۔

۳۔ اجماعِ امت خصوصاً ثقہ اور معتبر و معتمد عُلماء کرام کا اتفاق ہے کہ نبی پاک کے آباؤ اجداد سیدنا ابراہیم علیہ السلام سے لے کر سیدنا آدم علیہ السلام تک سبھی مومن و مسلمان ہیں۔

اور آیت 'لابیہ آذر' کا جواب، بعض لوگوں نے کہا کہ آذر بُت کا نام ہے جو کہ آیتِ مُبارکہ میں فعل مقدر کا مفعول ہے۔ تو آیت کی عبارت دراصل یُوں ہوتی ہے، 'واذ قال ابراھیم لابیہ دع آذر' ــــــ وہ بات یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ آذر بُت کو چھوڑ دیجئے۔ (سیرتِ شامی)

ابن ناحور :۔ نون کے بعد الف اور پھر حائے مہلہ پر پیش آیا ہے۔ علامہ ابنِ ہشام "تیجان" میں فرماتے ہیں کہ ناحور کی مدتِ عمر ایک سو سالہ سال ہے جب کہ ابنِ حبیب کا قول ہے کہ ایک سو اڑھتالیس سال عمر ہے۔ واللہ اعلم بالصواب

ابن شارُوخ :۔ شین معجمہ اور آخر میں خائے معجمہ ہے۔ رائے مہلہ پر پیش پڑھا جاتا ہے۔ آپ کی عمر دو سو سات بیان کی جاتی ہے۔

ابن راغو :۔ راکے بعد غین معجمہ پر پیش آتا ہے اور ایک قول میں الف اوّل میں آتا ہے، "ارغو" پڑھا جاتا ہے۔ عربی میں تقسیم کنندہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ علامہ محمد بن اسعد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ کا نام "میشاجا" ہے۔ اور ابنِ حبیب کے قول کے مطابق، آپ کی عمر مبارک دو سو نو سال ہے۔ اور کلبی کے بیٹے نے دو سو نوے سال عمر لکھی ہے۔

اللہ حقیقتِ حال بہتر جانتا ہے۔

ابن عیبر:۔ عین پر زبر، یائے تحتانیہ پر جزم، بائے موحدہ پر زبر اور آخر میں رائے مہملہ آیا ہے۔ اسے عابر بھی پڑھا جاتا ہے۔ علامہ صوانی فرماتے ہیں کہ عیبر کی والدہ کا نام "مرجانہ" ہے، جو کہ طیب و طاہرہ تون ہیں۔ سیدنا ھود علیہ السلام کا نام عیبر کہا جاتا ہے۔ سہیلی اور عسقلانی نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

جبکہ امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ سورہ اعراف میں تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ابن حجر عسقلانی کا قول صحیح اور راجح ہے۔ چنانچہ ہود علیہ السلام کا نسب یہ ہے۔

حضرت ہود بن عبد اللہ بن رباح بن جاوہ بن عاد بن عوص بن آرم بن سام بن نوح۔ حضرت عیبر کی مدت عمر بقول ابن کلبی چار سو تریسٹھ سال اور ابن حبیب کے قول کے مطابق ایک سو چونتیس سال بتائی جاتی ہے۔

ابن شالخ:۔ شین معجمہ اور آخر میں خائے معجمہ ہے۔ سہیلی فرماتے ہیں عربی زبان میں "شالخ" قاصد اور وکیل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور علامہ ابن ہشام نے آپ کی عمر مبارک تین سو سال لکھی ہے۔

ابن ارفخشد:۔ ہمزہ پر زبر اور رائے مہملہ پر جزم فائے کے بعد خائے معجمہ بعدہٗ شین مہملہ پر زبر اور دال پر جزم ہے۔ روشن چراغ کے معنی میں مستعمل ہے۔ آپ کی والدہ کا نام "ازبات" بتایا جاتا ہے۔ ارفخشد پہلے شخص ہیں جس نے علم نجوم، تنور نوح میں لکھی ہوئی تحریر سے سیکھ لیا تھا۔ اور وہ تنور، طوفان نوح سے کہیں پہلے کا تھا۔ اور یہ علم نجوم آپ نے اپنی تینوں اولاد کو بھی سیکھلا دیا جن کے نام یہ ہیں۔ عیبرہ ملک اور قفیان۔ ابن ہشام کے بقول آپ کی مدت عمر چار سو تین سال اور ابن حبیب کے بقول چار سو ساٹھ سال ہے۔

ابن سام:۔ سین مہملہ کے بعد الف اور آخر میں میم مخفف آیا ہے۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہلے بیٹے ہیں اور اٹھانوے سال قبل، طوفان میں پیدا ہوئے ہیں۔ اور اپنے باپ کی طرف سے اہل زمین کے والی اور وصی ہیں۔

سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کی روایت، امام احمد اور جامع ترمذی میں موجود ہے کہ

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نوح علیہ السلام کے تین بیٹے ہیں۔ سام۔ حام اور یافث۔ سام ابوالعرب حام ابوالحبشہ اور یافث ابوالترک ہیں۔

منقول ہے کہ حواریین حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی خدمت حاضر ہوئے۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام حواریین کو ساتھ ملا کر سام کی قبر کو چل دیئے اور قم باذن اللہ فرمایا آپ قبر سے زندہ باہر تشریف لائے۔ سوال جواب ہوتے رہے کلام اور گفتگو ختم ہونے کو تھی کہ پوچھ لیا گیا تیری زندگی کتنی گزری جواب دیا چار ہزار سال۔ پوچھا گیا یہ بتلایئے حیات دنیوی کیسے گزری جواب دیا حیات دنیوی ایک کمرہ کی طرح محسوس ہوئی اور یوں اندازہ ہوا کہ ایک دروازہ سے داخل ہو کر دوسرے دروازہ سے باہر نکل آیا ہوں۔

فقیہہ ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ، بستان العارفین میں، ابن سعد طبقات میں اور زبیر بن بکار، توقیفات میں فرماتے ہیں کہ حضرت سام علیہ السلام پیغمبر ہیں۔ مگر شیخ برہان الدین دمشقی اپنی کتاب "المواد" میں لکھتے ہیں۔ سام پیغمبر نہ تھے اور لکھ دیا کہ ابواللیث کا قول غلط ہے۔ یاد رہے کہ "کتاب المواد" کا دوسرا نام "کنز الراغبین" ہے۔

جناب حضرت سام مومن مسلمان تھے۔ رسائل سیوطی و فتح القوی میں لکھا ہے کہ آپ کی قبر دمشق کے نواحی علاقے میں "نوی" کے مقام پر موجود ہے۔ اور اب اس بستی کا نام "بلد ایوب" رکھ دیا گیا ہے۔ (علامہ یاقوت)

ابن نوح علیہ السلام :- اللہ تعالیٰ کے نبی مرسل ہیں۔ نوح عجمی اسم ہے اور تین حرف ہونے کے ناطے ساکن الاوسط ہے۔ منصرف پڑھا جاتا ہے۔ البتہ بعض علما نحو کے نزدیک منصرف و غیر منصرف دونوں طرح استعمال ہوتا آیا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں نوح عربی لفظ ہے اور یہ آپ کا لقب ہے۔ آپ کی قوم طوفان میں توبہ نہ کر سکنے کی وجہ کر کے غرق ہوئی۔ ساری عمر حضرت علیہ السلام اس صدمہ سے روتے رہے۔ بدیں سبب آپ کا لقب "نوح" پڑ گیا جبکہ آپ کا اصلی نام عبدالغفار بتلایا جاتا ہے اور نوح علیہ السلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

طوفان نوح کے بعد، آدم علیہ السلام کی اولاد میں حضرت نوح علیہ السلام اور تھوڑے سے چند آدمی وہی بچ رہے جو کشتی نوح میں سوار ہو گئے۔ حضرت انسان کی بھرمار طوفان نوح کے

بعد ہوئی۔ لہٰذا نوح علیہ السلام آدم ثانی قرار پاتے ہیں۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمُ الْبَاقِينَ۔ ہم نے ان کی اولاد کو باقی رکھا۔

روضۃ الصفا میں آیا ہے۔ بقول ابن عباس رضی اللہ عنہ، کشتی نوح میں سوار اسّی مرد و زن تھے۔ اور یہی قول صحیح ہے۔ جب کشتی ہچکولے کھاتے جبل جودی سے جا ٹکرائی تو اس میں سے صرف اسّی آدمی زندہ بچ نکلے۔ طوفان ختم ہوا۔

ان لوگوں کے جائے نزول کا نام "سوق الثمانین" مشہور ہو گیا اور جب وہ بستی آباد ہونے لگی وبا بیماری آئی سبھی لوگ دار البقا کو چل دیئے صرف سات انسان بچ رہے اور بس حضرت نوح علیہ السلام تینوں بھائی۔ سام حام اور یافث اور ان تینوں بھائیوں کی بیگمات یہ مجموعی تعداد سات ہے۔ علامہ سیوطی اور ابن عساکر نے درج بالا قول کو معتبر اور صحیح قرار دیا ہے۔ (تفسیر درمنثور)

امام ثعلبی رحمۃ اللہ علیہ عرائس البیان میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو قابیل کی اولاد کیطرف مبعوث فرمایا۔

حضرت ابن عباس کے قول کے مطابق بنی آدم دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک گروہ زمین پر بسنے لگے اور دوسرا گروہ پہاڑوں غاروں میں رہائش پذیر ہوئے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کرشمے دیکھئے کہ پہاڑی لوگوں میں جوان خوبصورت تھے اور عورتیں نہایت بدشکل اور زمین پر بسنے والے مرد بدشکل مگر عورتیں حسن و جمال میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اسی سبب سے قابیل کی اولاد میں فحش و بدکاری کثرت سے پیدا ہونے لگی قتل و غارت کا چرچا عام ہوا۔ فساد پھیلا۔ اندریں حالت اللہ رب العالمین نے نوح علیہ السلام کو اولاد قابیل کی طرف نبوت دے کر مبعوث کیا۔ آپ ان میں پنجاہ سال اور بروائیت دیگر تین سو پنجاہ سال کی عمر میں نبی بن کر آئے اور ساڑھے نو سو سال دعوتِ اسلامی کی تبلیغ کرتے گزار دیئے۔ اللہ کا ارشاد ہے۔

لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوحًا إِلَىٰ قَوْمِهِ فَلَبِثَ فِيهِمْ أَلْفَ سَنَةٍ إِلَّا خَمْسِينَ عَامًا

(پارہ ۲۰ رکوع ۱۳)

بیشک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو وہ ان میں پچاس کم ہزار سال مقیم رہا اس تمام مدت میں قوم کو توحید و ایمان کی دعوت جاری رکھی، اور ان کی ایذاؤں کو برداشت کیا اس پر بھی وہ قوم باز نہ آئی اور تکذیب کرتی رہی جب آپ کی طرف سے دعوتِ توحید و ایمان اور ان کی طرف سے ایذا رسانی نے طول کھینچا تو آپ نے اپنی گمراہ قوم کی ہدایت کے لئے دعا کی رب العالمین نے جواب دیا۔

اِنَّہٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِکَ اِلَّا مَنْ آمَنَ

واقعہ یہ ہے کہ آپ کی قوم میں سے کوئی شخص ہرگز ایمان نہیں لائے گا۔ ماسوا ان کے جو ایمان لا چکے۔ جب نوح علیہ السلام کو علم ہوا کہ جو لوگ قوم میں ایمان لا چکے ہیں اب ان کے سوا اور کوئی ایمان لانے والا نہیں۔ تب آپ نے ان کے بارے دعائے ضرر کی اور فرمایا۔

رَبِّ لَا تَذَرْ عَلَی الْاَرْضِ مِنَ الْکَافِرِیْنَ دَیَّارًا (پارہ ۲۹، نوح رکوع ۹)

نوح علیہ السلام نے کہا اے پروردگار روئے زمین پر کافروں میں سے کوئی بسنے والا نہ چھوڑ۔ تب رب العباد نے انہیں کشتی تیار کرنے کا حکم دیا۔ حسب الارشاد حضرت نوح علیہ السلام نے ساگوان کے درخت کاشت کئے۔ چالیس سال تک۔ درخت جوان ہوئے انہیں کاٹ کر تختے تیار کئے گئے اور خشک ہونے پر کشتی تیار ہوئی۔ کشتی کا طول و عرض کچھ اس طرح ہے۔

طول اسی ہاتھ، عرض پچاس ہاتھ اور بلندی عمق تیس ہاتھ تھی۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ، نے فرمایا بری اور بحری جانوروں میں سے جوڑے جوڑے کشتی پر سوار ہوتے گئے۔ سب سے پہلا سوار طوطی اور آخری سوار گدھا کشتی پر سوار ہوا اور ساتھ ساتھ اہل اسلام بھی کشتی پر سوار ہو گئے۔

اہلِ اسلام سواروں کی تعداد میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔

قول اول:۔ سات آدمی تھے۔ حضرت نوح اور ان کے تین بیٹے اور تین بہو کل اہلِ اسلام سات انسان کشتی پر سوار ہوئے اور بس۔

قول دوم:۔ آٹھ انسان سوار تھے۔

قول سوم :۔ دس انسان سوار تھے۔

قول چہارم :۔ بہتر آدمی کشتی پر سوار ہو گئے۔

قول پنجم :۔ اسّی آدمی مرد و زن میں سے تھے جو کشتی پر سوار ہو گئے۔

حضرت نوح علیہ السلام نے تمام انبیاء علیہم السلام کی نسبت بڑی عمر پائی۔ کہا جاتا ہے کہ آپ کی مدت عمر ایک ہزار تین سو پچاس سال ہے۔ پس آپ پچاس سال کم ایک ہزار سال توحید و ایمان کی دعوت دیتے رہے۔

روضتہ الصفا میں مذکور ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام بوقت بعثت، پچاس سال کے تھے۔ نو سو پچاس سال اپنی قوم کو ہدائیت دینے میں مشغول رہے۔ طوفان کے بعد، کچھ اور حصّہ عمر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھبیس سال بعد، جناب نوح علیہ السلام کی پیدائش ہوئی۔ مشہور قول کے مطابق آپ پہلے درجہ میں اولوالعزم رسول ہیں جبکہ کچھ لوگ، آپ کو دوسرے درجہ میں اولوالعزم رسول تسلیم کرتے ہیں۔

اولوالعزم سے مراد یہ ہے کہ ایسا نبی، جس کی شریعت دوسری سابقہ شریعت کے لئے ناسخ ہو چونکہ نوح علیہ السلام کی بعثت ہوتے ہی صحائف آدم پر یکسر قلم نسخ پھیر دی گئی۔

منقول ہے۔ کہ حضرت نوح علیہ السلام غایت درجہ کے عبادت گزار تھے۔ اور رات دن میں سات سو رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے۔ آپ کا پیشہ "درود گری" تھا۔

حلیہ مبارک :۔ رنگ گندمی، انتہائی جسیم۔ پنڈلیاں اور کہنیاں باریک تھیں بڑی بڑی آنکھیں۔ دراز قامت اور نہائیت غصّہ آور تھے۔

آپ کی اولاد میں صرف تین بیٹے ہیں سام حام اور یافث جبکہ یہ روائیت صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ ان تین بیٹوں کے علاوہ بھی ایک بیٹا اور تھا کنعان بن نوح جو کفر پر مصر رہا اور طوفان کی بھینٹ چڑھ گیا۔ باقی سب مخلوق حضرت سام حام اور یافث کی اولاد ہے۔

روضتہ الصفا میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یافث کو گیارہ بیٹے دیئے۔ نام یہ ہیں چین۔ سقلاب۔ شیخ، کماری۔ ترک۔ خلج۔ مترد۔ روس۔ سدسان اور تارخ یہ کل نام گیارہ ہیں۔

اور حقتعالیٰ نے حام کو نو بیٹے دیئے جن کے نام ذیل میں درج ہیں۔
"ہند۔ سندھ۔ زنج۔ نوبت۔ کنعان۔ کوش۔ قبط۔ لس اور حبش" اور سام کے ملت بیٹے کرامت ہوئے۔ ارفخشد جو کہ ابوالانبیا ہیں۔ دوسرے کیومرث اور یہ ابوالسلاطین ہیں۔ تیسرے ارم چوتھے اسود پانچویں معن، چھٹے بورخ اور ساتویں لاد ہیں۔ بعض روایات قدرے مختلف ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد تمام اولاد نے آپ کو بیت المقدس میں دفن کیا۔

منقول ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے بوقت وصال دو چیزوں کی وصیت فرمائی۔ ایک "لا الٰہ الا اللہ" کا ذکر بکثرت کیا جائے اس لئے کہ دو جہاں ایک پلڑا میں اور کلمہ طیب دوسرے پلڑا میں رکھ کر وزن کیا جائے تو کلمہ طیب بھاری رہے گا۔

دوسرے سُبحان اللہ وبحمدہٖ کا ذکر بھی کثرت سے کیا جائے کیونکہ اسی کلمہ تسبیح کے باعث مخلوق کے رزق میں وسعت ہوا کرتی ہے۔ اور اسی کلمہ تسبیح کے سبب خلق خدا پر رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

اور دو چیزوں سے سخت منع فرمایا" ایک شرک اور دوسرے تکبر"

ابن لامک :۔ پہلے لام پھر الف اور اس کے بعد میم پر زبر اور زیر دونوں یکساں روا ہیں اور بعض لوگ اسے الف کے بغیر" لمک" پڑھا کرتے ہیں مگر" تیجان" میں علامہ ابن ہشام نے" لامخ" لکھا ہے یعنی آخر میں خائے معجمہ ہے دراصل لامخ یا لمخ سریانی زبان میں لامک یا لمک پڑھا جاتا ہے۔ متواضع کے معنی دیتا ہے۔ حافظ سہیلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ پہلے شخص ہیں جس نے پانی کے حوض تخلیق فرمائے اور عود و سرود کو اپنایا۔

بقول ابن ہشام آپ کی عمر مبارک نو سو ستر سال ۹۷۰ تھی (فتح القوی)

ابن متوشلخ :۔ میم پر پیش، تائے فوقانیہ پر شد پیش اور شین پر زبر، لام پر جزم اور آخر میں خائے معجمہ ضبط کیا گیا ہے۔ آپ کی والدہ کا نام بہرو خا (بائے موحدہ واؤ اور خائے معجمہ) تھا۔ آپ کے سب بھائی آپ سے بچھڑ گئے مدت عمر نو سو ساٹھ سال بتلائی جاتی ہے

ابن خنوخ :۔ اول میں خائے معجمہ پر زبر، نون پر پیش واؤ پر جزم اور آخر میں بھی خائے معجمہ

آتا ہے ۔ اوّل میں ہمزہ زیادہ کرکے اخنوخ اور مخفف کرکے اخنخ بھی پڑھا جاتا ہے ۔ صاحب مطلع کی تحقیق میں خنوخ حضرت ادریس علیہ السلام کا نام مبارک ہے اور یس عجمی لفظ ہے جو بوجہ علم اور عجمہ غیر منصرف ہے اور کچھ لوگ اسے عربی لفظ قرار دے کر درس سے مشتق بتلاتے ہیں آپ روز و شب کتب خداوندی کا درس دیا کرتے تھے۔ آدم علیہ السلام کے اکیاون صحائف، شیث علیہ السلام کے بیس صحائف اور خود اپنے تیس صحائف کے حافظ بھی تھے ۔ آپ پہلے شخص ہیں جس نے خط ایجاد فرمایا۔ جس نے درزی گری شروع کی ۔ جس نے کپڑوں کو پہننا شروع کیا۔ ورنہ آپ سے پہلے کے لوگ پوستین پہنا کرتے تھے ۔ آپ نے علم ہئیت۔ علم نجوم اور علم حساب ایجاد کیا۔

آپ نہائت عابد و زاہد تھے چنانچہ فرشتوں نے آپ کی صحبت میں رہنے کی درخواست کی جو قبول ہوئی ۔ اپنی قوم کے ایک ہزار آدمیوں کو توحید و دینِ اسلام کی دعوت دی جنہوں نے قبول کر لی اور اس کے بعد آپ کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔ علامہ ابن قتیبہ کے بقول رفع آسمان کے وقت آپ کی مدت عمر تین سو پانچ سال بتلائی جاتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ آسمان پر اُٹھائے گئے اور اب تک زندہ ہیں ۔ موت کا ذائقہ صرف ایک دفعہ چکھ سکیں گے اور بس ۔ جبکہ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ آپ ساتویں آسمان پر مقیم ہیں اور بعض کے نزدیک بہشت میں ہیں ۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ۔ وَرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا (پارہ رکوع) آپ کو عالی مکان تک رفع کا قصہ تفاسیر میں موجود ہے وہاں دیکھ لیا جائے ۔ بوجہ اختصار یہاں یہ واقعہ ذکر نہیں کیا جاتا ۔

روضۃ الصفاء میں روائت ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وصال کے وقت سے دو سو سال بعد حضرت ادریس علیہ السلام کو مبعوث کیا گیا اور ان پر تیس صحیفے نازل ہوئے جو کہ اسرار سماوی، تسخیر روحانی اور عجیب و غریب علوم پر مشتمل تھے اپنی قوم کو ڈیڑھ سو سال توحید و ایمان کی دعوت دیتے رہے اور ایک روائت میں ایک سو بیس سال کا ذکر ملتا ہے ۔ بعدہٗ آسمان پر بلا لئے گئے ۔ آپ کی شریعت، شریعت آدم کے موافق تھی ۔ توحید و عدل پر قول و عمل کا ذکر تھا ۔ نماز روزہ بایام مخصوصہ مال کی زکوٰۃ اور جنابت وحیض و نفاس کا غسل آپ کی

شریعت کے اہم ترین رکن ہیں۔ خنزیر گدھا اور کتا حرام تھا۔ اور دماغ وعقل کو نقصان پہنچانے والی چیزیں مسکرات مخدرات بھی حرام تھیں۔

ابن یَرَد:۔ یائے تحتانیہ پر زبر رائے مہملہ پر جزم اور آخر میں دال ہے ابن ہشام میں "یارد" اور انجیل میں "یَرَد" لکھا ہے جس کے معنی ضبط کے ہیں چونکہ آنجناب نے اپنے والد کے دین کو اچھی طرح مضبوط کر رکھا تھا اس سے آپ کا نام "یرد" رہا۔ مدت عمر آٹھ سو باسٹھ سال بیان فرمائی گئی ہے ——— واللہ اعلم بالصواب

ابن مہلائیل:۔ میم پر زبر ہا، پر جزم اور آخر میں لام ہے۔ ابن ہشام میں مھلیل" لکھا ہے۔ شیخ سہیلی رحمتہ اللہ علیہ نے اس کا ترجمہ ممدوح کیا ہے کیونکہ لوگوں میں آپ کی بیحد مدح وثنا ہوتی رہی۔ علامہ ابن ہشام "تیجان" میں فرماتے ہیں کہ انجیل میں آیا ہے۔ سریانی زبان میں آپ کا نام مھلائل ہے جس کا عربی میں ترجمہ ہے "اللہ رب العالمین کی تسبیح کرنیوالا" آپ کی عمر مبارک ایک سو بیس سال ہے۔

ابن قینن:۔ قاف پر زبر یائے تحتانیہ پر جزم بعدہ دو نون ہیں اور قَیْنَن بروزن جعفر آتا ہے۔ الف کی زیادتی کے ساتھ قینان بھی پڑھا جاتا ہے۔ علامہ ابن ہشام کے نزدیک یہ عبرانی لفظ ہے۔ اور "برابر" کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جبکہ انجیل شریف میں آپ کا نام "قانیان" لکھا ہے۔ مدت عمر ایک سو بیس سال بتلائی جاتی ہے۔ حافظ برہان الدین حلبی فرماتے ہیں یہی قینن ہیں جنہوں نے شہر انطاکیہ کی بنیاد رکھ دی تھی۔ یہ اپنے والد کے وصی تھے۔

ابن یانش:۔ یائے تحتانیہ کے بعد الف پھر نون اور آخر میں شین ضبط کیا گیا ہے۔ بعض لوگ "انوش" پڑھتے ہیں یہ سریانی نام "صدوق" کے معنی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طاعت واطاعت میں نو سو پنجاہ سال گزار دیئے۔

ابن شیث علیہ السلام:۔ شین کے نیچے زیر یائے تحتانیہ پر جزم پھر آخر میں ثائے معجمہ آتی ہے۔ بمعنی "ہبتہ اللہ" یعنی اللہ بخش عربی کا ترجمہ بتلاتا ہے۔ علامہ ابن ہشام فرماتے ہیں اولاد آدم علیہ السلام میں سیدنا شیث علیہ السلام احسن واجمل تھے آپ کے والد نے آپ کو وصی اور ولی عہد بنایا تھا۔

روضتہ الصفا میں ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا تو آدم علیہ السلام اپنے بیٹے کی جدائی میں بہت اُداس و غمگین رہنے لگے۔ جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا عنقریب تمہیں ایک صاحب رشد بیٹا عنایت ہوگا جو آپ کی اولاد کا سردار ہوگا۔ قتل ہابیل کے پانچ سال بعد حضرت شیث علیہ السلام تن تنہا پیدا ہوئے، حسن و جمال، صورت و سیرت کثرت فضائل و عموم نوافل کے ساتھ ظاہری اور باطنی طور پر سیدنا آدم علیہ السلام کے عین شبیہ تھے۔ تمام بہن بھائیوں میں ممتاز تھے سیدنا آدم علیہ السلام کی شریعت کے مطیع تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھی پچاس صحائف کرامت فرمائے بروایت دیگر، بیس صحائف نازل ہوئے آخر اوقات شام میں مقیم رہے۔ آپ کا تولد بھی اسی مبارک سرزمین میں بتلایا جاتا ہے آپ کی مبارک عمر نو سو بارہ سال (۹۱۲) بیان کی جاتی ہے (سیرت شامی) آپ ہی اپنے والد کے وصی تھے

ابن آدم :۔

ابوالبشر ہیں۔ لفظ آدم میں اختلاف ہے۔ سریانی لفظ بتلایا گیا ہے۔ اور اہل کتاب اسے الف پر مد اور دال پر زبر بروزن فاعَل پڑھتے ہیں۔ مگر اتباع کے ساتھ اور غیر منصرف ہے علم اور عجمہ دو سبب موجود ہیں۔

امام ثعلبی فرماتے ہیں آدم عبرانی لفظ ہے مٹی کے معنی دیتا ہے۔ جبکہ جوہری اور جوالیقی اور مشلح کے مصنف فرماتے ہیں کہ آدم عربی لفظ ہے۔ مادۂ اشتقاق میں اختلاف نہیں؛

بروایت اول :۔ بروزن اَفعَل اُدْمَتہ سے مشتق ہے جس کے معنی گندم گوں ہیں چونکہ آدم گندمی رنگ کے تھے۔ تو آدم نام مشہور ہوا۔

بروایت دوم :۔ آدم ۔ اُدم سے مشتق ہے معنی میں مخلوط کرنا ہے۔ سیدنا آدم علیہ السلام کو پانی اور مٹی سے مخلوط کیا گیا ہے۔ لہٰذا آدم نام مقرر ہوا۔

بروایت ثالث، آدم ۔ ادیم الارض سے ماخوذ ہے زمین کی سطح اور تمام روئے زمین کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی انسانوں کا پہلا باپ حضرت آدم علیہ السلام اور آپ کا لقب خلیفۃ اللہ ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً (پارہ اول رکوع ۴) میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں۔ خلیفہ احکام و اوامر کے اجرا و دیگر تصرفات

میں اصل کا نائب ہوتا ہے۔ یہاں خلیفہ سے مُراد حضرت آدم علیہ السّلام ہیں آپ زمین میں جنوں کے قائم مقام مقرر ہوئے۔ اور بقول دیگر فرشتوں کے قائم مقام بنائے گئے جو آدم علیہ السّلام سے پہلے زمین میں رہ رہے تھے۔ قاضی بیضاوی اور حافظ سیوطی وغیرہم اپنی اپنی تفاسیر میں حضرت آدم علیہ السلام کو (جنوں اور فرشتوں کا نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ کا خلیفہ قرار دیتے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے احکام و اوامر کے اجرا و دیگر تصرفات میں، آپ نائب خدا بن کر آئے۔

فیض: آدم علیہ السلام کا لقب ابوالبشر بھی قرآن مجید میں آیا ہے۔ انی خالق بَشَرًا مِّنْ طِيْنٍ بیشک میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنیوالا ہوں۔ یہاں سے بشر سے مراد آدم کریم ہیں اور کچھ لوگوں نے بڑے بڑے امور سے مباشرت فرمانے کیوجہ سے آپ کا لقب بشر قرار دیا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ بشر "بشر" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں خندہ پیشانی کشادہ رو رونقدار چہرہ والے تھے تو اس لقب سے مشہور ہوئے۔

فیض: سیدنا آدم علیہ السلام کو انسان فرمایا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ (پارہ ۲۹ رکوع )

بیشک انسان پر ایک وقت وہ گزرا کہیں اس کا نام نہ تھا آیت مذکور میں انسان سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں انسان یا تو "انس" سے مشتق ہے معنی محبت و پیار چونکہ انسان اپنی جنس سے پیار کرتا ہے جیسا کہ اس کے متعلق کہا جاتا ہے۔ اَلْاِنْسَانُ مَنِ اجْتَمَعَ فِيْهِ اُنْسَانِ اُنْسُهٗ مَعَ الْغَيْرِ وَاُنْسُ الْغَيْرِ مَعَهٗ۔ انسان وہ ہے جس میں دو قسم کی محبت و پیار موجود ہو۔ ایک اس کو دوسروں سے پیار ہو اور دوسرے یہ کہ دوسروں کو اس سے پیار ہو۔ انسان، انوس سے مشتق ہے تو معنی ہوتے ہیں بہت انس والا بڑا پیار کرنے والا اور اگر ایناس سے مشتق ہو تو "دیکھنا" کے معنی دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ کریم فرماتے ہیں۔

اِنِّيْٓ اٰنَسْتُ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا (پارہ رکوع ) میں جانب طور سے آگ دیکھتا ہوں۔ بریں حالات، حضرت آدم علیہ السلام ظاہری اور باطنی بصارت و بصیرت سے امور ظاہری و باطنی کو ٹھیک ٹھیک دیکھا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا لقب

"انسان" رکھدیا (سیرت شامی)

سیدنا آدم علیہ السلام جمعہ کے دن پیدا ہوئے (ابوہریرہ فی المسلم وابی داؤد)

علامہ محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ نے آدم علیہ السلام کا حلیہ مبارک بیان فرمایا ہے کہ آپ بے ریش تھے۔ بڑی بڑی آنکھیں۔ لمبی اور صراحی دار گردن۔ گھنگھریلے بال: رنگ گندمی۔ قد وقامت دراز حسن وجمال میں کمال رکھتے تھے۔ حضرت حوا علیہا السلام بھی صورت وسیرت میں حضرت آدم علیہ السلام سے کمال مشابہت رکھتی تھیں۔ حضرت آدم علیہ السلام کا قد مبارک سو گز بتلایا جاتا ہے۔ آپ کی اولاد میں پہلے شخص حضرت شیث ہیں جو داڑھی والے تھے۔

فائدہ:۔ حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو بیس دفع حمل ہوا اور ہر بار جڑواں بیٹے ہوئے ایک بیٹا اور ایک بیٹی پیدا ہوتی رہی سوائے شیث علیہ السلام کے جو کہ اکیلے پیدا ہوئے ہیں نقل ہے کہ آپ کی اولاد ذکور واناث میں بیس لڑکے اور انیس لڑکیاں ہیں اور یہی نقل زیادہ صحیح ہے۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد واحفاد مبارکہ دنیا جہان میں بہت پھلی پھولی اور آپ نے اپنی اولاد کی پھل پھول میں چالیس ہزار انسان اپنی آنکھوں سے دیکھے اور پھر وصال فرمایا: (ہکذا فی روضۃ الصفا وروضۃ الاحباب)

کتب تواریخ میں مذکور ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام کی عمر مبارک ایک ہزار سال ہے۔ روضۃ الصفاء میں آیا ہے جب آدم کریم کی ہزار سال عمر مکمل ہوئی تو حضرت عزرائیل علیہ السلام روح قبض کرنے تشریف لائے اور جبرائیل علیہ السلام اور دوسرے بڑے بڑے فرشتگان بھی ساتھ تھے۔ بہشت سے کفن وحنوط لایا گیا غسل تکفین تجہیز کے لئے جبرائیل مقرر ہوئے جبل ابوقبیس پر آپ کو دفن کر دیا گیا۔ فرشتگان اور مردوزن سبھی لوگوں نے حضرت شیث علیہ السلام کے پیچھے نماز جنازہ پڑھی۔ سیدنا جبرائیل علیہ السلام نے اولاد آدم کو تلقین فرمائی کہ موت حق ہے۔ جس طرح آپ سب نے غسل کفن دفن جنازہ ہوتے دیکھا ہے اسی طرح اپنے مردوں کو غسل کفن دفن دیا کریں اسی طرح سنت الٰہی ہے۔ جمعہ کے روز مکہ شریف میں وصال فرمایا اور حضرت حوا علیہا السلام ایک سال بعد فوت ہوئیں اور حضرت حوا بھی آدم علیہ السلام کے پہلو میں دفن ہوئیں۔ (اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن)

سیّد دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد کی تشریح حالات تفصیل وار ختم ہو رہی ہے اور اب ہم مطلب کی بات کرتے ہیں کہ سیّد العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے ابوین کریمین عالم فترت میں پیدا ہوئے اور عالم فترت میں فوت ہوئے۔ بعثت سے پہلے والی وفات پر نزول عذاب کا کوئی اصول نہیں ہوتا۔ چنانچہ شیخ عزالدین بن عبدالسلام اپنی تصنیف "امالی" میں فرماتے ہیں۔ دو پیغمبروں کے درمیان کا زمانہ "فترت" کہلاتا ہے۔ البتہ پیغمبر کی ذریت سابقہ پیغمبر کی شریعت کی اتباع کرتی ہے اور اگر شریعت سابقہ کے آثار تک مٹ چکے ہوں تو ذریت اور باقی اقوام عالم سبھی لوگ "اہل فترت" کہلاتے ہیں۔

سوال: سیّد دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد، حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے ہیں جن پر شریعت ابراہیمی کی اتباع لازم تھی جبکہ انہیں دعوت توحید و ایمان بھی ملتی رہی۔ مگر بقول نووی ایام فترت میں وفات پانے والے سبھی لوگ بت پرست تھے۔ ود دوزخ میں گئے۔ وجہ یہ بتلاتے ہیں کہ یہ بات طے ہے کہ دعوت توحید و ایمان ملنے سے پہلے، دوزخ جانے والا عذاب نہیں دیا جاتا اور بقول نووی ان لوگوں کا دوزخ جانا، ثابت کرتا ہے۔ کہ انہیں دعوت توحید و ایمان ملتی رہی۔

المختصر اینکہ ایام فترت میں بھی ذریات نبی ابراہیم دعوت توحید و ایمان وصول کر کے، منکر ہوئے۔ بت پرست ہونے کے ناطے "دوزخ رسید ہوئے ——

تو ارحام طیبہ اور اصلاب طاہرہ والی حدیث کہاں رہی؟ بینوا و توجروا۔

جواب: نبی پاک کے ابوین کریمین اگرچہ ابراہیم کی ذریات ہیں ولیکن ابوین کریمین اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کا زمانہ تین ہزار سال طویل ہے۔ مرور زمانہ کے باعث شریعت ابراہیم مندرس ہو چکی تھی اور اس شریعت کا شناسا کوئی نہیں رہا تھا تو ظاہر ہے کہ ابوین کریمین، اہل فترت سے ہوں گے۔ اور یہ بات طے ہے کہ اہل فترت کو عذاب نہیں ملتا۔

لہٰذا نووی کا قول، شیخ ابن حجر مکی نے شرح قصیدہ ہمزیہ میں بعید از عقل و قیاس قرار دے کر رد کر دیا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام عرب میں نبی بن کر نہیں آئے تھے۔ لہٰذا اِن کی شریعت عرب والوں کے لئے واجب الاتباع نہیں تھی۔ البتہ سیدنا اسمٰعیل علیہ السلام عرب میں مبعوث ہوئے مگر ان کی شریعت، حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی وفات کے ساتھ ساتھ مٹ گئی اور وفات اسمٰعیل کے بعد تقریباً دو ہزار سال تک کسی نبی کا عرب میں مبعوث ہونا معلوم ہی نہیں ہو سکا۔ یہاں تک کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔

سیرت شامی میں، نووی کی پُر زور تردید دیگر وجوہ سے بھی کی گئی ہے"۔ فلیتدبر۔ پس علمائے کرام رضی اللہ عنہم قبل از بعثت، عذاب نہ ملنے پر قرآن و حدیث کو بطور حجت پیش کرتے ہیں ملاحظہ فرمائیے۔ پہلے آیاتِ قرآنیہ اور پھر احادیث نبویہ ملاحظہ ہوں۔

آیاتِ قرآنیہ:۔

۱۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبْعَثَ رَسُولًا (پارہ ۱۵، رکوع ۲) اور ہم عذاب نہیں کرتے جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔ اہلِ سنت وجماعت اس آیت پاک سے دلیل لاتے ہیں کہ بعثت سے پہلے مرنے والے کو عذاب نہیں ہوا کرتا۔

۲۔ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ (پارہ ۸ رکوع ۳) یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں۔ (بلکہ رسول بھیجے جاتے ہیں وہ انہیں ہدایت فرماتے ہیں۔ حجتیں قائم کرتے ہیں اس پر بھی وہ سرکشی جب کرتے ہیں تب ہلاک کئے جاتے ہیں۔)

۳۔ وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ فَيَقُوْلُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (پارہ رکوع ۸) کہیں ایسا نہ ہو کہ کبھی پہنچتی انہیں کوئی مصیبت اس کے سبب جو ان کے ہاتھوں نے آگے بھیجا تو کہتے اے ہمارے رب! تو نے کیوں نہ بھیجا ہماری طرف کوئی رسول کہ ہم تیری آیات کی پیروی کرتے اور ایمان لاتے۔ علامہ ابی حاتم تفسیر میں فرماتے ہیں ابو سعید خدری کی روایت جید سند کے ساتھ ہے کہ سید دوعالم نے فرمایا اہلِ فترت قیامت میں کہیں گے اے رب لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (پارہ ۱۶ رکوع ۱۷)

درج بالا مضمون میں ابن ابی حاتم، عطیہ ابی ادنی سے ایک اور حدیث کی روایت بھی فرماتے ہیں۔

۴۔ وَلَوْ اَنَّا اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّذِلَّ وَنَخْزٰى (پارہ ۱۶ رکوع ۱۷) اور اگر ہم انہیں کسی عذاب سے ہلاک کر دیتے اپنے رسول کے آنے سے پہلے تو یہی لوگ کہتے کہ اے ہمارے پروردگار! تو نے ہمارے پاس کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیری آیتوں پر چلتے قبل اس کے کہ ذلیل و رسوا ہوئے۔

۵۔ وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا وَمَا كُنَّا مُهْلِكِي الْقُرٰٓى اِلَّا وَاَهْلُهَا ظٰلِمُوْنَ (پارہ ۲۰ رکوع ۹) اور تیرا رب بستیوں کو ہلاک کرنے والا نہیں تھا جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیج دیتا جو ان کو ہماری آیات سناتا اور ہم بستیوں کو ہلاک کرنے والے نہ تھے جب تک کہ ان کے باسی ظالم نہ تھے۔

۶۔ وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ قَرْيَةٍ اِلَّا لَهَا مُنْذِرُوْنَ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۵)

ان آیات میں ان لوگوں سے کفر کی نفی ہو جاتی ہے، جنہیں دعوت توحید و ایمان نہ پہنچی ہو۔ جب وہ دنیا میں ہلاکت کے مستحق نہ ٹھیرے تو آخرت میں عذاب آخرت کا انہیں مستحق ٹھیرایا جانا بعید از عقل و قیاس رہا جیسا کہ اللہ پاک نے خود فرمایا کہ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ، آخرت کا عذاب تو سب سے بڑا ہے۔

۷۔ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ (پارہ ۸ رکوع ۷)

احادیث نبویہ:۔

اس بارے میں احادیث مبارکہ حد و عد اور شمار و حصار سے کہیں باہر ہیں جن کا ذکر بوجہ اختصار ترک کر دیا گیا۔ کوئی شخص تحقیق و تدقیق کا دلدادہ ہو تو مسالک الحنفاء کا مطالعہ کرے جو کہ سیوطی کی تصنیف لطیف ہے۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ فقہائے شافعیہ اور متکلمین اشاعرہ وغیرہم کا اس بات پر

اتفاق ہے جو شخص دعوت توحید و ایمان پہنچنے سے پہلے فوت ہو گیا وہ عذاب سے نجات پا گیا اور بہشت میں داخل ہو گا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ "کتاب الام" میں درج بالا فیصلہ پر نص فرما چکے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے مقلد اصحاب نے بھی یہی فتویٰ دیا چنانچہ امام فخر الدین الرازی بھی اپنے متبعین سمیت یہی کچھ فرماتے ہیں "صاحب حاصل و تحصیل" بیضاوی، قاضی تاج الدین السبکی، شرح مختصر ابن حاجب میں اور علامہ رافعی وغیرہم بالصراحت فرماتے ہیں۔

جسے ایمان و توحید کی دعوت نہ پہنچی ہو تو اس پر حجت ثابت نہیں ہو سکتی اور نہ اس کا مواخذہ ہو گا۔ اس لئے قرآن صاف صاف کہہ رہا ہے۔ وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا۔ ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک کہ رسول نہ بھیج دیں۔

البتہ ابن ارفع اپنی تصنیف "کنایہ" میں کچھ تاویل کر دیتے ہیں کہ ابوین کریمین ایام فترت میں پیدا ہوئے اور ان سے عناد و فساد ظاہر نہیں ہوا اور نہ ان کے ہاں کوئی رسول آیا جس کا انہوں نے انکار کر کے عذاب کا استحقاق لیا ہو۔ لہٰذا ابوین کریمین جنتی ٹھہرے

سوال :۔ جناب امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی پہچان سے جاہل رہنے کو عذر قرار نہیں دیتے یہی بات ہے کہ کفار کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے پہلے انہیں توحید و ایمان کی دعوت دینا، بھی شرط نہیں رکھتے۔ بلکہ دعوت پہنچنے سے پہلے بھی کفار سے مواخذہ کیا جا سکتا ہے اور ان سے جنگ کی جا سکتی ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اہل فترت جنہیں توحید و ایمان کی دعوت نہ ملی ہو تب بھی معرفت خداوندی حاصل نہ کرنے پر ان سے مواخذہ ہو گا اور انہیں عذاب ہو گا۔

جواب :۔ سیدنا امام اعظم کا کفار سے جنگ کرنے کے لئے دعوت توحید و ایمان کی شرط قرار نہ دینے کی وجہ یہ نہیں کہ جہالت قابل مواخذہ اور لائق عذاب ہے۔ بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ پیغمبر خدا کی دعوت توحید و رسالت کی تابانیاں مشرق و مغرب تک پھیل چکی ہیں جس سے ہر ہر ابن بشر مستفیض ہو سکتا ہے۔ لہٰذا دوبارہ ہر کس کفار کو دعوت دینا لازم اور ضروری نہیں رہ جاتا۔ (المحیط البرہانی)

اندریں حالت یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ پیغمبرانہ تابانیاں بعثت و رسالت کے ظہور پاتی ہیں۔ لہٰذا امام اعظم کا قول "لَا عُذْرَ فِي الْجَهْلِ بِخَالِقِهِ" خالق کائنات کی عدم معرفت کوئی شرعی عذر نہیں، اپنی جگہ صحیح ہے جس سے مراد وہ عدم معرفت ہے جو بعثت و رسالت کے بعد ہو۔ البتہ زمانہ جاہلیت اور دور فترت کے لوگ، یعنی قبل از بعثت امام پاک کے نزدیک بھی قابل تعذیب نہیں ہیں۔ فلیتدبر۔

سوال:۔ اہل فترت کیلئے عدم تعذیب کا حکم، تمام اہل جاہلیت کو شامل ہے یا یہ حکم مخصوص البعض ہے بَيِّنُوا تُوجَرُوا

جواب:۔ علامہ جلال الدین السیوطی رحمۃ اللہ علیہ "مسالک الحنفاء" میں فرماتے ہیں کہ عدم تعذیب کا حکم عام نہیں صرف ان لوگوں کے لئے مخصوص ہے جنہیں کسی پیغمبر کی طرف سے ایمان و توحید کی دعوت نہ ملی ہو۔

مترجم (مزید براں جب انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات محو ہوجائیں یا گمراہیوں میں خلط ملط ہوکر وسیلہ ہدایت بننے کے قابل نہ رہیں۔ تب ایسے لوگوں کے لئے یہ عذر پیش کرنے کا موقع پیدا ہوجاتا ہے کہ ہمیں حق و باطل کے فرق سے آگاہ کرنے اور صحیح راہ بتانے کا کوئی انتظام موجود ہی نہیں تھا لہٰذا انہیں عذاب و مواخذہ چہ معنی دارد۔)

اور جن اہل فترت کو کسی ایک رسول کا پیغام اپنی صحیح صورت میں مل چکا ہو اور ان لوگوں نے دانستہ اس سے اعراض کیا ہو تب ایسے لوگ اپنی کجروی کے ذمہ دار ٹھیرائے جا سکتے ہیں اور انہیں بیشک عذاب ہوگا۔

سیرت کی تمام کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ ابوین کریمین مشرک نہ تھے وہ حنفی دین ابراہیمی کے پابند تھے۔ موحّد تھے جیسا کہ بعض عرب لوگ تھے مثلاً زید بن عمرو بن نفیل، قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل اور ان جیسے متعدد اہل نظر پیدا ہوگئے تھے جنہوں نے بت پرستی سے توبہ کرلی تھی اور کہا کرتے تھے کہ دین ابراہیم ہی قبول ہے۔

علماء کرام کی ایک کثیر جماعت اس مذہب پر اعتماد کرتی ہے، ان میں سے ایک نامور مفسر قرآن رازی رحمۃ اللہ علیہ اسرار التنزیل المعروف تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں کہ پیغمبر

علیہ السلام کے آباؤ اجداد حضرت آدم علیہ السلام تک، موحد تھے مشرک نہیں تھے۔
آیات واحادیث اسی مضمون کی تائید بکثرت کرتے ہیں تفصیل ملاحظہ فرمایئے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَتَوَكَّلْ عَلَى الْعَزِيزِ الرَّحِيمِ الَّذِي يَرَاكَ حِينَ تَقُومُ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ۔ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۵) اس عزت و مہربانی والے پر بھروسہ کرو جو تمہیں دیکھ رہا ہے جب تم کھڑے ہوتے ہو اور سجدہ گزار لوگوں میں تمہارے منتقل ہونے پر نگاہ رکھتا ہے۔

تفسیر مدارک جمل اور کبیر میں فرمایا گیا ہے کہ اس آیت میں ساجدین سے مراد مومنین ہیں اور معنی یہ کہ حضور کے تمام آباؤ اجداد ساجدین میں سے تھے۔

سوال:۔ اگر کہا جائے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آذر تھا جس کا کفر آیت "اذ قال ابراھیم لابیہ آذر" سے ثابت ہے تو جواب یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد محترم کا نام تارخ ہے اور آذر آپ کا چچا تھا چچا کو اب کہنا، کلام عربیہ میں اکثر آ رہا ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام سے ان کی اولاد کا کہنا ہے قالوا نَعْبُدُ إِلٰهَكَ وَإِلٰهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ (پارہ ۱ سورۃ) انہوں نے کہا کہ ہم تیرے معبود اور تیرے باپ دادا ابراہیم، اسمٰعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے۔

آیت مذکورہ میں یعقوب علیہ السلام کے چچا حضرت اسمٰعیل علیہ السلام پر بھی لفظ "اب" بولا گیا ہے۔ نیز صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام سے لیکر حضرت عبداللہ اور آمنہ ماجدہ خاتون تک آنحضرت کے آباؤ اجداد افضل و اکمل تھے۔

بُعِثْتُ مِنْ خَيْرِ قُرُونِ بَنِي آدَمَ قَرْنًا فَقَرْنًا حَتّٰى بُعِثْتُ مِنَ الْقَرْنِ الَّذِي كُنْتُ فِيهِ (رواہ البخاری)۔

آپ نے فرمایا مجھے زمانہ بزمانہ بنی آدم کے زمانوں میں سے بہترین زمانہ میں بھیجا گیا جیسا کہ میں اس موجودہ بہتر زمانے میں مبعوث ہوا ہوں۔ ابو نعیم اصفہانی دلائل النبوۃ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روائت لاتے ہیں۔

لَمْ يَزَلِ اللّٰهُ يَنْقُلُنِي مِنَ الْأَصْلَابِ الطَّيِّبَةِ إِلَى الْأَرْحَامِ الطَّاهِرَةِ

میرا نور مقدس اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ میں منتقل ہوتا رہا ہے۔ یعنی میرے والدین ماجدین سے لے کر آدم و حوا تک کوئی مرد و عورت ایسا نہیں ہوا۔ معاذ اللہ کہ کسی قسم

کی فحاشی و بے حیائی کا کام کیا ہو سب کے سب مہذب اور صاف و شفاف تھے۔

درج مضمون کی تائید میں بکثرت آیات و احادیث وارد ہیں جنہیں بوجہ اختصار ترک کر دیا ہے۔

فیز۔ احادیث و آثار سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ زمین کسی زمانہ میں، سات شخص مسلمان یا اس سے زیادہ کی تعداد میں سے کبھی خالی نہیں رہتی ـــ اور اللہ رب العالمین' ان کے طفیل' زمین والوں کے مصائب و مسائل دفع فرمایا کرتے ہیں (حاشیہ مشکوٰۃ ص ـــ)

مصنف عبدالرزاق اور تفسیر ابن منذر میں صحیح سند کے ساتھ اور شیخین کے شروط کے مطابق، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

لَمْ یَزَلْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ فِی الدَّهْرِ سَبْعَةٌ مُسْلِمُوْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذَالِكَ لَهَلَكَتِ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَيْهَا۔ روئے زمین پر، ہر زمانہ میں سات یا اس سے زائد مسلمان کامل موجود ہوتے ہیں اگر یہ لوگ نہ ہوں تو زمین اور اس پر بسنے والے تباہ ہو جائیں۔

امام احمد بن حنبل بسند صحیح بمطابق شروط شیخین، حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت نقل کر کے فرماتے ہیں کہ نوح علیہ السلام کے بعد تا ہنوز، سات کامل انسانوں سے زمین کبھی خالی نہیں رہی۔ بلکہ ان کے توسل اور ان کی برکت سے بارش ہوتی ہے اور دشمنوں پر فتح ہوتی ہے مصائب و آفات دفع ہوتے ہیں۔ یہی مضمون بمعہ آثار مبارکہ حافظ السیوطی' ابن جریح اور ابن المنذر اور ابن ابی حاتم نے اپنی اپنی تفسیر و تصنیف میں ذکر فرمائے ہیں مثلاً حاکم مستدرک میں، حضرت عبداللہ بن عباس سے زیر آیت، كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (پارہ ۲ رکوع ۱۰)

"لوگ ایک دین پر تھے پھر اللہ تعالیٰ نے نبی بھیجے جو خوشخبری سناتے اور ڈر سناتے تھے۔" روایت نقل کرتے ہیں کہ حضرت آدم اور نوح علیہما السلام کا درمیانی زمانہ دس قرن تھے۔ جبکہ اسی دوران کے سبھی لوگ یعنی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آباؤ اجداد شریعتِ حقہ کے متبع تھے۔

درج بالا روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر سیدنا نوح علیہ السلام تک، پیغمبر آخر الزمان کے باپ دادا سبھی لوگ موحد مومن تھے بلکہ وہ

سات قطب مذکور آنحضرت کے آباؤ اجداد میں سے ہُوا کرتے تھے۔ وَرنہ دو خرابیاں لازم ہیں۔

اوّل :۔ یہ کہ دوسرے لوگ اُن سے بہتر ہوں جو کہ صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ (یعنی نُورِ مبین بہترین اَور افضل و اعلیٰ اصلب و رحم میں منتقل ہوتا رہا ہے۔)

دوّم :۔ یہ کہ یہی خُود آباؤ اجداد، دوسروں سے بہتر ہوں جبکہ انہیں مشرک بھی قرار دیا جائے جو کہ اجماعِ اُمت اَور عقل و قیاس کے خلاف ہے۔ جبکہ قُرآن مجید کا فیصلہ ہے۔ ولعبد مومن خیر من مشرک، ایمان دار غُلام، مشرک سے بہتر ہوتا ہے پس ثابت ہُوا کہ سرکار دوعالم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے آباؤ اجداد، بہتر و برتر اَور موحد و مومن تھے۔ فلتیدبر۔

نیز :۔ امام المتکلمین فخر الدین الرازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر کبیر میں زور دے کر فرماتے ہیں کہ آنحضرت کے آباؤ اجداد ملّتِ ابراہیمی رکھتے تھے مُسلمان اَور موحد تھے۔ احادیث و آثار سے رسُولِ کریم کے آباؤ اجداد کا موحد و مومن ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ بوجہ اختصار اس رسالہ میں انہیں شرح وار ذکر نہیں کیا جاتا اَور جنہیں تشریح و توضیح مقصود ہو تو وُہ لوگ علامہ مخدوم محمد ہاشم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف "فتح القوی فی اصلاب النبی" کا بغور مطالعہ کریں۔ آپ نے احادیث صحیحہ اَور آیات قُرآنیہ سے استدلال قائم کر کے نبی پاک کے آباؤ اجداد از آدم تا ایندم کو مومن و موحد ثابت کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخدوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو خلد بریں میں مقامِ عالی عنائیت فرمائے۔ آمین!

# مکتوب ۲۴

جنابِ عالی! بندہ احقر کی گذارش ہے کہ چند طلبہ عقلی علم لے کر ہمارے علاقہ میں گھس آئے ہیں اور کچھ موضوع احادیث اور چند آیات منسوخہ جن کا مطلب و مفہوم توڑ مروڑ کر بطور وعظ و نصیحت عوام کو سنایا کرتے ہیں اور ان کا موضوع وعظ صرف یہ ہوتا ہے کہ دورِ سابق میں پیری مریدی پائی جاتی تھی لوگ بزرگانِ دین صاحب ارشاد و ہدائیت کی صحبت سے فیض یاب ہُوا کرتے تھے چنانچہ شیخ فریدؒالدین گنج شکر، شیخ بہاؤالدین زکریا، غوث پاک محبوبِ سبحانی یہ ایسے ولی و قطب تھے کہ بے حد و حساب اور حیران کن خوارقِ عادات اور کرامات، اُن سے سرزد ہوتی رہیں اور راہِ راست کے ناشناس انسان، ان کے فیضانِ صحبت اور حصول متابعت سے بہرہ گیر اور حصہ پذیر ہوتے رہے۔ مگر اب اس دور میں کوئی شخص مریدی کے لائق ہی نہیں رہا تو پیری کے قابل کہاں سے ملیں گے۔

اب تو طرفہ تماشہ یہ ہے کہ بزرگانِ دین کی موجودہ اولاد، سالوسی خرقہ اور مکر و فریب کے ساتھ فقیرانہ کلاہ سر پر پہن کر پیر بن بیٹھی ہے اور لوگوں کو اپنے مکر و تنزویر میں پھنسا کر بعیت کر لیتے ہیں جنہیں راہِ ہدائیت میسّر نہیں آتی یہ سبھی لوگ، دین کو دُنیا سے بیچ کر کھانے والے ہیں۔ اور ان کا کہنا ہے کہ ایسے پیر مریدوں کو قَالَ اللّٰہُ وَقَالَ الرَّسُوْلُ کی طرف قطعاً رغبت نہیں دینا چاہتے اور ایسے دھوکا باز پیر اپنے قول و فعل کو حجت قرار دے کر اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔

واجب الاحترام میرے مُرشد! وُہ بے دین لوگ۔ زور دے کر کہتے ہیں کہ لوگو! شریعت پاک کو سر آنکھوں پر رکھتے ہُوئے موجودہ زمانہ کے پیروں کے قول و فعل کو چھوڑ دو اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرو اور ایسے مکار اور فریبی پیروں کی محبت سے باز رہو۔ یقیناً ایسے لوگوں کی بعیت میں دین و دُنیا کا سراسر نقصان ہے۔

غریب نواز! ایسے نامُبارک کلام سُن کر اکثر لوگ اپنے پیرانِ عظام کے اوراد وظائف چھوڑ بیٹھے اور بہت کچھ لوگ بیعت ترک کر کے سلوک کے لحاظ سے مرتد ہو رہے ہیں اور عوام، ان مغرب زدہ لوگوں کے زیرِ اثر ہمیں اذیت دینے پر تُل بیٹھے ہیں۔
وقت کا تقاضا ہے کہ بیعت کے جواز کو ثابت کیا جائے اور اس کی دینی دُنیاوی سعادتوں کو اُجاگر کیا جائے۔ براہِ نوازش اپنے مُبارک ہاتھ سے پیری و مریدی کے حقوق و شرائط لکھ بھیجیں تاکہ ہم سبھی بے دام غُلام اس پر کاربند رہ سکیں اور دیگر مخلوق بھی ایسے متذکرہ گمراہ کار لوگوں کے بہکاوے میں نہ آنے پائے اللہ ربّ العالمین ہم سب کو راہِ ہدایت نصیب فرماوے۔ آمین!

# جواب (۲۴)

برخوردار بعد از سلام سُنّت خیر الانام۔ آپ کا بھیجا ہُوا مراسلہ مشتمل بر کوائف حالات درج بالا، موصول ہُوا بڑھا فریب کار اور گمراہ ساز لوگوں کی طبیعت نگاہوں میں دوڑنے لگی جو روحانیت اور حقیقت کے اسرار و رموز کو نہیں سمجھ پائے ہیں۔

میرے عزیز! ہدایت، نہ ہمارے ہاتھ ہے نہ تمہارے ہاتھ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے سعادت ازلی ہے جسے نصیب ہو وُہ ہدایت پا جاتے ہیں اور ابدی بدبختی میں گرفتار ہمیشہ گمراہوں کا ساتھ دیتے ہیں۔

ہر سو دَوَد آنکس کز در خویش براند!
آنرا کہ بخواند در کس ندواند!!!

اللہ تعالیٰ جنہیں اپنے دروازہ سے بھگادے وُہ پریشان حالت میں ہر طرف دوڑتا پھرتا رہتا ہے اور جسے اپنے پاس بلائے وُہ کہیں نہیں جایا کرتا۔

فائدہ:۔ جاننا چاہیئے کہ علامہ ابن المنذر اپنی تفسیر میں بسند صحیح حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے روایت فرماتے ہیں۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ یَزَلْ عَلٰی وَجْہِ الْاَرْضِ فِی الدَّھْرِ سَبْعَۃٌ مُسْلِمُوْنَ فَصَاعِدًا فَلَوْلَا ذٰلِکَ ھَلَکَ الْاَرْضُ وَمَنْ عَلَیْھَا اَوْکَمَا قَالَ۔

نبی پاک نے فرمایا ہر زمانہ میں رُوئے زمین پر سات یا اس سے زیادہ کامل مسلمان (قطب) رہا کرتے ہیں ایسے ہی اگر یہ لوگ نہ ہوں تو دُنیا وما فیھا کا نظام درہم برہم ہو جائے۔

نیز! کہا جاتا ہے کہ جہان والوں کی مثال ریوڑ کی سی ہے اور اللہ والے کامل انسان چرواہے ہیں۔ جس طرح چرواہے کے بغیر، ریوڑ سلامت نہیں رہ پاتا کیونکہ ریوڑ کے شکار

کرنے میں بے شمار بھیڑیئے پائے جاتے ہیں اور ریوڑ کو ان بھیڑیوں کے شر سے امن و امان میں رکھنا، سوائے چرواہوں کے ممکن نہیں ہے۔ چونکہ ریوڑ بکثرت پائے جاتے ہیں ان کے پیچھے گرد و غبار آسمان تک پہنچا ہوا ہے۔ اس غبار کی موجودگی میں، چرواہے آنکھوں سے اوجھل ہو کر، نظر نہیں آتے اور گرد و غبار کی شدت اور کثرت کے سبب، لوگ ان چرواہوں کو بھی ریوڑ کا فرد شمار کرنے لگے ہیں اور انہیں بھی بھیڑ بکری سمجھے ہوئے ہیں۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب راچہ گناہ

چمگادڑ، اگر دن میں آنکھیں نہ کھول سکے تو سورج کا کیا قصور؟

مگو ارباب دل رفتند و شہر عشق خالی ماند
جہاں پر شمس تبریز است کو مردے چو مولانا؟

نہ کہا جائے کہ دل والے نہیں رہے اور عشق کا شہر خالی ہو رہا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا جہان شاہ شمس الدین تبریزیؒ سے اٹا پڑا ہے مگر انہیں ڈھونڈھ نکالنے کے لئے مولانا رومؒ جیسے مرد نہیں رہے۔

سابقہ اور لاحقہ وقت کی قید لگا دینا اور پھر فتوے جڑ دینا کہ پہلے دور میں اہل اللہ بکثرت پائے جاتے تھے اور اب نہیں رہے، محض خطا اور حرف بے جا ہے بلکہ حدیث مبارکہ کے خلاف ہے۔ جب کہ سید العالمین پر وحی کا آنا جانا نہیں رہا۔ تو ان منکرین ولایت کو کیسے علم ہوا کہ پہلے زمانہ میں اہل اللہ بکثرت پائے جاتے تھے اور اب درجہ ولایت منقطع ہو گیا ہے شاید انہیں شیطان ابلیس کا الہام ہوا ہے جو کہ انسان کا ظاہر باہر دشمن ہے۔

جاننا چاہیئے کہ اس زمانہ میں اولیائے عظام ہر شخص کو نظر نہیں آتے اور نہ وہ خود اپنے آپ اعلان ولایت کرتے رہا کرتے ہیں۔ البتہ ان کا جاہ و جلال سے بھرا ہوا چہرہ دیکھنے سے، مرید صادق کو ان کی صورت و سیرت سے فریفتگی اور شفیتگی ضرور پیدا ہوتی ہے۔ لہٰذا ان سے بے اعتقاد نہیں ہونا چاہیئے۔

جلوۂ حسن وجمالش در جہانست عیاں !
لیک نبود قابل دیدارِ او ابصار ما !

ان کے حسن وجمال کے جلوے ہر جگہ موجود مگر ہماری آنکھیں اسے دیکھنے کے قابل نہیں ہیں۔

شیخ کامل کا بظاہر ہمیں نظر نہ آنا، کا سبب ہماری اپنی بے اعتقادی ہے۔ ورنہ صحیح العقیدہ لوگ مقصود اصلی تک پہنچ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ شیخ کامل، تو مرأۃ الحق ہے یعنی حق نما آئینہ ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کے حسن وجمال کا عکس موجود ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| شیخ فعال است بے آلہ چوں حق | با مریدان دادہ بے گفتن سبق |
| دو مبین و دو مدان و دو مخوان | خواجہ را در خواجۂ خود محو دان |
| گم کنی ہم متن وہم دیباچہ را | گر جدا بینی زحق تو خواجہ را |

شیخ کام کرنے والا ہے بغیر ہتھیار کے حق کی طرح مریدوں کو بغیر گفتگو کے سبق پڑھاتا ہے حق اور شیخ کو دو نہ سمجھ، دو نہ جان اور دو نہ کہہ خواجہ مرشد کو خواجہ حق میں محو جان، متن اور دیباچہ دونوں کو گم کر بیٹھوگے اگر تم نے حق سے خواجہ مرشد کو جدا سمجھا۔

( مثنوی جلد حکایت )

راہِ سلوک میں مرید صادق کے صدق ارادت اور مضبوط عقیدت، پہلی شرط ہے تاکہ، مطلوب ومقصود حاصل کیا جا سکے اسمیں پیر و مرشد کی عظمت چنداں شرط نہیں اس مناسبت سے ایک واقعہ ذخیرۃ المشائخ میں نقل ہے۔

ایک شخص تھا ساری عمر سیر وسیاحت میں گذری مگر کسی اہل اللہ پہ دل نہ ٹک سکا۔ ایک رات ناچار دل میں ٹھانی آج صبح سویرے گھر سے نکلتے ہی اللہ کی مخلوق میں سے باہر دالان میں جو بھی مل جائے گا اور میرے دل ونظر میں اچھا لگا سر ارادت اس کے قدموں میں رکھ دوں گا۔ عقیدت کی رسی اس کے ہاتھ سپرد کر کے خود اس کی بیعت ہو جاؤں۔ صبح سویرے گھر سے نکلا دریا کے کنارے جا پہنچا وہاں ایک خوبصورت اور دل کو لبھانے والا خوش منظر درخت دیکھا۔ فوراً غسل کر کے درخت کا دامن پکڑ لیا اور

کہنے لگا میں تیرا مرید ہو چکا اسی طرح ہر صبح اس درخت کے ارد گرد طواف کرنا عقیدت کا اظہار روح و دل سے اپنی ارادت ظاہر کرتا جاتا تھا۔ اچانک دریا کے پانی میں طوفان آگیا درخت کی جڑیں کٹ گئیں اور دریا برد ہو گیا۔ مرید صادق نے آہ کھینچی اور اپنے پیرو مرشد درخت موصوف کے پیچھے دریا کے اندر چھلانگ لگادی۔ اس کی ہلاکت سے پہلے ایک شخص صاحبِ کمال اوصافِ حمیدہ سے موصوف، پانی سے نمودار ہوا اور اس مرید صادق سے کہنے لگا کیوں غرق ہونا چاہتے ہو جواب دیا اپنے پیرو مرشد کی اتباع میں! ہنستے ہوئے بزرگ نے فرمایا ارے نادان، درخت کبھی پیر ہوا کرتے ہیں؟ مرید صادق نے پوچھا تم کون ہو جواب ملا میں خضر ہوں اور تیری تعلیم کے لئے آیا ہوں تو نے جس کو پیر بنایا وہ تو ایک درخت ہے۔ جواب دیا حضرت! پہلے تو کبھی آپ نہ تشریف لائے جب وہ درخت مرشد ملا تو آپ بھی ملے یہ سب اس مرشد درخت کی کرامت و برکت ہے کہ آج آپ سے ملاقات ہو گئی بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایسے مرشد کا دامن چھوڑ دوں اور اس سے فیض یاب نہ ہوں یہ سب برکت حسنِ عقیدت اور صدق ارادت کے طفیل ہے اللہ نصیب کرے آمین!

پیرِ کامل اگر قصور درست!

اعتقاد مرید رہبر اوست!

پیر کامل میں کچھ کوتاہی ہو تو مضائقہ نہیں مرید کی حسنِ عقیدت اُسے منزلِ مقصود تک پہنچنے کی راہ دکھلا دیگی۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ شیخ کامل کی طلب اور اس کی جستجو میں تساہل کبھی روا نہیں ہے۔

مَنْ لَا شَيْخَ لَهُ فَمَشْخَةُ الشَّيْطَانِ (رواہ)

خواجگی بے پیر بودن کار ناداناں بود!

ہر کرا پیرے نباشد پیر او شیطاں بود

شیخ کامل کی اجازت و ارادت کے بغیر مخلوق کو مرید کرنا سراسر نادانی ہے جنہیں پیر میسر نہ آئے ان کا پیر شیطان ہوتا ہے۔

شیخ کی طلب میں بے شمار فوائد ہیں۔ مَنْ طَلَبَ شَیْئًا وَجَدَّ وَجَدَ جس کسی نے کسی چیز کی طلب میں کوشش کی اُس نے پالیا۔

نیز بیعت کے بعض مسائل، نکاح کے مسائل پر مبنی ہیں اور بعض مسائل، امام و مقتدی کے مسائل پر متفرع اور بعض خرید و فروخت کے مسائل پر موقوف ہیں۔

کتب فقہ میں ہے۔ اَلْمُنْتَظِرُ لِلصَّلٰوۃِ کَاَنَّہٗ فِی الصَّلٰوۃِ۔ نماز کا انتظاری، گویا کہ خود نماز میں ہے۔ اس مقولہ میں صاف ارشاد ہے کہ شیخ کامل کی جستجو، خود شیخ کامل کی صحبت اور اس کا فیضان ہے۔ لہٰذا جب کبھی کامل انسان میسّر ہو فوراً بلا تاخیر اس کا مرید ہو جانا چاہیئے۔

مسائل یہ بھی جان لینا چاہیئے کہ اگر مرید اپنے خاندانی پیر و مرشد کی اولاد میں سے کسی ایک بزرگ شخصیت کا بیعت ہونا چاہتا ہے تو ہزار ہا ضروری کام ہوں، موقوف کر کے فوراً شیخ کامل کی خدمت حاضر ہو کر بیعت ہو جائے۔

نابالغ بچے کو بیعت کرنا بھی شریعت میں جائز ہے مگر طریقت میں جائز نہیں ہے۔ بعض مشائخ کا خیال ہے کہ مرید کا بالغ ہونا شرط نہیں۔ ماں باپ یک روزہ بچے کو بھی شیخ کی خدمت میں لے جا کر بیعت کرا دیں (روا ہے) جب بچہ بالغ ہو جائے اور وہ شیخ فوت ہو چکا ہو تو اسی شیخ کے کسی خلیفہ مجاز سے ارشاد و اجازت اوراد حاصل کرے۔ بیعت پہلی برقرار رہے گی۔ اور اگر اپنے شیخ کامل متوفی کے کسی ایک خلیفہ کے ہاتھ پر تجدید بیعت کرے تب بھی جائز ہے۔ البتہ ادب و احترام دونوں کا ضروری ہے۔

ایک غلام کو، اپنے مالک و مولیٰ کی اجازت کے بغیر کہیں بیعت ہونا جائز نہیں ہے اگر بیعت ہوا تو مالک و مولیٰ نے قبول کر لیا تب بیعت جائز ہے ورنہ مردود ہے۔

بعض مشائخ نے فرمایا اگر شیخ کامل میسّر آیا ہے تو مالک و مولیٰ کی اجازت ضروری نہیں۔ خاوند کی رضا لئے بغیر، بیوی کا کہیں بیعت ہونا جائز تو ہے اس لئے کہ مریدی کا معنی ہے اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی عذر خواہی کرتے رہنا۔ البتہ اچھا اور بہتر یہی ہے کہ میاں بیوی ایک ہی پیر کامل کے مرید ہوں تاکہ دونو قیامت میں اپنے شیخ کے طفیل اکٹھے

رہیں۔ اگر ــــــ شیخ کامل، اپنی بیوی کو بیعت کرے اسے ذکر وشغل کی تلقین فرما دے تو بھی جائز ہے۔

حیض ونفاس کی حالت میں بیعت ہونے میں حرج نہیں البتہ حالت جنب میں غسل کر لینا ضروری ہے۔

مرید و پیر، ایک دوسرے کی دختر نیک اختر سے شادی کر سکتے ہیں۔

(کذا فی کتب المشائخ)

فائدہ:۔ کتب مشائخ میں لکھا ہے کہ اصحاب ارادت اور ارباب سعادت مرید بیعت ہونے کا ارادہ رکھتے کر جب شیخ کی خدمت حاضر ہونا چاہئے تو حسب استطاعت، مٹھائی اور پھول ساتھ لے جائے ادب و احترام ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے خادم خاص سے عرض کرے کر مجھے شیخ کامل کی خدمت لے جا کر شرف بیعت سے نوازا جائے۔ خادم، شیخ کی خدمت ارادت مند مرید کی بیعت ارادت عرض کر دے شیخ قبول فرمالیں تو سر فگندہ قدمبوسی ہو۔ مگر مرید کی سچی ارادت کا امتحان لینا ضروری ہے لہذا شیخ عذر معذرت کرتے ہوئے ارشاد فرمائیں گے۔ میرے عزیز! میں نہ تو پیری کے لائق اور نہ مریدی سے واقف و آگاہ ہوں مجھ سے کہیں بہتر و برتر دنیا میں کاملین موجود ہیں آپ ان کی بیعت ہو جائیں۔ جب سعادت مند، صادق مرید، عقیدت کا پختہ اور راسخ الارادت نکلے تو شیخ کامل اسے وضو کا حکم دیں اور خود بھی وضو فرما لیں گے۔ دو تین دفعہ استغفار کا تکرار کیا جائے۔

بیعت ہونے کا طریق:۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ بعدہٗ مرید دوزانو، اپنے شیخ کے روبرو بیٹھ جائے۔ اپنا دایاں ہاتھ۔ مرید کے دونوں ہاتھوں میں دے کر اس کے کان میں کہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ شَہِدَ اللّٰہُ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ وَالْمَلٰٓئِکَۃُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ہُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ (پارہ ۳ رکوع ۱۰) اور اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ (پارہ ۳ رکوع ۱۰) اللہ تعالیٰ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور فرشتوں نے اور عالموں نے بھی، انصاف سے قائم ہو کر گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ عزت

والا حکمت والا ہے۔ اور بے شک، اللہ کے ہاں پسندیدہ دین اسلام ہے۔

بعدہ مرید آیت قرآنی کی رو سے، یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللّٰہِ تَوْبَۃً نَّصُوْحًا۔ (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰) اے ایمان والو اللہ کی طرف ایسی توبہ کرو جو آگے کی طرف نصیحت ہو جائے اپنے معلوم وغیر معلوم گناہوں سے توبہ کرے اور زبان دل وجان سے کہے کہ میں شیطانی کام کفر و ضلالت بدعت (سیئہ) سے بیزار ہوں اور بیزار رہوں گا اور اپنے شیخ کامل کی ولایت وہدایت کے مطابق، اللہ رب العالمین کے اوامر ونواہی کی بدل وجان اطاعت وپابندی کروں گا۔ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ ھَدَیْتَنَا وَھَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَھَّابُ (پارہ ۳ رکوع ۹) یہ آیت پانچ دفعہ پڑھی جائے۔ بعدہ مرید ایک دفعہ "محمد رسول اللہ" کہے اور اب شیخ کامل اسے نصیحت فرمائیں گے کہ شریعت محمدیہ کی پیروی ہو اور ہاتھ زبان جوارح کو ہر طرح سے محفوظ رکھا جائے اور مرید، دل اور زبان سے اس عہد کو نبھانے کی ذمہ داری عرض کرے گا اور مرید کو مناسب اوراد و وظائف کی اجازت دی جائے گی۔

شیخ کو چاہیئے کہ مرید سے دریافت کرے کہ کس خاندان اور سلسلہ سے بیعت کرنا چاہتا ہے پس اسی سلسلہ میں بیعت کرے یعنی مرید سے کہا جائے گا کہ تمہیں جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے خلفاء والا سلسلہ منظور ہو تو تمہیں اس میں بیعت کیا جائے اور اگر مرید، کسی سلسلہ کا تعین نہیں کرتا تو شیخ کو ضروری ہے کہ اسے چہار سلاسل میں سے کسی ایک مناسب حال سلسلہ میں داخل کرے۔ اور اب اسے مبارک دی جائیگی، مَاشَآءَ اللّٰہُ کَانَ وَمَا لَمْ یَشَأْ لَمْ یَکُنْ،

موجودہ مٹھائی شیخ کی نذر گزاری جائے وہ تقسیم ہوگی پھر مرید، قدمبوس ہو کر محفل میں موجود حاضرین سے مصافحہ کرے تو مرشد کریم سب کے حق میں خصوصاً مرید جدید کیلئے ایمان کی سلامتی اور دین ودنیا کی خیر وبرکت کی دعا فرمائیں گے۔

اجازت ہوتے وقت پس پشت تین بار قدم نکل کر کہیں مناسب جگہ بیٹھ جائے اور شیخ کے حسن وکمال کو دیکھتا رہے جب تصور شیخ نصیب ہو زہے نصیب! ورنہ پھر بھی شیخ کامل سے بے توجہ نہ رہے۔ (کذا فی کتب المشائخ العظام)

فائدہ ۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مرد و عورت کی تلقین و تربیت میں چنداں تفاوت و تجاوز نہیں سوائے اس کے کہ اکیلی عورت بیعت ہونا چاہے تو وُہ پردہ پوش ہو کر حاضر ہو اور اسے بیعت کرنے کا طریق یہ ہے۔

رومال کا ایک کونہ شیخ کے ہاتھ میں اور دُوسرا کونہ پردہ دار عورت کے ہاتھ ہو اور درج بالا طریق سے اسے بیعت کر کے سلسلہ میں داخل کیا جائے ہمارے خاندان میں یہی اسم مروج ہے اور بعض مشائخ کا وطیرہ یُوں ہے۔

کلاہ یا دامنی پر کلمہ توحید لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دی جاتی ہے۔ اور اگر بہت سی عورتیں بیعت ہونے کی غرض لے کر حاضر ہوں تو کسی برتن میں پانی بھر کر لایا جائے۔ عورتیں اپنا سر پنجہ اس پانی میں مع انگشت شہادت رکھ لیں۔ تب شیخ کامل انہیں تلقین و تبلیغ کرتے جائیں۔ اور دوسرا طریق وُہی ہے جو ایک عورت کو بیعت ہونے کے لئے پہلے لکھ دیا گیا ہے۔

فائدہ :۔

جب کسی ایک شخص کے دِل میں شیخ کامل کے ساتھ اپنی ارادت و انابت کی پیوند کاری زوروں پر آئے مگر پیرِ کامل کے حضور پہنچ پانے سے قاصر ہے خواہ سفر دُور دراز کا ہو، کوئی طبعی عذر ہو، بدن کمزور ہو یا دُوسرے موانعات ہوں، تو اپنے کسی خیر خواہ کو پیر کی خدمت بھیجے جو کہ اپنے موکل کی طرف سے بیعت ہونے کی آرزو کرنے اور شجرہ و کلاہ کی طلب کرے۔

مُرشد کامل سے شجرہ و کلاہ وصول کرنے کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ اپنے خیر خواہ کے دونوں ہاتھوں میں، مرید دائیں ہاتھ رکھتے ہُوئے پُوچھے گا کیا تمہیں معلوم ہے کہ مجھے مُرشد کامل نے اپنی مریدی میں قبول کر لیا ہے وُہ خیر خواہ اپنے موکل کو جواب دے گا۔ جی ہاں قبول فرمایا ہے۔ پھر کلمہ استغفار، کلمہ طیب اور ایمان مفصل کے کلمات طیبات کا ورد کیا جائے۔ آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ــــ پھر شیخ کا شجرہ، پڑھ کر مُوکل مرید کو سنایا جائے اگر قاصد وکیل اور مرید صادق بھی ان پڑھ ہوں تو وکیل، اپنے مُوکل سے کہے گا کیا تم نے پیرِ کامل کی بیعت قبول کر لی ہے۔ مرید جواب دے گا جی ہاں تو بیعت و ارادت پُختہ

ہوگئی ۔

اَب مرید کیلئے ضروری ہے کہ ناقص اَور فریب کار لوگوں کے بہکانے پر فضول باتیں اور وسوسے اپنے دِل میں نہ آنے دے اَور اس کوچۂ جاناں سے مُنہ نہ پھیرے بلکہ حُسنِ عقیدت اَور سچی ارادت کے ساتھ اپنے پیرِ کامل کی اجازت اَور تلقین و تبلیغ پر کاربند رہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ مرید دو قسم ہوتا ہے۔ شفاعتی اَور حقیقی شفاعتی مرید تو وُہ ہے جو صرف سفارش کا طلبگار ہو تاکہ شیخ کامل کی شفاعت و سفارش سے قیامت کے روز نجات پائی جا سکے اَور بس۔ اَور ایسے شفاعتی مرید، بیعت ہونے کے بعد بار بار شیخ کے حضور نہیں آتے جاتے اَور ایسے رسمی مریدوں کے مردود و مقبُول ہونے کا دارو مدار پیرو مرشد پر ہے ؎

وُہی سُہاگن ہو جسے پیا چاہے

اگر کوئی مرید اپنے شیخ کی زندگی میں کسی اَور کی بیعت و ارادت کی جانب توجہ کرتا ہے تو وُہ طریقت میں مرتد مردود اَور حقیقت میں بیدین ہے جسطرح شریعت میں دو معبُود ماننا کُفر ہے بعینہٖ اسی طرح طریقت میں دو موجود جاننا یعنی دو پیر بنا لینا بھی مناسب نہیں ہے۔

حقیقی مرید وُہ ہے جو مال و متاع اَور عیال و اطفال سب خویش قبیلہ چھوڑ کر پیرو مُرشد کی خدمت گزاری اَور صبح و شام کفش برداری کو اپنے اُوپر لازم کرلے آستانہ کی جاروب کشی کو سعادت سمجھے۔ ہاں یہ حقیقی مرید جس نے شیخ کی خدمت میں مطلب اصلی اور مقصد معنوی نہ پایا ہو وُہ دوسرے شیخ کی خدمت صحبت اختیار کرے تو جائز ہے۔

اَے برادر! سالکان محکم الدین اَور طالبان راسخ الیقین، سچی عقیدت کے میدان میں جب قدم رکھ لیتے ہیں تو پھر کبھی بھی ان کے دل کے دامن پر کمزور اعتقادی کا غبار نہیں بیٹھ سکتا اَور پیر و مُرشد کی ولائت اَور بزرگی کی بابت فضول باتیں اور وسوسے قطعًا ان کے دِل میں نہیں گزرتے کیونکہ انسان حُسنِ خلقت کے اعتبار سے اشرف المخلوق بلکہ تمام کائنات سے بہتر و برتر سمجھا جاتا ہے۔

مرید تحقیق و اعتقاد کے زیر اثر یہ جانتا ہے کہ میرا مرشد واصلان حق میں سے ہے

اور حقیقی محبوب مجھے میسر ہے ولیکن مجھ میں مطلب ومقصد تک رسائی کرنے کی صلاحیت نہیں ہے۔

مزید براں مطلب کا حصول اللہ تعالیٰ کی عنائت پر موقوف ہے اگر کسی دوسرے بزرگ کی توجہ کی ضرورت ہے تو اندریں حالات کسی دوسرے بزرگ کی طرف توجہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

چنانچہ مشائخ عظام فرماتے ہیں بعض سالک ایک پیر کے ذریعے ذات حقیقی تک پہنچے اور بعض دو پیروں کے ذریعہ خدارسیدہ ہوئے حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے ایک سو مرشد کے توسط سے ذات حق تک رسائی ہوئی جب کسی ایک پیر و مرشد سے تاخیر ہوتی دیکھی دوسرا پیر بنالیا تیسرا اختیار کرلیا مگر پہلے مرشد سے دل برداشتہ بھی نہ ہوا۔ بلکہ سبھی مشائخ میرے مربی و مولیٰ مشفق و مخلص رہے۔

(ذخیرۃ المشائخ)

جاننا چاہیئے کہ دوسرے بزرگ کی طرف عقیدت وارادت کے ساتھ توجہ کرنا اس شرط پر جائز ہے کہ بندہ سالک، یتیم ہوچکا ہو یعنی اس کا مرشد وفات پاچکا ہو ایسے وقت میں اپنے پیر و مرشد کی اولاد اور اس کے خلفاء کو پیر و مرشد بنالیا جائے اور ان کے حضور مال و اسباب نذر گزارے خدمتگاری اور نعل برداری اپنے اوپر لازم کرے۔ مطلب و مقصد حاصل کرے بشرطیکہ اولاد امجاد اور خلفائے راشدین کو شیخ و مرشد سے متابعت تام اور نسبت تمام حاصل ہوچکی ہو۔

اگر کوئی مرید، اپنے پیر و مرشد کی زندگی میں کسی اور کی پیروی اور تلقین کی جانب توجہ کرتا ہے۔ تو وہ کہیں سے کوئی حصہ نہیں پاتا۔ ممکن ہے کہ پیر و مرشد کو یہ بات گراں گزرے اور اگر اپنے پیر و مرشد کی اجازت اور رخصت کے بعد، دوسرے شیخ کی خدمت میں مصروف ہو تو مرید کو یہ چاہیئے کہ جو برکت و نعمت اس پیر سے پائے وہ اپنے پیر و مرشد کی مقبولیت کے آثار سے جانے ۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا خِدْمَۃَ الشَّیْخِ فِی الدَّارَیْنِ بِحَقِّ سَیِّدِ الْکَوْنَیْنِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

# مکتوب ۲۵

جناب عالی! گذارش نیاز آثار عجز شعار اینکہ علم وہدایت سے بے بہرہ لوگ ہوا و ہوس میں مبتلا ہو کر عیش و عشرت کی رغبت میں ساری ساری رات غفلت کی نیند سوتے ہیں۔ مگر آنوالاشان کے غلام لوگ، باقیماندہ تہائی رات میں اپنے گرم بستروں اور نرم بچھونوں سے اٹھ کر نماز تہجد کے بعد (سچی نیت کے ساتھ) ذکر جہر میں مشغول ہو جاتے ہیں اور غافل لوگ، انہیں ذکر جہری سے روکتے ہیں کہ ہماری نیند خراب نہ کریں۔ اللہ رب العالمین کی عبادت کرنا ہے تو ذکر خفی سے کریں جو سب سے اچھا طریق ہے تاکہ تمہاری آواز کی شدت، ہمیں بے آرام نہ کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ علیم و بصیر اپنے بندوں کے افعال اعمال اور اقوال سے خوب واقف بینا اور شنوا ہے اور آپ کے شور شغف میں سوائے ریا و شہرت کے اور کیا غرض! ریا آمیز عبادت کا ترک کر دینا تو زیادہ اچھا ہے۔ الخ

غریب نواز! آیات و احادیث کی روشنی میں ذکر جہر کے بارے میں جو راہ صواب ہو زیب رقم فرما کر بھجوایئے تاکہ ہم سبھی غلام آپ کی تحریر کو سند قرار دیتے ہوئے اس پر عمل کر لیا کریں یا اللہ ہم سبھی مریدوں کے سر پر آنحضور کا آفتاب مکرمت جہاں تاب روشن رکھے۔

آمین ثم آمین!

# جواب ۲۵

برخوردار بعد از سلام واضح یاد

سب سے بہتر عبادت وُہ ذکرِ الٰہی ہے جو ریا اور دکھاوے سے پاک ہو۔ اللہ کا ذکر کثرت سے ہونا چاہیئے آہستہ آواز ہو یا بلند۔ بیٹھتے اُٹھتے سوتے جاگتے جہاں کہیں ہوں ذکرِ خدا سے غفلت رُوا نہیں ہے۔ حالتِ ذکر میں گریہ وزاری کرنا سعادت ہے۔

انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن رسُولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ عرفات پر چڑھ گئے میں بھی آپ کے ساتھ تھا دو رکعت نماز پڑھی قبلہ رو، کلمۂ طیب لا اِلٰہ اِلا اللہ زبان پر جاری رہا کر دونوں آنکھیں مبارک اتنی اشکبار ہوئیں کہ آنسو چشمانِ مُبارک سے گزر کر سینہ پاک اور زانو حتیٰ کہ زمین پر آ رہے تو والا شان کو گریہ فرماتے میں نے دیکھا تو بلا ساختہ مجھے بھی رقت طاری ہُوئی جب تھوڑی دیر بعد خاموش ہُوئے اور مجھے روتا دیکھ کر فرمایا۔ واہ واہ کیا ہی اچھا ہے کہ آج تمہاری آنکھوں میں بھی آنسو ہیں میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسُول! آپ کو روتا دیکھ کر مجھے بھی رونا آگیا فرمایا: طُوبیٰ لِمَن تَحَرَّکَ لِسَانُہٗ بِالذِّکرِ وَاَفَاضَت عَینَاہُ بِشَوقِ اللّٰہِ اَو کَمَا قَالَ۔ مُبارک ہے وُہ انسان جس کی زبان ذکرِ خدا سے حرکت کر رہی ہو اور اس کی دونو آنکھیں اللہ تعالیٰ کی محبت میں رو رہی ہوں اور فرمایا اپنے دلوں کو، ذکرِ خُدا سے زندہ رکھیئے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ (پارہ ۲، رکوع ۲ البقرہ ۱۵۲) فَاذکُرُونِی اَذکُرکُم تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ مُفسرین کے نزدیک آیۂ مقدسہ کی تفسیر یُوں آئی ہے۔ اُذکُرُونِی بِالتَّذَلُّلِ فَاذکُرکُم بِالتَّفَضُّلِ تم متواضع بن کر میرا ذکر کرو میں فضل و بزرگی کے ساتھ تمہارا ذکر کروں گا۔ اُذکُرُونِی بِالمَعذِرَۃِ اَذکُرکُم بِالمَغفِرَۃِ۔ اُذکُرُونِی بِالاِرَادَۃِ اَذکُرکُم بِالاِفَادَۃِ۔ تم معذرت کرتے ہُوئے میرا ذکر کرو میں تمہاری مغفرت کر کے تمہارا ذکر کروں گا تم مجھے ارادت و عقیدت سے یاد کرو میں تمہیں

فائدہ دیتے ہوئے ذکر کروں گا۔

عارف لوگ حضورِ قلب سے ذکر کرتے ہیں پلک جھپک بھی ذکر سے غافل نہیں ہوتے کیونکہ ان کی زندگی، اللہ کے نام میں ہے اور ان کی خوشی اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہے۔

آناں کہ بجان و دل اورا یاد کنند

جان و دل خود بیاد او شاد کنند

شیخ ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تیری یاد سے غافل ہو کر بھی نہیں رہا جا سکتا اور اگر تجھے یاد کرنا چاہوں تو تیری (بے نیازی) سے ڈر سا لگتا ہے مجھ جیسے فانی کی زبان پر تجھ جیسے باقی کا ذکر کس طرح جاری رہے۔؟

بہ تواں پگاہ گفتن نام تو رشک آیدم زدہان خود!

بزبان ہر کسے وفا کے ذکر تو بہر چرا رود

صبح سویرے تیرا نام کہتے ہی اپنے منہ پر رشک کرتا ہوں۔ تیرا ذکر مبارک ہر لائق و نالائق کی زبان پر کیونکر ہو سکتا ہے۔

بیان کیا جاتا ہے کہ کسی بزرگ نے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ علیہ کو خواب میں دیکھ کر عرض کیا اے خیر و برکت سکھلانے والے! مجھے بھی کچھ سکھلایئے فرمایا "ہر قسم کی خیر و برکت، ذکر الٰہی میں ہے اور ہر قسم کی شرارت و نحوست، دُنیا کی محبت میں ہے

یہ بھی جاننا چاہیئے کہ تمام اعمال خیر اور عبادات کا مقصود، ذکر حق تعالیٰ کلمہ ہے مثلاً نماز ہے، مگر وہ بھی اللہ کریم کا ذکر ہے۔ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (پ ۲۱ رکوع ۱) بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے اور بیشک اللہ کا ذکر سب سے بڑا ہے۔ قرآن مجید کی تلاوت بڑی چیز ہے اس لئے کہ وہ اللہ کا کلام ہے اور قرآن مجید کی تلاوت کرنے میں شہوات و خواہشات کی شکست و ریخت ہوتی ہے مگر جس وقت دل اور روح تمام حیوانی شہوانی خیالات سے یکسر پاک و صاف ہو تو وہ دل اور روح، ذکر الٰہی کا مسکن اور جائے قرار بن جاتا ہے

اسی طرح خانہ کعبہ کی زیارت کا مقصد اعلیٰ بھی اللہ تعالیٰ کی یاد ہے اسلام کی بنیاد

کلمہ طیبہ "لا الٰہ الا اللہ" ہے مگر وُہ بھی اللہ کا ذکر ہے۔ علی ہٰذا القیاس تمام عبادتوں کیلئے تاکیدی حکم ہے کہ انہیں ہمیشہ کیا جائے اسی لئے کہ ان میں اللہ کا ذکر موجود ہے۔ بہرحال ذکر الٰہی میں فلاح وبہبود پوشیدہ ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اُذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (پارہ رکوع ) اللہ تعالیٰ کی یاد کثرت سے کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔ اور یہ ذکر خداوندی کسی خاص وقت کے لئے محدود نہیں لکھتے پڑھتے بولتے چلتے، سوتے جاگتے ہر حالت میں رضائے خداوندی کو مقدم رکھا جائے اور اسی کا دوسرا نام ذکر الٰہی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ وَالَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ (پارہ ۴ رکوع ۱۱) جو لوگ اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں کھڑے بیٹھے اور کروٹ کروٹ پر ——— الخ

جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ طُوبٰى لِمَنْ مَاتَ وَلِسَانُهُ رَطْبٌ بِذِكْرِ اللّٰهِ خوشخبری کا حقدار ہے وُہ شخص جو مرا اور اس کی زبان اللہ تعالیٰ کے ذکر میں تر تھی یعنی مشغول تھی۔

عَنْ اَبِى الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرِ اَعْمَالِكُمْ وَاَزْكَاهَا عِنْدَ مَلِيكِكُمْ وَاَرْفَعِهَا فِىْ دَرَجَاتِكُمْ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ اِنْفَاقِ الذَّهَبِ وَالْوَرِقِ وَخَيْرٍ لَّكُمْ مِّنْ اَنْ تَلْقَوْا عَدُوَّكُمْ فَتَضْرِبُوا اَعْنَاقَهُمْ وَيَضْرِبُوا اَعْنَاقَكُمْ قَالُوا بَلٰى قَالَ ذِكْرُ اللّٰهِ (رواہ مالک والترمذی۔ (مشکوٰۃ شریف باب الذکر فصل ثانی)

سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں بتاؤں کہ سب سے بہتر عمل اور اللہ پاک کے نزدیک پاکیزہ نہایت بلند مرتبہ اور تمہارے لئے سونا چاندی خرچ کرنے سے بہتر عمل اور جہاد میں لڑنے اور مارے جانے سے بہتر عمل کونسا ہے صحابہ نے عرض کیا جی ہاں یا رسول تو فرمایا وُہ صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔

عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِىْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُوْلُ ذَاكِرُ اللّٰهِ فِى الْغَافِلِيْنَ كَالْمُقَاتِلِ خَلْفَ الْفَارِّيْنَ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِى الْغَافِلِيْنَ كَغُصْنٍ اَخْضَرَ فِىْ شَجَرٍ يَابِسٍ وَذَاكِرُ اللّٰهِ فِى الْغَافِلِيْنَ مِثْلُ مِصْبَاحٍ فِىْ بَيْتٍ مُّظْلِمٍ ——— ذَاكِرُ اللّٰهِ فِى الْغَافِلِيْنَ

يُرِيهِ اللهُ مَقْعَدَهُ فِي الْجَنَّةِ وَهُوَ حَيٌّ وَذَاكِرُ اللهِ فِي الْغَافِلِيْنَ يُغْفَرُ لَهُ بِعَدَدِ كُلِّ فَصِيحٍ وَأَعْجَمٍ وَالْفَصِيحُ بَنُو آدَمَ وَالْأَعْجَمُ الْبَهَائِمُ رَوَاهُ رَزِيْنٌ (مشکوٰۃ) (باب الذکر الفصل الثانی صـ۱۹۹)

غافلوں میں اللہ پاک کا ذکر کرنیوالا ایسے ہے (جیساکہ مردوں میں کوئی زندہ موجود ہو یا میدانِ جنگ سے بھاگنے والوں کے پیچھے ایک شخص جنگ میں ثابت قدم ہو غافلوں میں ذکر کرنیوالا ایسے ہے جیساکہ سوکھے درخت میں ایک سرسبز ٹہنی ہو، غافلوں میں ذکر کرنیوالا ایسے ہے جیساکہ اندھیر خانہ میں دیا جل رہا ہو۔ غافلوں میں ذکر کرنے والے کو اللہ تعالیٰ اپنا جنت میں ٹھکانہ دکھلا دیتا ہے اور زندہ ہے۔ غافلوں میں ذکر کرنے والے کے گناہ فصیح وعجم کی گنتی برابر بخش دیئے جاتے ہیں۔ فصیح سے مراد بنی نوعِ انسان اور عجم سے مراد حیوانات ہیں۔ یہ روایت زرین کی ہے۔ (مشکوٰۃ صـ۱۹۹)

معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل جنت کو سب سے زیادہ حسرت وندامت اس لمحہ پر ہوگی جو خدا کو یاد کئے بغیر گزر گیا ہو (احیاء العلوم للغزالی)

نبی پاک فرماتے ہیں جو لوگ ذکر خدا بکثرت کرتے ہوں انہیں قبر میں کیڑے نہیں کھائیں گے اور ان کے منہ سے نور کے شعلے نکل کر چمکیں گے۔

اللہ تعالیٰ کا ذکر، دل کے لئے صیقل ہے عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ لِكُلِّ شَيْءٍ صَقَالَةٌ وَصَقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ وَمَا مِنْ شَيْءٍ أَنْجَى مِنْ عَذَابِ اللهِ مِنْ ذِكْرِ اللهِ ــــ رواه البیہقی فی الدعوات الکبیر (مشکوٰۃ ترغیب)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ نبی پاک نے فرمایا ہر چیز کے لئے پالش ہے اور دلوں کو جلا دینے والی پالش، اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ عذاب الٰہی سے سب سے زیادہ نجات دلانے والی چیز صرف اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے ــــــــ

مختصر اینکہ نماز روزہ حج اور جہاد یہ سبھی اعمال وعبادات، ذکر خدا ہی میں ہیں۔

فائدہ: جاننا چاہیئے کہ ذکر، چار طریقوں سے کیا جاتا ہے۔

اوّل زبان ذکر کرے اور دل غافل ہو اگرچہ یہ طریق، کمزور ہے مگر اثر رکھتا ہے۔

دوم زبان ذکر کرے اور دل بھی متوجہ ہو مگر سکون و قرار سے نہیں بلکہ بتکلف اور (زور دیگر دل کو اس ذکر کی طرف دھیان لگنے پر مجبور کیا جائے)

سوم زبان کے ساتھ دل بھی یادِ الٰہی میں پورے سکون کے ساتھ متوجہ ہو یہ عظیم درجہ ہے

چہارم دل میں ذکر کا اس طرح قبضہ ہو کر ذکر اور مذکور (حقتعالیٰ) کے سوا ذاکر کے دل میں کوئی چیز موجود نہ رہے۔

حضرت واسطی قدس سرّہٗ نے فرمایا کہ ذکر کی حقیقت یہ ہے کہ ذکر کو بھول کر مذکور کے ساتھ اس طرح جڑ جائے اور اس ذکر میں اسقدر ڈوب جائے کہ دُنیا جہان اسے زہرِ قاتل معلوم ہو اپنا وجود تک اچھا نہ لگے۔ آئمہ طریقت اس درجہ چہارم کو "فنافی اللہ" کا نام دیتے ہیں اور یہ قسم ذکرِ حقیقی کہلاتی ہے نہ کہ ذکر مجازی (احیاء العلوم)

کتب مشائخ میں آیا ہے کہ بعض صوفیاء نے ذکر جہر کو اختیار کیا ہے اور بعض نے ذکر خفی کو پسند فرمایا ہے۔ اکثر سادات ارادت اور عُلماء کرام رحمتہ اللہ علیہم ذکر جہر کو ذکر خفی پر ترجیح دیتے ہیں۔ (مثال دے کر سمجھایا گیا ہے کہ کنواں سُوئی سے نہیں کھودا جاتا اٹے ہوئے کنویں کو کھودنے کی کدال، ذکر جہر ہے) چنانچہ وہ آیات واحادیث اور آثار لکھ دیتے ہیں جنہیں ذکر جہر کو افضل قرار دینے میں بطور دلیل و تائید لایا جاتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى (پارہ ۳۰ سورۃ اعلیٰ) آیت مبارکہ کا مفہوم بتلاتے وقت مفسرین چار طرح کی تاویل کرجاتے ہیں اور ان تمام کا حاصل ایک ہی ہے کہ اِرْفَعْ صَوْتَكَ بِذِكْرِ رَبِّكَ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے وقت اپنی آواز اُونچی رکھا کرو۔ فقہ کی کتابوں میں آیا ہے اگر شرعی اور طبعی عذر نہ ہو تو ذکر جہری سب سے افضل طریق ہے۔

علامہ نووی بستان العارفین میں فرماتے ہیں کہ نبی پاک صحابہ سمیت صبح و شام نماز کے بعد ذکرِ الٰہی، باآواز بلند کیا کرتے کہ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اور "لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ"۔

عبد اللہ بن زبیر سے مروی ہے کہ نماز کے بعد باآواز بلند نبی پاک ذکر

بآواز بلند فرمایا کرتے : لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا نَعْبُدُ اِلَّا اِيَّاهُ وَلَهُ النِّعْمَةُ وَلَهُ الثَّنَاءُ وَالْخَيْرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ وَلَوْ كَرِهَ الْكَافِرُوْنَ (مشکوٰۃ شریف)

حضرت ابراہیم بن یوسف رحمتہ اللہ علیہ حج کے دنوں میں بھی بازار چلے جاتے اور باآواز بلند ذکر فرمایا کرتے تھے۔

ذکر بالجہر کے ثبوت میں دوسری آیت کریمہ یہ ہے کہ

اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (پارہ ۹ رکوع )

لطائف قشیری اور خزانتہ الجلالی میں آیا ہے کہ آیت میں معنی کئے جاتے ہیں "ظاہر اور پوشیدہ' اپنے رب کو پکارو" تضرع، ضراعتہ سے مشتق ہے اور اس کے معنی ہیں شدت حاجت کا اظہار اور خفیہ کا لفظ متضاد لمعنی ہے۔ بمعنی "پوشیدہ اور جہری" لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" کی تفسیر کی گئی ہے۔ لَا يُحِبُّ مَنْ تَعَدّٰى بِدُعَاءِ السُّوْءِ عَلَى الْمُسْلِمِيْنَ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو دوست نہیں رکھتا جو مسلمانوں کو بددعا دینے میں حد سے تجاوز کر جائے۔

تفسیر زاہدی میں ہے۔ فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ، یعنی بندہ کا کوئی حال یاد الٰہی سے خالی نہ ہونا چاہیئے جنگل دریا گھر سفر پوشیدہ آہستہ اور بلند آواز غرضیکہ ہر طرح اور ہر جگہ، ذکر الٰہی کرنا چاہیئے۔

تفسیر در منثور میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول" فَسَبِّحْ بِحَمْدِكَ" میں تسبیح کے معنی میں رفع الصوت بذکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر بلند آواز سے کیا جائے"

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ لَاَوَّاهٌ حَلِيْمٌ (پارہ رکوع ) بیشک ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا خوف کرنے والا درگذر کرنیوالا ہے۔ تفسیر در معانی اور در منثور میں آیا ہے کہ اَوَّاہ کے معنی ہیں ایسا شخص جس کی آواز، ذکر دعا تسبیح و تحلیل میں بلند ہو جایا کرتی ہو۔

احادیث مبارکہ ذکر جہر کے بارے میں ،۔ روضتہ العلماء باب اکیاسی میں حدیث درج ہے۔

کہ عبداللہ ابن عمر کی روایت ہے کہ نبی پاک نے فرمایا جس شخص نے اللہ کی راہ میں باآواز بلند "اللہ اکبر" کہدیا اللہ تعالیٰ اس کے لئے اپنی بڑی رضا لکھ دے گا اور جس شخص کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی بڑی رضا لکھ دے گا وہ سعادت مند شخص اور سیدنا ابراہیم و باقی انبیاء علیہم السلام ایک ہی مقام پر جنت میں اکٹھے ہوں گے۔

تفاسیر میں ہے جب کفر غالب تھا۔ اذان نماز تلاوت ذکر اور تسبیح و تہلیل آہستہ آواز سے ہوا کرتی تھی جیسا کہ رب العالمین کا ارشاد ہے۔ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً دُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ اور جب اسلام کو غلبہ ہوا اور کفر مغلوب ہونے لگا تب فرمان خداوندی نازل ہوا کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى اپنے رب کریم کا ذکر باآواز بلند کیا کرو اور اس باب میں جو احکام وارد ہیں انہیں یاد کرلو۔ انہیں میں ایک حدیث جو تفسیر درمنثور میں درج ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بارگاہ رسالت میں عرض کرتے ہیں جب میں ذکر خدا آہستہ آواز میں کرتا ہوں تو میری توجہ لوگوں کی کلام کی طرف چلی جاتی ہے اور میں پریشان خاطر ہو جاتا ہوں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِرْفَعْ صَوْتَكَ بِذِكْرِ مَوْلَاكَ اپنے مولیٰ و مالک کا ذکر بلند آواز سے کیا کرو اور پھر یہ آیت پاک پڑھ دی سبح اسم رَبِّكَ الْأَعْلَى جیسا کہ شیخ فریدالدین عطار فرماتے ہیں۔

مومنا ذکر خدا بسیار گو

تا بیابی در دو عالم آبرو

میرے مومن بھائی: اللہ پاک کا ذکر بہت کیا کر تاکہ تجھے دونوں جہان میں عزت ملے۔ بہرحال دارین میں عزت یابی کا دارومدار "ذکر خدا" پر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا اللَّهَ ذِكْرًا كَثِيرًا وَسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا (پارہ ۲۲ رکوع ۲)

اے ایمان والو۔ اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی پاکی بیان کرو۔

اس آیت پاک میں کافروں کو چھوڑ کر مومنوں سے خطاب کرنا۔ دوستی کی خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں مومنین و مومنات کا حامی و ناصر ہے کافروں کا نہیں

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ (پارہ ۳ آیت الکرسی)

• اللہ مومنوں کا والی اور مددگار ہے انہیں اندھیروں سے نور کی طرف نکالتا ہے اور یہ بات طے ہے کہ دوست، دوست کو کثرت سے یاد کرتا رہتا ہے مَنْ اَحَبَّ شَیْئًا اَکْثَرَ ذِکْرَہٗ اللہ رب العالمین کا اپنے بندگانِ خدا کو یاد کرنا ہی اس کے لطف و کرم کی شان ہے۔ (رسالۃ الاذکار سیدنا محمد گھلوی رحمۃ اللہ علیہ۔ خیر الاذکار)

فائدہ :۔ یہ بھی جاننا چاہیئے کہ مومن انسان کو مینڈک سے کم درجہ نہیں ہونا چاہیئے جس کے بارے میں نبی پاک نے فرمایا لَا تَقْتُلُوا الضِّفْدَعَ فَاِنَّہٗ کَثِیْرُ التَّسْبِیْحِ مینڈک کو قتل نہ کرو وہ اللہ پاک کی پاکیزگی بہت زیادہ بیان کیا کرتی ہے۔ پوچھا گیا مینڈک کی تسبیح کس طرح ہے تو سرکار نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مینڈک روز و شب ذکرِ خدا میں رویا کرتی ہے اور کہتی رہتی ہے۔ سُبْحَانَ الْمَعْبُوْدِ فِیْ لُجَجِ الْبِحَارِ دریاؤں کی گہرائی میں، اے عبادت کے لائق تجھے پاکی سجتی ہے۔

نقل ہے سیدنا موسیٰ علی نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام، ایک دن جنگل میں ذکرِ خدا کرتے کرتے اس خیال میں رہ گئے کہ کیا اس جنگل میں میرے سوا اب کوئی اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہوگا؟ حق تعالیٰ نے وحوش و اور زمین و آسمان میں بسنے والی مخلوق خصوصًا رِجَالُ الْغَیْبِ کو حکم دیا کہ بلند آواز سے میرا ذکر کیا جائے۔ شور و غل اٹھا اور سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی آواز ذکر، ان کی بلند آواز ذکر میں محو ہو کر رہ گئی۔ سرِ ندامت اللہ تعالیٰ کے حضور زمین پر رکھ دیا اور استغفار کرنے لگے بارگاہِ ایزدی میں عرض کیا۔ کیا زمین کے نیچے بھی تیرا ذکر ہوا کرتا ہے؟ حکم ہوا جی ہاں پانی پر عصا مارئیے جب عصا مارا پانی پھٹ گیا اور کالا پتھر نکل آیا۔ پھر حکم ہوا کہ پتھر پر عصا مار اور پتھر پر عصا مارا پتھر پھٹ گیا اللہ تعالیٰ کا ذکر با آواز بلند کرتے ہوئے اس میں سے ایک مُرغ نکل آیا۔ موسیٰ کلیم علیہ السلام نے پوچھا کتنی عمر سے یادِ خدا میں لگے ہوئے ہو جواب دیا تین سو سال گذرے کیا کام کرتے رہتے ہو جواب دیا اللہ اللہ کیا کرتا ہوں اس سے بہتر عمل اور کوئی نہیں۔ مجھے

طعام و شراب کھانے پینے کو دیا جاتا ہے مگر میں چونچ تک نہیں لگاتا ہوں مبادا عزرائیل علیہ السلام روح لے لے اور وہ لمحہ یادِ الٰہی سے غفلت میں لکھا جائے۔ یہ بات کہتے ہوئے مرغ پتھر میں، پتھر پانی میں اور پانی زمین کے نیچے اپنے اپنے مقام کو واپس ہو گئے

اِنَّ اللہَ اَحْسَنُ الخَالِقِیْن ۔

ہوش کے کان کھول کر سن لیا جائے کہ سات آسمان اور سات زمین کے جانور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہیں انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی یاد میں، قرار و آرام آتا ہے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا اللہ تعالیٰ کی یاد ہے۔ اَلَا بِذِکْرِ اللہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ضروری ہے کہ ہمیشہ ذکر میں مصروف رہیں اور ایک لمحہ بھی یادِ خدا سے غافل نہ ہوں۔

لب مجنبان جز بذکر کردگار!

زانکہ پاکاں را ہمیں بود ست کار!

نظام القلوب میں ہے کہ خواجگان چشت اہلِ بہشت ذکر جہر کے جواز میں آیات واحادیث اور روایات، بہت کچھ بطور استدلال بیان کرتے ہیں لہٰذا باآواز بلند ذکر نفی و اثبات میں مشغول ہونا چاہیئے۔ شمس الائمہ حلوائی رحمۃ اللہ علیہ نے اشارہ فرمایا۔

کسی سائل نے علماء کرام کی موجودگی میں خواجہ محمود قدس سرہ العزیز سے سوال کیا کہ ذکر باآواز بلند کس نیت سے کیا جائے؟ آپ نے جواب دیا۔

حَتّٰی یَقُوْمَ النَّائِمُ وُیُنَبِّہ الْغَافِلُ وَیَتَوَجَّہُ اِلَی اللہِ تَعَالٰی وَیَسْتَقِیْمُ عَلَی الطَّرِیْقَۃِ وَالشَّرِیْعَۃِ وَیَرْجِعُ اِلٰی التَّوْبَۃِ الَّتِیْ ھِیَ مِفْتَاحُ الْخَیْرَاتِ وَآیَۃُ السَّعَادَاتِ ۔

باآوازِ بلند ذکر اس نیت سے کیا جائے کہ سونے والا بیدار ہو اور غافل تنبیہ پاکر اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جائے اور شریعت و طریقت پر اسے استقامت نصیب ہو اور غافل آدمی ذکر بالجہر سن کر توبہ کی طرف رجوع کرے یہی توبہ، خیرات و برکات کی کنجی اور سعادات کی علامت ہے۔

احادیث مبارکہ اور آیات مقدسہ کی روشنی میں ذکر بالجہر سے درج ذیل فوائد حاصل ہیں۔

۱۔ ذکر بالجہر سے دل کو جلا ملتی ہے اور اسے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔

۲۔ ذکر بالجہر سے غافلوں کو تنبیہ ہو جاتی ہے۔

۳۔ ذکر بالجہر، دراصل اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے جنگ کا اعلان ہے۔

۴۔ ذکر بالجہر سے دینِ اسلام کا اظہار ہوتا ہے۔

۵۔ ذکر بالجہر سے نفسانی اور شیطانی فضول منکرات اور وسوسے دور ہو جاتے ہیں۔

۶۔ ذکر بالجہر سے اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے اور ماسوی اللہ سے رابطہ ختم ہو

۷۔ ذکر بالجہر سے بندہ سالک اور اللہ تعالیٰ کے درمیان "حجابات" اٹھ جاتے ہیں۔

۸۔ اعصابی بیماریاں اور قلبی پریشانیوں کا واحد علاج ذکر بالجہر ہے۔

۹۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کی توجہ نصیب ہوتی ہے۔

۱۰۔ ذکر بالجہر سے اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان سے حجابات اُٹھ جاتے ہیں۔

مولانا حافظ الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔

ذکر کے آداب۔ افضل یہ ہے کہ کمرہ بند کر دیا جائے اور کمرہ اتنا تنگ نہ ہو کہ قیام و قعود دشوار ہو البتہ ہر طرف سے بند ہو تاکہ باہر کا شور و غل اندر نہ آنے پائے اور مزاحمت کا خوف نہ ہو۔

اب "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا ذکر شروع کیا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ پیر و مرشد کی روحانیت کو اپنی کارگزاری پر مدد کے لئے حاضر جانے۔ ذکر کرتے وقت معنی کا تصور کرے۔

کلمہ طیب کے معنی یہ ہیں۔ لا معبود اِلَّا اللّٰہ لا مقصود اِلَّا اللّٰہ لا موجود اِلَّا اللّٰہ پہلے معنی کا تصور ابتدائی حالت کے لئے ہے اور دوسرے معنی کا تصور درمیانی حالت اور تیسرے معنی کا تصور، آخری حالت یعنی عین الیقین کے لئے مخصوص ہے اور ہمارے سلسلہ میں یہی طریق ذکر، بآواز بلند مطلوب ہوتا ہے۔

منجملہ ذکر بالجہر کے نفی و اثبات کا ذکر ہے اور اس کا طریق یہ ہے کہ پہلے پہل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے ساتھ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ" تین دفعہ پڑھا جائے بایں صورت ذکر کیا جائے۔ "لا" کا لفظ ناف سے نکال کر اس کو اوپر کھینچے کر

فائدہ :۔ جاننا چاہیئے کہ ذکر کے خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے لئے کوئی حد مقرر نہیں ہے نہ اس کی انتہا اور نہایت ہے۔ بلکہ ذکر کرنے کا حکم ہے۔ مگر اس میں مداومت ہے اور ذکر میں اجر عطا ہونے کا عہد بھی ہے۔ رات میں۔ دن میں سفر میں، گھر میں، مالداری ہو یا فقیری، کھلے چھپے غرضیکہ ہر حال میں ذکر کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

البتہ چند اوقات ہیں جن میں ذکر نہیں کیا جاتا مثلاً اقتضائے حاجت بشریہ، بحالت جماع، خطبہ پڑھتے سنتے وقت، عیدین اور جمعہ کا خطبہ سنتے وقت اور قیام نماز کے وقت غرضیکہ ان اوقات میں ذکر نہیں کیا جاتا۔

البتہ حمام میں تلاوتِ قرآن باآواز بلند مکروہ ہے مگر آہستہ آہستہ جی میں پڑھنا مکروہ نہیں حمام میں تسبیح وتہلیل پڑھنا مکروہ نہیں خواہ باآواز بلند بھی پڑھے۔ بے وضو، حیض و نفاس کی حالت میں ذکر کرنا بھی چنداں مکروہ نہیں۔ ریاکاری کے خوف سے ذکر ترک کر دینا مناسب نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اللہ پاک کا ذکر ہر وقت جاری و ساری رہنا چاہیئے۔

[ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ حمام میں اکثر نجاست ہوا کرتی ہے اور بعض ستر کھولے ہوتے ہیں تاہم جب تسبیح وتہلیل کا ورد باآواز بلند حمام میں جائز ہے تو پھر گھروں میں مسجدوں میں گوشوں اور کونوں میں مکان کی خلوتوں میں، ذکر کا باآواز بلند جائز ہونا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا۔ (مترجم) ]

# مکتوب (۲۶)

جنابِ عالی ادامہ اللہ تعالیٰ

گذارش نیاز آثار عاجزانہ اینکہ بعض غلام مرید، جوکہ بظاہر آپ سے دُور ہیں مگر حُسنِ عقیدت اور صدق معنویت وارادت کے لحاظ سے حاضر در حضور ہیں، آنوالاشان کے لُطف وکرم کی بدولت مجھ سے التماس کرتے ہیں کہ گذشتہ زمانے میں بزرگان عالی شان کے آستان عالیہ پر فقرا خلوت نشین ہوتے تھے اور مطلب پاجاتے تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی اگر ہمیں بھی چلہ کشی کی اجازت ہو تو یقیناً حسبِ ارشاد عمل کریں گے اور خوش نصیب مل پائے گا نعمت سمجھ کر راضی رہیں گے۔

حضورِ غریب نواز! ہم سبھی غلاموں کے حالات، آپ کے روشن ضمیر پر، روزِ روشن کی طرح واضح ہیں۔ لہٰذا حسبِ استعداد ما غریباں، ہمیں چلہ کشی کی اجازت عنایت ہو، اور چلہ کشی آداب اور طور طریقہ واضح واضح تحریر فرمایا جائے تو ہم استفادہ کر سکیں گے۔

زیادہ حد آداب!

# جواب (۲۶)

برخوردار بعد از دعا و سلام واضح باد کہ چلہ کشی چالیس روز سے کم نہیں ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً وَّاَتْمَمْنٰھَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّہٖٓ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَۃً (پارہ ۹ رکوع ۷) اور ہم نے موسیٰ سے تین رات کا وعدہ کیا اور ان میں دس روز بڑھا کر پوری کیں تو اس کے رب کا وعدہ چالیس رات کا ہوا۔

چالیس دن میں عجیب و غریب تاثیر پائی جاتی ہے۔ حدیث نبوی میں ارشاد ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰہِ اَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا ظَھَرَتْ یَنَابِیْعُ الْحِکْمَۃِ فِیْ قَلْبِہٖ وَعَلٰی لِسَانِہٖ اَخْرَجَہٗ رَزِیْن

التکشف للتھانوی ص۳۹۹۔

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس روز تک اللہ تعالیٰ کے لئے خلوص (کے ساتھ عبادت) اختیار کرے اس کے دل سے علم کے چشمے (جوش زن ہوکر) اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں۔ روایت کیا اسکو رزین نے۔

یاد رہے کہ طالب کے لئے ہر سال چار چلّے حسب مقدور کر لینے چاہئیں۔ ہوسکے تو چاروں چلّے روزوں سے ہوں ورنہ جتنی دن روزہ رکھ سکے زہے نصیب! خلوت و عزلت اختیار کرے۔ جو شخص ہر سال ان چار چلّوں کا عادی بن جائے اسے جلوت میں خلوت میسر آجاتی ہے اور اسے کوئی شغل اشغال، طاعت و عبادت سے غافل نہ کرسکے گا اور خلوت گاہ میں مراقبہ کی صورت اختیار کرے۔ چار چلّے، بزرگوں سے اسطرح منقول ہیں

اول، اکیسویں (۲۱) شعبان المعظم سے لے کر شب عیدالفطر تک ہے۔

دوم ۔ یکم ذوالقعدہ سے لے کر شب عید الضحیٰ تک ہے۔

سوم ۔ چودہ ذوالحج سے محرم الحرام کی چوبیس ۲۴ تک ہے۔

چہارم ۔ یکم ماہ رجب سے لے کر دس شعبان تک ہے۔

[ سبع سنابل مصنفہ میر عبدالواحد بلگرامی میں چلہ کی تعداد و ترتیب قدرے مختلف ہے جو کہ درج ذیل ہے :

یاد رہے کہ رسول پاک سے تمام سال میں پانچ چلے مروی ہیں۔ ایک چلہ حضرت آدم اور سیدنا عیسٰی علیہما السلام کا ہے جمادی الاول کی بیس ۲۰ تاریخ سے لے کر ماہ رجب کے ختم ہونے تک ہے۔

دوسرا چلہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ہے بیس شعبان سے شروع ہو کر شب عید الفطر تک ختم ہوتا ہے۔

تیسرا چلہ سیدنا یونس علیہ السلام کا پندرہ ذوالحج سے محرم الحرام کی پچیس تک ہے۔

چوتھا چلہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا شب غرہ یکم ذوالقعدہ سے، شب عید الضحیٰ تک ہے۔

پانچواں چلہ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیسویں ماہ رمضان سے آخر ماہ شوال تک ہے۔ (مترجم) ]

آداب :-

چلہ کشی کے لئے مساجد، خانقاہ اہل اللہ کے حجرات اور روضہ جات بہتر خلوت گاہیں ہیں۔ ان چار مقامات کے آداب اور تعظیم و تکریم بجا لانا ضروری ہے۔

ذخیرۃ المشائخ میں آیا ہے کہ دعوت شروع کرنے سے پہلے جلاب لے لیا جائے ممکن ہو تو طیبٰت روزہ رکھے یعنی متواتر تین دن کا روزہ رکھے (صرف پانی و کھجور سے افطار کرے اور بس) غسل پاک کر کے اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ پڑھ لے۔ پاکی سے مراد یہ ہے کہ اہل دعوت کو نہ تو احتلام والا غسل ہو اور نہ جنب والا اور صاف ستھرے

کپڑے پہن لے عطر اور خوشبو استعمال کرے۔ خلوت گاہ تاریک ہو تو بہتر ہے جس کا طول وعرض تین ہاتھ ہو اور چھوٹا سا دریچہ ہو تاکہ اس میں روشنی وہوا آسکے۔

شرائط۔

چلہ کشی کے لئے جو شرائط ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سیدھا پاؤں حجرہ خلوت میں رکھے تو پڑھے اعوذُ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم ط بِسْمِ اللّٰہِ الرّحمٰنِ الرّحیم ط اور پھر پُوری سُورۃ النّاس تین بار پڑھے اس کے بعد بایاں پاؤں اندر داخل کرے اور یہ دُعا پڑھے۔

اَللّٰھُمَّ اِنّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ نَفْسِیْ وَمِنْ کُلِّ شَیْیءٍ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ وَلِیّیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کُنْ لِّیْ کَمَا تُحِبُّ لِمُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ وَاَرْزُقْنِیْ مُحَبَّتَکَ بِرَحْمَتِکَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ اَللّٰھُمَّ اُرْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَاشْغِلْنِیْ بِجَلَالِکَ وَجَمَالِکَ وَاجْعَلْنِیْ مِنَ الْمُخْلِصِیْنَ اَللّٰھُمَّ اُفْتُحْ نَفْسِیْ بِجَذْبَاتِ ذَاتِکَ یَااَنِیْسَ مَنْ لَّااَنِیْسَ لَہٗ رَبِّ لَاتَذَرْنِیْ فَرْدًا وَّاَنْتَ خَیْرُالْوَارِثِیْنَ۔

اے اللہ کریم میں اپنے نفس امارہ کے شر اور تمام قسم کے شر سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ اے اللہ دُنیا وآخرت میں تو ہی میرا کارساز اور مددگار ہے جیسا کہ تو سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتا ہے اور مجھ کو بھی اپنی محبت عطا فرما اور الٰہی اپنے جلال وجمال میں مشغول رکھ اور مجھے مخلصین میں سے بنا دے۔ الٰہی اپنی ذات کے جذبات سے میرے نفس کو مٹا ڈال۔ اے انیس اس کے جس کا کوئی انیس نہیں اور اے رب مجھے تنہا نہ چھوڑ تو بہتر وارثوں میں سے ہے۔

اس کے بعد مصلے پر کھڑا ہو کر قبلہ رو ایک دفعہ بروایت شاہ ولی اللہ فی شفاء العلیل اکیس ۲۱ دفعہ پڑھے۔

اِنّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ط

مَیں نے یک سو ہو کر اپنا مُنہ اس کی طرف کیا جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور مَیں مشرکین میں سے نہیں ہُوں۔

اس کے بعد دو رکعت نماز جلالت الٰہی کے لئے پڑھے پہلی رکعت میں فاتحہ شریف کے بعد آیت الکرسی اور دوسری رکعت میں آمن الرسول آخر سُورہ تک پڑھے۔ بعد فراغت از نماز، لمبا سجدہ کرے اور دُعائیں خُوب کوشش کرے جو کہ یوں ہے۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ اَنِیْسًا فِیْ خَلْوَتِیْ وَمُعِیْنًا فِیْ وَحْدَتِیْ

[ الٰہی میری خلوت میں میرا انیس رہ اور میری تنہائی میں میرا معاون ہو۔ الٰہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنا دے اور مجھے اس کام کی توفیق دے جو تجھے محبُوب اور پسندیدہ ہے الٰہی مَیں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہُوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ الٰہی مجھے بندگی نفس سے دُور رکھ۔ الٰہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹا دے اور میرے دل کا زنگ دُور کر دے تاکہ مَیں "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ" کا جمال دیکھ سکوں۔

دُعا کے الفاظ یہ ہیں:

[ اَللّٰھُمَّ کُنْ لِیْ اَنِیْسًا فِیْ خَلْوَتِیْ وَمُعِیْنًا فِیْ وَحْدَتِیْ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ لِیْ خَلْوَتِیْ ھٰذِہٖ مُوْجِبَۃً لِمُشَاھِدَتِکَ وَوَفِّقْنِیْ فِیْہِ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ سُخْطِکَ وَاَسْئَلُکَ رِضَاکَ اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنِیْ اَنْ اَعْبُدَ الْھَوٰی اَللّٰھُمَّ اکْشِفِ الْغِطَاءَ عَنْ عَیْنِیْ وَادْفَعِ الْغَیْنَ عَنْ قَلْبِیْ حَتّٰی اُشَاھِدَ جَمَالَ "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ"۔ (مترجم) ]

خلوت خانہ میں تنہا ہے قبلہ رو پالتی مار کر بیٹھے ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھے خلوت خانہ کو اپنی قبر تصور کرے اور اپنے آپ کو مُردہ۔ سوائے ضروری حاجت اور غسل وضو کے اس خلوت خانہ کے باہر قدم نہ رکھے۔ خلوت خانہ تنگ و تاریک ہونا چاہیئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دروازے پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں ذرہ برابر روشنی تک نہ آ سکے اور نہ کسی کی آواز پہنچ سکے کہ وہ آواز جو اس کو دوسری طرف مشغول کر دے دیکھے

سُننے یا کہنے میں۔ اس لئے کہ جب وُہ سالک، محسُوسات میں مشغول ہوگا تو عالم غیب کے فیضان سے محروم رہ جائے گا۔ اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو مخلوق سے گھبرائے اور پُوری طرح حق کی طرف متوجہ ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ باوضو رہے کہ بے وضو ہونا، شیطان کے غلبہ کی راہ ہے تاکہ وُہ شیطان اس وضو والے سالک پر غالب نہ رہے۔

تیسری شرط ہمیشہ ہمیشہ ذکر "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" کرنا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰہَ قِیَامًا وَّقُعُوۡدًا وَّعَلٰی جُنُوۡبِہِمۡ اور اس آیت میں دوام ذکر کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔

چوتھی شرط یہ ہے کہ اندیشوں کی نفی اور ان کا دفاع ہو۔ چاہے کہ جو اندیشہ اور خطرہ دِل میں لاحق ہو خواہ نیک یا بد فوراً اسے کلمۂ طیب "لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ" سے نفی کرے اِس لئے کہ جس چیز کا نقش دِل میں پڑتا ہے (خواہ نیک یا بد) وُہ دِل کو زنگ آلود بنا دیتا ہے اور نقوش و ہبہ کو قبُول کرنے سے سدراہ بن جاتا ہے۔ اور جب تک صفحۂ دِل، ان شہوانی حیوانی نقشوں سے یکسر پاک صاف نہ ہو تو وُہ دِل مشاہدہ غیبی کے نقوش اور علم لدُنّی قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتا اور نہ مکاشفات روحانیہ کے انوار اور تجلیاتِ ربّانیہ کو قبول کی استعداد رکھتا ہے۔

پانچویں شرط :۔ ہمیشہ خاموش رہنا چاہیئے۔ مناسب یہ ہے کہ کسی سے بات تک نہ کرے سوائے اپنے شیخ سے اور وُہ بھی ضرورت کے مطابق تاکہ واقعہ کا کشف ہو اور عرضِ حال کے لئے کہ مَنۡ سَکَتَ سَلِمَ وَمَنۡ سَلِمَ نَجَا جو خاموش رہا سلامت رہا اور جو سلامت رہا نجات مل گئی۔

چھٹی شرط ہے کہ اپنے دل میں توجہ شیخ کے دِل سے قائم رکھے کیونکہ شیخ کامل کا دِل، عالم غیب کا پروردہ اور حضرت رب العزت کی طرف متوجہ ہے۔ فضل خُداوندی کے فیوضات، ہر دم شیخ کامل کے دل میں پہنچتے رہتے ہیں اور شیخ کے دِل سے مُرید کے دل تک پہنچتے رہتے ہیں۔ شیخ کامل کی شکل و صُورت اور اس کی توجہ باطنی کو ہمیشہ اس راہ کی

دلیل اور رہبر جانے اور جب مرید کو کوئی مشکل آفت یا خوف ہو فوراً ولایت شیخ کی جانب توجہ کرے اور شیخ کے اندرون دل سے مدد چاہے تاکہ وہ آفت و خوف دور ہو جائے۔

ساتویں شرط ترک جلالی ہے یعنی کھانے پینے کی چیزیں مثلاً گوشت حیوانات جلالی سے کلیتہً پرہیز کرے تھوم پیاز مچھلی مولی دودھ دہی وغیرہ ان سب اشیائ سے دور رہے۔ بہتر ہے کہ روزہ دار ہو کیونکہ روزہ، تعلقات بشریہ اور خواہشات نفسانیہ دور کرنے میں بہت زیادہ قوی اثر رکھتا ہے۔

آٹھویں شرط خلوت کے دنوں چلہ کشی میں نیند تھوڑی کیا کرے۔ جب نیند کا سخت غلبہ ہو تو تھوڑی دیر کے لئے بستر پہ دراز ہو جائے یا زانوؤں پر سر رکھ کر نیند کر لیا کرے جب بیداری ہو فوراً وضو جوڑ کر تحیتہ الوضو پڑھے اور حسب دستور ذکر میں مشغول ہو جائے۔ یاد رہے کہ خلوت گاہ سے وضو نماز باجماعت خطبہ جمعہ کے لئے باہر جا سکتا ہے مگر فوراً واپس آئے۔ راستہ میں دائیں بائیں اور لوگوں کے ساتھ باتیں کرنے سے اجتناب کرے۔

شیخ محمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ اپنے رسالہ "الخلوۃ فی الجلوۃ" میں فرماتے ہیں۔ خلوت تین قسم ہے۔

اول۔ جب کوئی شخص خلوت گاہ میں داخل ہو، روزہ دار ہے اور سبق قرآن و حدیث بھی پڑھا لیتا ہے۔ تلاوت قرآن مجید اور دعا و نوافل کر لیتا ہے مگر خورد و نوش اور نیند قلیل برائے نام ہے البتہ لوگوں کے ساتھ بھی میل جول رکھتا ہے حاجت ضروریہ کے بغیر باہر نہیں جاتا مگر نیت میں شہرت مطلوب ہے تاکہ مرید اور معتقد بہت ہو جائیں۔ نذر نیاز حاصل ہو ایسی خلوت سے کیا فائدہ؟

مکن زہد ریائی را طلب کن بادشاہی را!
رہا کن خودنمائی را برو اصلاح باطن کن

نام و نمود کے لئے نیکی نہ کرو دین و دنیا کی بادشاہت مانگو خودنمائی اور شہرت چھوڑ دو۔ جاؤ باطن (دل و روح) کی اصلاح کر لو۔

تاہم متذکرہ خلوت بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ یہ اچھا کام ہے اور اچھے کام کا معاوضہ دس گنا ملا کرتا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (پارہ رکوع ) جو شخص کوئی نیک کام کرے اس کو دس گنا نیکی ملیگی۔ لہٰذا نیت فاسدہ (طلب شہرت اور طلب دنیا) بھی دفع رفع ہو جائیں گی۔ بمطابق ارشاد باری تعالیٰ اِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ بیشک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

دوم:۔ خلوت میں بیٹھنے والے کی نیت یہ ہو کہ اس خلوت میں جو کام کیا جا رہا ہے صرف اس لئے کہ دین و دنیا کا مطلب و مقصد حاصل ہو جیسا کہ ارشاد باری ہے۔

رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ (پارہ ۲ رکوع) اے ہمارے پروردگار دنیا میں ہمیں نیکی دیدے اور آخرت میں بھلائی دے دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچالے۔

دنیا کی بھلائی (فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً) یہ ہے کہ رزق مال اور اولاد ملے اور آخرت کی بھلائی (فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً) سے مراد ہے حور و قصور جنت اور دیدار رب رسول کریم۔ جب کہ دار الآخرۃ بہتر باقی اور رہنے والی چیز ہے۔

یہ دوسرے قسم کی خلوت (دارین کی بھلائی کی طلب کی نیت ہو) بہت خوب ہے مگر تفرقہ سے خالی نہیں ہے اس میں شک نہیں کہ اکثر اہل جنت سادہ لوح ہوتے ہیں

قومے زخیال در غرور افتادند!

و اندر مطلب حور قصور افتادند

ایک گروہ کو غرور و تکبر نے اس خیال میں مبتلا کر دیا کہ (وہ عابد و زاہد ہیں) اور وہ قصور و حور کی طلب میں ہی رہ گئے۔ ماشاء اللہ اگر ہمارے چہرہ سے پردہ اٹھا دیا جائے تو پتہ چلے گا کہ ہم (غلط نیت کر کے) مقصد و مطلب سے بہت دور ہو گئے ہیں۔

سوم:۔ خلوت نشین کا اعتقاد صحیح یوں ہو کہ "كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ" کہ

اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز فانی اور باطل ہے۔ خلوت نشین صرف اپنے دل کا تحفظ چاہتا ہو۔ اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے اللہ تعالیٰ کی یاد میں مصروف ہو دُنیا و عقبیٰ سے عاری ہو۔ اسے نمازمیں آنکھوں کی ٹھنڈک محسوس ہو۔ دُنیا اور آخرت کی لذتوں کا طلبگار نہ ہو تو ایسے شخص کے لئے اللہ تعالیٰ کے نزدیک آنکھوں کو لذت و ٹھنڈک دینے والی نعمتیں پوشیدہ کر کے رکھ دی گئی ہیں۔

اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ آخرت کے طلبگاروں پر دُنیا حرام ہے اور دُنیا کے پیاسوں پر، آخرت حرام ہے جبکہ اہل اللہ کے لئے دُنیا و عقبیٰ دونوں حرام ہے اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ پر توکل کر لیا اس کے سامنے دُنیا و عقبیٰ حقیر چیز ہے۔

بہر حال جنہیں خلوت کی یہ تیسری قسم مقصود ہو یعنی صرف دل کا تحفظ چاہتا ہو تو زہے نصیب! سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

مَنْ ذَاقَ حَلَاوَةَ الْعُزْلَتِہٖ وَالْخَلْوَۃِ اِسْتَغْنٰی مِنْ کُلِّ جَلْوَۃٍ

جس شخص نے عزلت و خلوت کا مزہ چکھ لیا وُہ ہر قسم کی جلوت سے مستغنی ہو جاتا ہے۔

لٰہذا جو آدمی دل محفوظ رکھتا ہے وُہ گویا کہ خلوت میں ہے اگرچہ جلوت میں رہ رہا ہو۔ نظم اندریں مضمون درج ہے۔

| | |
|---|---|
| برو بنشیں تو در کنجے دریں منزل بکش رنجے | کہ تا یابی مگر گنجے برو اصلاحِ باطن کن |
| درت بربند و ہم روزن بدر زنجیر کن محکم | مزن جز یادِ حق یکدم برو اصلاحِ باطن کن |
| اگر باید ترا وصلش ہمیشہ باش در خلوت | مکن جز صحبتِ اُلفت برو اصلاحِ باطن کن |

کسی ایک کونہ میں بیٹھ کر رنج و محنت برداشت کیا کریں۔ شائد کہیں سے کوئی خزانہ مل جائے۔ روشندان، دروازہ محکم اور مضبوط زنجیر سے بند کر کے صرف حق تعالیٰ کا ذکر کیا جائے۔ اگر تمہیں محبوب حقیقی کا وصل و وصال چاہیئے تو ہمیشہ خلوت اختیار کریں اور مقبولانِ الٰہی کی مجالست اختیار کی جائے۔ یہی طریقہ ہے جس سے باطن کی اصلاح ہوا کرتی ہے۔ خدا نصیب کرے! (تمت بالخیر)

بسم الله الرحمن الرحيم
سبحان ربك رب العزة
عما يصفون وسلام
على المرسلين والحمد لله
رب العالمين

[ الحمدُ للہ کہ اس کے حسنِ اتفاق و توفیق سے ترجمہ "مکتوبات شریف" ۴ شوال ۱۴۱۰ھ (چودہ سو دس ہجری) میں مکمل ہوا۔ حق تعالیٰ میری بھول چوک اور کج فہمی کو ببرکت ارواح طیبہ اولیائے کرام رضی اللہ عنہم کے معاف فرما دے اور ان حضرات کے نورِ باطن سے میرے ظلمت کدہ دل کو نورانی فرما دے آمین!

شیخ طریقت صاحبزادہ میاں کریم بخش مہاروی حفظ اللہ جلالتہ کے حسب ارشاد ترجمہ کتاب مستطاب اختتام کو پہنچا ہے اور تمنا یہ ہے کہ جس طرح میری زندگی مشائخ عظام قبلۂ عالم و عالمیان رضی اللہ عنہم کی یاد میں بسر ہو رہی ہے۔ یوں ہی میری موت بھی انہی حضرات کے ذکرِ خیر میں آئے۔ آمین ثم آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ حبیبہٖ سیدنا محمدٍ وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین ابد الآبدین ودھر الداھرین اور آخر دعوانا ان الحمدُ للہ رب العالمین

آخر میں صرف ایک شعر دعائیہ لاحق ہے جسے جلوت و خلوت میں بار بار پڑھتا ہوں۔

آنانکہ خاک را بنظر کیمیا کنند
آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

از مترجم محمد عبد الغفور غزنوی ]

[ بحمد اللہ الکریم و بطفیل نبی علیہ الصلوٰۃ و التسلیم آج بتاریخ ۲۶ ربیع الاول ۱۴۱۱ھ مطابق ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۰ء بندہ گنہگار فقیر حافظ اللہ یار فریدی کتاب مستطاب نافع شیخ و شاب المعروف بمکتوبات شریف کے ترجمہ پر نظر ثانی و تصحیح سے بوقت سات بجے شام بروز بدھ فارغ ہوا۔

للہ الحمد اولاً و آخراً و مصلیا علی سید الانام علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

حافظ اللہ یار فریدی۔ ]

# نقشہ تواریخ اعراس مشائخ عظام سلسلہ چشتیہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

| محرم الحرام | صفر المظفر | ربیع الاول | ربیع الثانی | جمادی الاول | جمادی الآخر |
|---|---|---|---|---|---|
| ۲<br>عرس مبارک عمر فاروق<br>رضی اللہ عنہ | ۱<br>خواجہ خدا بخش ملتانی<br>ثم خیرپوری<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۳<br>خواجہ فضیل ابن عیاض<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۱۷<br>محبوب سبحانی شاہ عبد القادر الجیلانی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۱<br>شیخ سراج الحق والدین<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۱<br>ناصر الحق والدین احمد بن فرسناف<br>رحمۃ اللہ علیہ |
| ۴<br>خواجہ حسن البصری<br>رضی اللہ عنہ | ۷<br>شاہ محمد سلیمان تونسوی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲ تا ۱۲<br>وفات سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم<br>از دوم تا دوازدہم<br>مختلف فراست | ۱۴<br>ابو اسحاق شامی چشتی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۶<br>ابراہیم بن ادہم بلخی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۵<br>مولانا جلال الدین رومی<br>رحمۃ اللہ علیہ |
| ۵<br>خواجہ گنج شکر پاکپتن<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۲<br>شیخ محمود عرف راجن<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۱۴<br>قطب خواجہ بختیار اوشی کاکی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۱۸<br>سلطان المشائخ محبوب الٰہی دہلی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۵<br>خواجہ حافظ محمد جمال ملتانی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۳<br>سیدنا ابوبکر صدیق<br>رضی اللہ عنہ |
| ۱۰<br>شہید کربلا سیدنا امام حسین<br>رضی اللہ عنہ | ۲۶<br>شیخ علم الحق والدین<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۴<br>شیخ کلیم اللہ جہان آبادی<br>رحمۃ اللہ علیہ | | ۶<br>خواجہ نور محمد حاجی پوری<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۴<br>مولانا فخر جہاں کریم الدہلوی<br>رحمۃ اللہ علیہ |
| ۱۴<br>خواجہ ممشاد دینوری چشتی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۷<br>خواجہ عبد الواحد بن زید<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۷<br>خواجہ غلام فرید مہاروی<br>رحمۃ اللہ علیہ | | | |
| ۲۸<br>شیخ یحییٰ مدنی<br>رحمۃ اللہ علیہ | ۲۹<br>خواجہ شیخ محمد<br>رحمۃ اللہ علیہ | | | | |

| رجب | شعبان | رمضان | شوال | ذیقعد | ذی الحج |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱ خواجہ ابو محمد بن ابو احمد چشتی رحمۃ اللہ علیہ | | ۱۸ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ | ۵ خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ | ۱۲ شیخ نظام الدین اورنگ آبادی رحمۃ اللہ علیہ | ۳ قبلۂ عالم خواجہ نور محمد مہاروی رحمۃ اللہ علیہ |
| ۱ خواجہ مودود چشتی رحمۃ اللہ علیہ | | ۲۱ سیدنا علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ | ۷ ابو ہبیرہ البصری رحمۃ اللہ علیہ | ۱۷ خواجہ سید محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ | ۱۸ امیر المومنین عثمان غنی رضی اللہ عنہ |
| ۶ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ | | ۱۶ مولانا نور محمد محمد پوری رحمۃ اللہ علیہ | ۴ خواجہ سدید الدین حذیفۃ المرعشی رحمۃ اللہ علیہ | ۱۹ حافظ محمد علی شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ | ۲۰ شیخ جمال الدین عرف جمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ |
| ۱۰ حاجی شریف زندانی رحمۃ اللہ علیہ | | ۲۱ خواجہ نازک کریم محمد بخش چاچڑاں رحمۃ اللہ علیہ | ۱۸ خواجہ امیر خسرو الدہلوی رحمۃ اللہ علیہ | ۲۷ خواجہ کمال الدین مہاروی رحمۃ اللہ علیہ | ۲۴ امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ |
| ۱۳ خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ | | | | ۲۸ شیخ حسن محمد صاحب چشتی رحمۃ اللہ علیہ | |
| ۳ خواجہ غلام صدیق مہاروی رحمۃ اللہ علیہ | | | | | |

نوٹ :۔ سلسلۂ چشتیہ بہشتیہ اور دیگر سلاسل کے مشائخ عظام اور پیران کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے ایام وصال اس نقشہ میں دیئے گئے ہیں سلسلہ کے مریدان باصفا کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حسب امکان اس دن کلام اور طعام کے ساتھ ایصال ثواب کریں اور ہمیشہ اس عمل پر رہیں

# حرفِ آخر

## الحمدُ لِلّٰہ

کہ "مکتوباتِ مہاروی" کی ترتیب و کتابت کا کام مکمّل ہُوا۔ آج ہم اِس قابل ہو گئے کہ اسے طباعت کے لئے پریس کو دے سکیں۔ مخدومی جناب الحاج خواجہ کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہٗ کی بابرکت سرپرستی اور اُن کی کریمانہ دُعائیں اگر شاملِ حال نہ ہوتیں، تو ہم اس کارِ خیر کو پایۂ تکمیل تک نہ پہنچا سکتے۔ جملہ مراحل میں جن حضرات، احباب اور عزیزان نے اس کارِ خیر میں شرکت کی، یہ خاکسار ان سب کا دلی طور پر شکر گزار ہے۔

شناس نامہ میں چند احباب کے اسمائے گرامی دِیئے گئے ہیں، جنہوں نے ترجمہ، نظرِ ثانی اور اصلاح کا فریضہ سرانجام دیا۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کا مختصر سا تعارف دے دیا جائے:

پروفیسر محمد عبدالغفور صاحب غوثوی: دینی تعلیم کے حصُول کے بعد دس بارہ سال درس و تدریس میں مشغول رہے۔ اسی عرصہ میں ایم اے عربی و اسلامیات کیا پھر مدینہ طیبہ چلے گئے اور وہاں سات برس قیام کا شرف حاصل کیا۔ آج کل گورنمنٹ کالج، علی پُور، ضلع منظفر گڑھ میں پروفیسر ہیں۔ حضرت خواجہ محمد غوث مہاروی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے ہیں۔

پروفیسر حافظ اللہ یار صاحب فریدی جلال پور پیروالا نزد شجاع آباد کے رہنے والے ہیں۔ آپ حضرت خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ (کوٹ مٹھن شریف) کے خانوادۂ عالی مقام سے ارادت رکھتے ہیں۔ نظرِ ثانی کے وقت گورنمنٹ کالج ملتان میں پروفیسر تھے۔

پروفیسر منظور حسین صاحب سیالوی، شعبۂ عربی گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں عربی کے پروفیسر ہیں اور ایم اے عربی کے طلبہ کو پڑھاتے ہیں۔ حضرت خواجہ قمرالدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ سے ارادت رکھتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اختر چیمہ صاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے شعبۂ فارسی کے صدر ہیں۔ آپ نے تہران یونیورسٹی سے "مقامِ شیخ فخرالدین عراقیؒ در تصوفِ اسلامی" کے موضوع پر پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے۔ نقشبندی، مجددی سلسلہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی صاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی، گورنمنٹ کالج فیصل آباد میں شعبۂ عربی کے صدر ہیں۔ آپ نے "برِ صغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری" کے موضوع پر پنجاب یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ہوئی ہے۔ نقشبندی سلسلہ میں ارادت رکھتے ہیں۔

میرے تصنیف و تالیف و ترجمہ کے تمام علمی کاموں کے آپ ہی نگران و راہ نما ہیں۔

مَیں بیس برس گورنمنٹ کالج فیصل آباد کے شعبۂ اسلامیات میں پڑھاتا رہا۔ ۱۹۷۵ء میں ریٹائر ہوا۔ اُس وقت سے درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہوں۔ چشتیہ سلسلہ میں حضرت میاں عبدالصمد دہلویؒ سے ارادت اور حضرت خواجہ خان محمد تونسویؒ سے خلافت کا شرف حاصل ہے۔ مَیں ان تمام مذکورہ بالا حضرات کا دلی طور پر شکریہ ادا کرتا ہوں کیونکہ مکتوبات کے ترجمہ اور اس کی اصلاح کے سلسلہ میں سب کام تو ان حضرات ہی نے کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو احسن جزا عطا فرمائے۔ اِس کتاب کی کتابت اور طباعت و اشاعت کے سلسلہ میں جو خدمت مَیں کر سکا، اللہ تعالیٰ اسے بھی قبول فرمائے۔

آخر میں اپنے مخدوم حضرت الحاج خواجہ کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہٗ کو دلی مبارکباد دیتا ہوں کہ اُن کی دیرینہ خواہش پوری ہوئی۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں تا دیر اہلِ سلسلہ کے سروں پر سلامت رکھے۔ یہ خادم تو صرف اُن کی دُعاؤں کا محتاج ہے:

دارد دلِ درویش تمنائے نگاہے

خادم الفقراء
افتخار احمد چشتی صمدی سلیمانی

۱۶ شوال ۱۴۱۵ھ

خطی نسخہ

## پنج گنج فارسی کی فوٹو کاپی

تصنیف

## حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

# پنج گنج (فارسی)

حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی پانچویں فارسی تصنیف پنج گنج ہے۔ یہ خطی نسخہ بھی حضرت خواجہ الحاج میاں کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ کے ذاتی کتب خانہ میں تھا۔ یہ دراصل مجموعۂ اوراد و وظائف ہے، جو ہمارے مشائخ چشت کے معمولات میں سے ہے۔

حاجی کریم بخش صاحب دامت برکاتہ نے اپنے ۶ مارچ ۱۹۹۵ء کے مکتوب گرامی میں تحریر فرمایا "امید کہ پنج گنج بھی آخر میں لف کر دیا ہو گا۔ شاید اہلِ سلسلہ اس سے مستفیض ہو سکیں۔" حسب الارشاد شامل کیا جا رہا ہے۔

(مرتّب)

رب یسر بسم الله الرحمن الرحیم وتمم بالخیر

الحمد لولیه والصلوٰة علی نبیه وآله واصحابه اجمعین اما بعد عرض میدارد
فقیر امام بخش مهاروی اینچند کلمه در باب نوافل و وظائف معمول پیران عظام
حضرات خواجگان جنت ایاب بهشت مآب بنا بر پاس خاطر جناب پیرزاده صاحب محمد بخش
ناگوری که از اولاد والا امجاد حضرت خواجه حمید الدین المعروف بصوفی و سلطان التارکین
اند بطریق اختصار و قدر ما یحتاج هر لیل و نهار که اکثر العقلات ایزد غفار بروز مره
وظیفه مقرر نمایند ترتیب کرده بشرط مداومت نصیب ازلی او نماید و این احقر را دعاگو
بدعا یاد فرمایند وما توفیقی الا بالله و ازانجا که اوقات خمسه اول متعینه بهر
وظائف و نوافل اند ازان پنج گنج موسوم ساخته و هم مشتمل بر پنج گنج داشته
گنج اول در اوراد وقت تهجد تا طلوع صبح صادق گنج دوم از اول صبح تا وقت
اشراق گنج سوم بعد نماز ظهر گنج چهارم بعد نماز مغرب گنج پنجم بعد نماز عشا
پس باید که این اوراد همراه وظیفه گرفته ناغه نکرده آید گنج اول سالک را باید که بوقت
آخر شب برخیزد و طهارت کامل کرده اول دوگانه تحیة الوضو گزارد در آن هر چه تواند
بخواند بعده دوازده رکعت نماز تهجد بشش سلام ادا سازد در هر دوگانه در رکعت اولی
فاتحه یکبار و سوره اخلاص سه بار بخواند و آیة الکرسی یکبار و در رکعت ثانیه بعد از فاتحه آمن الرسول تا آخر

یکبار و سوره اخلاص سه بار خوانده شود و اگر اینمقدار نتواند خواند پس باید که بر قدر که

تواند بخواند مگر ترک نسازد که بعد از فرائض و سنن معموله است تاکید است زیرا که این

تهجد بر پیغمبر ما محمد رسول الله فرض بود از عام فرضیه ساقط شد اما در ادای آن اشارت

اشاره است تاکید چنانکه قال الله تعالی فتهجد به نافلة لک عسی ان یبعثک ربک مقاما محمودا

بعد از آن در جای عزلت و تاریک بوضع دو زانو نشسته جهر شروع نماید مثلا اگر

لا اله الا الله را یکصد بار بخواند بعده کلمه الا الله را هم صد بار بخواند بعده اسم ذات

بقدر چهار صد بخواند و اگر کم تواند کم خواند مگر برین ترتیب خواند و این ذکر را سه رکن اند

یکی اسم ذات دوم ملاحظه صفات امهات یعنی علیم سمیع بصیر سوم واسطه که آنرا برزخ

و رابطه گویند و شرائط همین ذکر هفت اند بیت برزخ و ذات و صفات و شد و

مد و تحت و فوق میشاید طالبان را کل نفس ذوق و شوق مراد از برزخ صورت

شیخ است و مراد از ذات وجود مطلق و مراد از صفات امهات آن و مراد از شد

تغلیظ تشدید الله است و مراد از مد تمدید الف الله است و مراد از تحت آنست که

همزه الله را از زیر ناف شروع کند با قوت و مراد از فوق آنست که در دماغ تمام کند بعده

در مراقبه رفته تصور وجود مطلق و صورت شیخ نماید بعد از آن [illegible] بپردازد و اگر قدری از شب

باقی بود آرام پذیرد و اگر صبح دمیده بود بطهارت و نماز مشغول شود [illegible] باید که [illegible]

شغل دوم

سنت معمول خوانده سورهٔ فاتحه بضم بسم الله الرحیم به الحمد حبیب یکبار بخواند که برای دفع
عسرت مفید است بعده دوگانه فرض بر آرند باید که در اول وقت بجماعت کثیره گزارند
واگر کثیره میسر نشود بقلیله گزارد و پس سلام یکبار سبحان من لا یعلم قدره غیره و لا
یبلغ الواصفون وصفه بخواند بعده آیة الکرسی تا سمیع علیم یکبار و آیه کریمه تؤتی
بیدک الخیر الی قوله لکل شیٔ قدیر یکبار و سورهٔ فتح یکبار و اخلاص سه بار و
درود شریف سه بار بخوانده بسوی آسمان بدمد که در کتب پیران عظام مرقوم است که هر که
همین وظیفه را بعد نماز عادت نماید تلخی وقت نزع و عذاب قبر ازو رفع شود بعده
الم نشرح هفت بار خواند بر دست راست دمیده بر پستان چپ بمالد که در طبع ملکه
افزاید بعده بدعا مشغول شود باید که دعا مکرر باشد که در طلبید که معمول پیران با کمال
بد همین است بعده یکمرتبه دعای حزب لطف اللهم یکبار بخواند و دعای اللهم صلی
نفحه هفت بار بخواند بعده دعای یا مفتح ... یکبار بخواند که برای
فراخی گذران مفید است بعد از آن سلسله مبارکه که از هر کدام که از چهار سلسله است
بخوانند و ازانجا که اکثر مردم بخدمت پیران ما داخل سلسله چشتیه بهشتیه می شوند سلسله چشتیه
میخوانند ... هر که را جاوید باید جست ... هر صبح ... شیخ پیران چشت
بعد از آن درود مستغاث شریف یکمرتبه بخواند و هم اسمای شریف حسب مشار الیه رزمره

بخوانند باید که اول و آخر هر منزل یکبار سورهٔ فاتحه و هفت بار سورهٔ اخلاص خوانده ثواب
آن بروح حضرت غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی الله عنه بخشد و هم اسماء حسنی
نود و نه نام حق تعالی بخواند بعده اسماء آنحضرت صلی الله علیه وسلم که دو صد و یک اند بخواند بعده
باقی دلائل الخیرات بموجب منزل بخواند باید که آغاز از روز دوشنبه نماید بعد از آن شش
رکعت نماز چاشت بخواند در هر رکعت بعد از فاتحه هفت بار سورهٔ اخلاص بخواند بعده
اگر مطالب العلمی تا نهم بخواند و اگر شاغل بود بخواند اما نیز مشغول غرض که هر کار که کردنی باشد
بکند و بوقت فی الزوال بقیلوله مواظبت دارد که مسنون طریقت و بجهت ریاضت
خیر اسباب توفیق است گنج سیوم هر گاه که آفتاب از فی الزوال در گذرد و سایه
داخل مثل اول شود پس نماز ظهر بجماعت بگزارد اگرچه نزد حضرت امام اعظم علیه الرحمه
وقت ظهر تا گذشتن دو مثل سوای سایه اصلی است اما معمول مشائخ ما در مثل اول است
که در آن اتفاق ائمه اجمع است و تحقیق سایه اصلی در کتب فقه مسطور است نگاه باید کرد
و اگر روز جمعه باشد اگر شرائط در آنجا موجود باشند فبها و در صورت دیگر بر جای گزاردن جمعه
افضل است که معمول پیران ما همین است و بعد فراغت نماز ظهر کلام الله شریف
بحسب منازل باید خواند اما بقدر یک سیپاره و یک پاره افضل است و اگر زیاده خواهد کم
گردد هم جائز است بعد از آن بعد مطالعه رفتن باشد بر رود و اگر وقت ظهر گذشته باشد



بکی نماز

پس بنماز عصر مشغول شود باید که اول چهار رکعت سنت گزارد بعد از آن فرض بجماعت گزارد

گنج چهارم و بهنگام شام بعد از نماز شام شش رکعت نماز اوابین به سه سلام بخواند و

در هر رکعت بعد فاتحه سه بار سورهٔ اخلاص بخواند بعد از آن دو رکعت صلوة حفظ الایمان

خواند مشغول شود در رکعت اولی بعد فاتحه اخلاص هفت بار و فلق یکبار و در ثانیه بعد

فاتحه اخلاص هفت بار و ناس یکبار بعد از سلام سر بسجده رفته یا حی یا قیوم ثبتنی

علی الایمان سه بار گوید بعده بجهر تمام ذکر مشغول شود بعد از آن اگر ثلث شب بگذرد گنج پنجم

بنماز عشا مشغول شود و اگر مداوم عازم باشد بیشتر بخواند اما معمول مشایخ ما بعد از

ثلث شب است اما باید اول چهار رکعت سنت بخواند بعده فرض بجماعت گزارد

و بعده دو رکعت سنت دو رکعت نفل بگزارد در هر رکعت بعد فاتحه الم اخلاص ده بار بخواند

بعد از سلام یا ذکی ات هفتاد بار و ده مرتبه اذا جاء نصر الله خواند یا بدیع العجائب

بالخیر یا بدیع یکصد مرتبه بخواند بعد سه رکعت وتر خواند سر بسجده رفته دعا بخواند

و بعد از هر نماز پنجگانه سبحان الله سی و سه بار بخواند و الحمد لله نیز سی و سه بار گوید

و الله اکبر سی و چهار بار بگوید و بعد از عشا بوقت خفتن اسم ذات یا الله یا الله سه هزار

یازده بار بگوید بعد از آن محاسبه کرده بخسبد و طریق محاسبه نیست که بهنگام خفتن هر کاری که از

نیک و بد از اول صبح تا عشا از وی سر زده باشد او را یاد آورده و خوب ضبط نموده از اعمال

از اعمال حسنه شکر ت جناب ایزدی بجا آرد و از اعمال سیئه توبه کما حقه نماید تا که ازو
پریشانی و پشیمانی خود و آنچه بکر داو نگردد و از حساب یکروزه هر روز پاک و صاف شود
که التائب من الذنب کمن لا ذنب له وارد ست نموده اند که بزرگی پسر خود را بوقت فجر
فرموده که امروز هر کدام کاریکه از تو سرزد شود آنرا ضبط داری که بوقت عشا از تو
خواهم پرسید پس که بعنوان جوانی چنانکه افتد و دانی مست بود از و یادکارهای امور
گزیده هر گاه که پدر از وی حساب اعمال روزینه پرسید بیان نمود که اول اول که از خواب
بیدار گشته ام فلان کار کرده ام بعده فلان و بعد ازان فلان الغرض که چند کار پیش
پدر بزرگوار خود بیان نمود ازین باقی عاجز ماند گفت که مرا دیگر کارها کرده خود فراموش
شده اند چگونه بیان نمایم پدر بدر جواب فرمود ای بو الفضول تو که از حساب چهار پاس
عاجز ماندی چگونه بروز قیامت حساب اعمال تمام عمر خود میدهی بیت

تو نمیدانی حساب صبح و شام ⁂ کی حساب میدهی عمر تمام

ازان پیران عظام ما همین وظیفه ابطال ثلثه بعد عشا
تمام میفرمودند بعده بر لب الله الله الله
کرده بخواب رود فقط والسلام
علی من اتبع الهدی
تمت تمام

# دیوانِ عاجز

## حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ

سے چند اشعار بطور تبرک

اے کہ غم دادی و غمخواری ہنوز !
دل زمن بُردی و دِلداری ہنوز

درمتاعِ حُسن گشتی جلوہ گر
ہم بُرخت خُود خریداری ہنوز

در لباسِ ماومن گشتی عیاں
ویں عجب از ماومن عاری ہنوز

مُلکِ دل را در تسلط کردہ
ہمچناں قصدِ دِل آزاری ہنوز

در حریم سینہ ام جا ساختی
ہم بعزمِ سینہ افگاری ہنوز

ریختی خُونِ غریبِ بے گناہ
حیرتے دارم کہ دیں داری ہنوز !

صد ہزاراں از نگاہت مست شد
طرفہ تر مستی و ہشیاری ہنوز

ہمچو عاجز اشک بار از تو ہزار
بالبِ خنداں شکر باری ہنوز

شکر للحمد ہر آں چیز کہ خاطر مے خواست

آخر آمد ز پسِ پردۂ تقدیر پدید

(مُرتّب)

۲؍ ذوالقعدہ سنہ ۱۴۱۵ھ

# مکتوباتِ مہاروی

## حضرت خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کا اردو ترجمہ

خواجہ امام بخش مہاروی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیفِ خمسہ میں سے دو فارسی تصانیف گلشنِ ابرار اور مخزنِ چشت کے اردو تراجم قبل ازیں شائع ہو چکے ہیں۔ مکتوبات آپ کی تیسری فارسی تصنیف ہے، جس کا اردو ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔ یہ تصنیف خطی نسخہ کی صورت میں الحاج خواجہ کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہٗ کے ذاتی کتب خانہ میں موجود تھی۔ آپ نے اس کا ترجمہ پروفیسر محمد عبد الغفور صاحب غوثوی سے کرایا، نظرِ ثانی پروفیسر حافظ اللہ یار صاحب فریدی سے کرائی اور کتابت، طباعت اور اشاعت کے لئے چشتیہ اکیڈمی کے بانی پروفیسر افتخار احمد صاحب چشتی کے پاس بھیج دیا۔

ہم جناب حاجی کریم بخش صاحب مہاروی دامت برکاتہ، کے دلی طور پر شکر گزار ہیں کہ ان کے کرم سے یہ علمی و دینی خدمت ہمارے حصے میں آئی۔ کتابت و طباعت کے مراحل سے گزر کر ہم اب اس قابل ہوئے ہیں کہ اسے مطبوعہ صورت میں اہلِ علم و عرفان کی خدمت میں پیش کر سکیں۔ امید ہے کہ حضرات اور قارئین اس ارمغانِ دینی کو پسند فرمائیں گے۔

ناظم

چشتیہ اکیڈمی فیصل آباد،

(پاکستان)


پتہ:-

کاشانہ چشتیہ، فرحت منزل،

گلی نمبر ۲، وکیلاں والی،

چنیوٹ بازار، فیصل آباد،

(ٹیلی فون:- ۶۳۸۸۵۵)